حُسنِ اعمال

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

حسنِ اَعمال

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

ISBN 969-32-0336-4

نام کتاب	:	حسنِ اَعمال
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	:	کوثر رشید، نازیہ عبد الستار
نظرِ ثانی	:	محمد علی قادری، ضیاء نیّر
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل تا پنجم	:	(8,300)
اِشاعتِ ششم	:	اپریل 2002ء (1,100)
اِشاعتِ ہفتم	:	مارچ 2003ء (1,100)
اِشاعتِ ہشتم	:	ستمبر 2004ء (1,100)
اِشاعتِ نہم	:	مارچ 2005ء (1,100)
اِشاعتِ دہم	:	مارچ 2007ء
تعداد	:	1,100

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَـوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِـمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مُـحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱ / ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چِٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴ / ۷۰-۹-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چِٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱ / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چِٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

اِجمالی فہرست

فہرس

صفحہ	مشتملات
۲۶۸	۱۔ قرآن مجید میں قیام اللیل کا بیان
۲۷۱	۲۔ قیام اللیل بندوں کی صفات
۲۷۳	۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا قِیام اللّیل
۲۷۴	۴۔ احادیثِ مبارکہ میں قِیام اللّیل کا بیان
۲۷۶	۵۔ شب زندہ داروں کا حساب و کتاب کے بغیر جنت میں داخلہ
۲۷۶	قیام اللیل اور سلفِ صالحین کے اقوال و احوال
۲۸۵	قیامِ شب کی توفیق کیسے نصیب ہوتی ہے؟
۲۸۸	قیامِ شب سے محرومی کے اسباب
۲۹۰	اوقاتِ شب کی تقسیم
۲۹۱	شبِ بیداروں کے چار گروہ اور ان کی عبادات
۳۰۰	نمازِ تہجد
۳۱۵	ماہِ رمضان میں قیام اللّیل کی فضیلت
۳۱۸	قدر والی راتوں میں قیام کی فضیلت
۳۲۰	۱۔ شبِ براءت کا قیام اور مسنون دعائیں
۳۲۵	۲۔ شبِ قدر کا قیام اور مسنون دعائیں

صفحہ	مشتملات
۳۴۹	۹۔ قرآن پڑھنے والوں کا فرمانبردار بندوں میں شمار
۳۴۹	۱۰۔ تلاوتِ قرآن سینے کا نور اور آخرت میں نیکیوں کا ذخیرہ
۳۵۰	۱۱۔ تلاوتِ قرآن سے مکان و مکین پر خیر و برکت کا نزول
۳۵۱	۱۲۔ تلاوتِ قرآن قیامت کی سختیوں سے وسیلہ و نجات ہے
۳۵۱	تلاوتِ قرآن اور سلفِ صالحین کے اقوال و معمولات
۳۵۵	تلاوتِ قرآن سے ایصالِ ثواب
۳۵۷	تلاوتِ قرآن سے غیبی مشاہدات کا ظہور
۳۵۹	مشاہدات میں رکاوٹ کے اسباب
۳۶۰	تلاوتِ قرآن کے آداب
۳۷۴	حافظِ قرآن کی فضیلت
۳۷۵	سماعِ قرآن کی فضیلت
۳۷۸	فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ایمان سماعِ قرآن کی بدولت تھا
۳۸۰	ایک جگہ جمع ہو کر قرآن پڑھنے کی فضیلت
۳۸۱	قرآنِ حکیم بھول جانے پر وعید

صفحہ	مشتملات

مشتملات	صفحہ
باب ہفتم:	
دعا اور آدابِ دعا	۴۴۹

صفحہ	مشتملات
۵۲۹	۳۔ صدقہ و خیرات اصل دینداری ہے
۵۳۱	۴۔ صدقہ و خیرات رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے
۵۳۳	۵۔ صدقہ و خیرات ۔ قرضِ حسنہ
۵۳۵	۶۔ صدقہ و خیرات تزکیہ کا باعث ہے
۵۳۶	۷۔ صدقہ و خیرات اجابتِ دعا کا باعث ہے
۵۳۸	۸۔ صدقہ و خیرات مہلک بیماریوں کا شافی علاج ہے
۵۳۹	۹۔ صدقہ و خیرات ذلت آمیز موت سے بچنے کا ذریعہ ہے
۵۴۰	۱۰۔ صدقہ و خیرات جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے
۵۴۰	۱۱۔ صدقہ و خیرات دائمی نیکی ہے
۵۴۱	۱۲۔ روزِ قیامت مومن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا
۵۴۲	طبقۂ نسواں کو صدقہ و خیرات کی تلقین
۵۴۳	صدقات و خیرات کے حقدار
۵۴۵	بخل کی مذمت
	باب نہم
۵۵۱	فاقہ اور کم خوری
۵۵۳	فاقہ اور کم خوری کی ضرورت و اہمیت

صفحہ	مشتملات
	باب یازدہم
۶۳۱	**خلوت اور کم آمیزی**

پیش لفظ

ہر چیز کی اَہمیت اور قدر و منزلت کا راز قدرت نے صفتِ ''حسن'' سے مشروط کر دیا ہے۔ عرفاء نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ''حسنِ مطلق'' کا اِستعارہ اِستعمال کیا ہے اور اُس تک رسائی کی فطری خواہش کو اِنسان کی منزلِ مقصود قرار دیا ہے۔ اِس منزل کی طرف رواں دواں خوش قسمت لوگوں کا سامانِ سفر صرف اور صرف حسنِ عمل ہے۔

حسنِ عمل کا اِنجن ہے، حسنِ عمل کی قوت ہے، حسنِ عمل کی قبولیت ہے، حسنِ عمل کی مؤثریت ہے اور حسن ہی عمل کی قیمت ہے۔ یہی قوت و اثر عمل کو اِطاعت، اِطاعت کو عبادت، عبادت کو بندگی، بندگی کو رضا، رضا کو محبت اور محبت کو قربت کی منازل تک پہنچانے میں قدم قدم پر توانائی فراہم کرتا ہے۔ گویا ذرّے کو آفتاب، قطرے کو سمندر اور نقطے کو اَفلاک کی وسعتوں سے ہم کنار کرنے والی خصوصیت حسنِ عمل ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبرِ اَعظم و آخر حضور نبی اکرم ﷺ کی جامع اور محبوب ترین دعا جب لفظوں میں ڈھلی تو کائناتِ جِنّ و اِنس کی نمائندگی کرتے ہوئے گویا ہوئے: ''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی حسن عطا فرما اور آخرت میں بھی حسن سے نواز اور ہمیں (اپنے فضل کا سزاوار ٹھہراتے ہوئے) جہنم کے عذاب سے بچائے رکھ۔'' یہ آیت مبارکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں کا مغز اور نچوڑ ہی نہیں دعاؤں کی معراج بھی ہے۔ اُس عظیم اور حسین ترین ہستی نے اپنے کریم رب کی بارگاہ سے بندگی کی رِفعتوں اور قرب و وصال کی لذتوں سے ہم کنار ہو کر جس نعمت کی آرزو فرمائی وہ یہی حسنِ عمل اور حسنِ انجام کی دعا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسولِ حسن ﷺ کے ذریعے جس دینِ حسن کو زمین پر اُتارا اُس کے ہر اَمر اور نہی میں اِنسانیت کی خیر پنہاں ہے۔ یہ تو اِنسان ہی ہے جو اِس خیر کو شر میں بدل دیتا ہے، اپنی حسن طلب فطرت کو گناہوں کے بوجھ اور خواہشاتِ نفسانی کی آگ سے جھلسا دیتا ہے۔ اِسی لئے تو قرآن نے اسے ظلوماً جھولا (ظالم اور جاہل) کہا ہے۔ ظالم

اِس لئے کہ وہ خالق کی طرف سے تفویض شدہ حسنِ عمل کی سعادت کو بُرائی میں تبدیل کر دیتا ہے جو بالآخر اُسے اُس کی بندگی کے حصار سے نکال کر کھلے دشمن شیطان کی پیروی میں پہنچا دیتی ہے اور جاہل اِس لئے کہ وہ لاعلمی میں حسن دے کر قبح سمیٹ لیتا ہے۔ اِسلام صرف عمل کی تاکید نہیں کرتا بلکہ حسنِ عمل پر زور دیتا ہے کیوں کہ محض عمل عادت اور روٹین ہوتی ہے اور حسنِ عمل عبادت اور بندگی۔ دورِفتن کی دیگر قباحتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ہمارے اَعمال اِنفرادی اور معاشرتی فیوضات کا باعث نہیں رہے۔ نماز، روزہ، حج اور ذِکر وغیرہ جیسے اَعمال کا اَثر فرد پر بھی نظر آنا چاہیے اور معاشرے پر بھی۔ صالحیت کا نور زمین پر تب برستا ہے جب خلوص، تقویٰ اور خیرخواہی کا حسن اُس کی نیت کا محرک ہو۔ تاریخ میں اَنبیاء کے بعد طبقۂ صوفیاء حسنِ عمل کے اِس پیمانے پر پورے اُترتے رہے۔ چناں چہ اب بھی انہی محسنین نفوس کے نقوشِ پا سے ہی ہم اپنے اَعمال کو حسن کی نعمت سے سرفراز کر سکتے ہیں۔

''حسنِ اَعمال'' کا یہ کتابی مجموعہ ایک کوشش، ایک آرزو اور ایک تحریک ہے جو حضرت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کے حسنِ باطن کا اِظہار اور طلب ہے۔ آپ کی خواہش دراَصل ایسی مؤثر کتاب کی تدوین تھی جو بےعملوں کو عمل اور عمل والوں کو حسنِ عمل کی نعمت سے سرفراز کر سکے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اِس حسنِ طلب کو عالم اِسلام کے ہر فرد کا مقدّر بنائے۔ یہ کتاب چھوٹے حجم کے ساتھ کئی سال تک چھپتی رہی ہے، اب حسبِ ضرورت اِس میں اِضافہ جات کیے گئے ہیں۔ یہ اِضافہ جات محترمہ کوثر رشید اور محترمہ نازیہ عبدالستار کی شبانہ روز کاوِشوں کا ثمر ہیں۔ محترم محمد علی قادری اور محترم ضیاء اللہ نیّر سمیت راقم نے بھی اس کی نظرِ ثانی کی ہے۔ یہ کسی علم، فکر اور فلسفہ کی کتاب نہیں بلکہ تحریکِ منہاجُ القرآن کی طرف سے حسنِ عمل، حسنِ نیت اور حسنِ اَنجام کے لیے کی جانی والی ایک کاوِش ہے۔ اللہ تعالیٰ اِسے اپنی بارگاہِ ذوالجلال میں شرفِ قبولیت سے نوازے۔

(آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ)

ڈاکٹر علی اَکبر الازہری

(ڈائریکٹر رِیسرچ)

فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ، لاہور

بابِ اَوّل

توبہ و اِستغفار

توبہ کا معنی و مفہوم

تَوْبَۃٌ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ ''ت، و، ب'' ہے اور یہ تاب یتوب توبۃً سے مصدر ہے۔ اس کے لغوی معنی لوٹ آنا، رجوع کرنا اور گناہوں سے رُوگردانی کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہونا کے ہیں۔(۱)

معروف معانی میں توبہ گناہوں کی آلودگی سے احکامِ الٰہیہ کی اطاعت و فرمانبردای کی طرف ظاہری اور باطنی طور پر رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللهِ مَتَابًاo(۲)

''اور جس نے توبہ کر لی اور نیک عمل کیا تو اس نے اللہ کی طرف (وہ) رجوع کیا جو رجوع کا حق تھاo''

سورہ نور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تُوْبُوْٓا اِلَى اللهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo(۳)

''اور تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم (ان احکام پر عمل پیرا ہوکر) فلاح پا جاؤo''

اس آیتِ کریمہ میں رب ذوالجلال نے گروہِ مومنین کو حکم فرمایا ہے کہ تم سب

---

(۱) فیروز آبادی، القاموس المحیط، ۱: ۴۱

(۲) الفرقان، ۲۵: ۷۱

(۳) النور، ۲۴: ۳۱

کے سب اللہ کی طرف لوٹ آؤ تا کہ اس کے ذریعے سے تمہیں دنیا و آخرت کی فوز و فلاح نصیب ہو جائے۔

توبہ کا ایک معنی نادم و پشیمان ہونا بھی ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ۔(۱)

''(گناہ پر) پشیمان ہونا توبہ ہے۔''

توبہ کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''اتباعِ نفس سے اجتناب کرتے ہوئے اس میں یکسوئی اختیار کر لو پھر اپنا آپ حتی کہ سب کچھ اللہ کے سپرد کر دو اور اپنے قلب کے دروازے پر اس طرح پہرہ دو کہ اس میں احکاماتِ الٰہیہ کے علاوہ اور کوئی چیز داخل ہی نہ ہو سکے اور ہر اس چیز کو اپنے قلب میں جاگزیں کر لو جس کا تم کو اللہ نے حکم دیا ہے اور ہر اس شے کا داخلہ بند کر دو جس سے تمہیں روکا گیا ہے اور جن خواہشات کو تم نے اپنے قلب سے نکال پھینکا ہے ان کو دوبارہ کبھی داخل نہ ہونے دو۔''(۲)

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

التوبة تبديل الحركات المذمومة بالحركات المحمودة، و لا يتم ذلك إلا بالخلوة و الصمت۔(۳)

---

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، ۴: ۵۳۵، رقم: ۴۲۵۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۷۶، رقم: ۳۵۶۸

(۲) عبد القادر جیلانی، فتوح الغیب: ۱۵

(۳) غزالی، إحياء العلوم الدين، ۴: ۴

''توبہ کا مطلب ہے قابلِ مذمت افعال کو قابلِ ستائش افعال سے تبدیل کرنا اور یہ مقصد خلوت اور خاموشی اختیار کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔''

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ توبہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یہ دل کی ندامت، زبان سے بخشش مانگنے، اعضائے ظاہری کے گناہ ترک کر دینے کا نام ہے اور اس بات کو توبہ کہا جاتا ہے کہ توبہ کرنے والا دل میں یہ بات پوشیدہ رکھے کہ وہ لوٹ کر ایسا برا کام نہ کرے گا۔''(۱)

حضرت بوشنجی علیہ الرحمۃ سے توبہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

إِذَا ذَكَرْتَ الذَّنْبَ ثُمَّ لَا تَجِدُ حَلَاوَةً عِنْدَ ذِكْرِهِ فَهُوَ التَّوْبَةُ۔(۲)

''جب تم گناہ کو یاد کرو تو پھر تم اس کی یاد میں لذت نہ پاؤ تو وہ توبہ ہے۔''

شیخ ابوالحسن نوری علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے:

التوبة أن تتوب من كل شئ سوى الله عزوجل۔(۳)

''توبہ یہ ہے کہ تو خدا کے سوا ہر چیز سے رجوع کرلے۔''

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت میں جو کچھ مذموم ہے اسے چھوڑ کر ہدایت کے راستے پر گامزن ہوتے ہوئے، پچھلے تمام گناہوں پر نادم ہو کر اللہ سے معافی مانگ لے کہ وہ بقیہ زندگی اللہ کی مرضی کے مطابق بسر کرے گا اور گناہوں کی زندگی سے کنارہ کش ہو کر اللہ کی رحمت و مغفرت کی طرف متوجہ ہو جائے گا اس عہد کرنے کا نام توبہ ہے۔

---

(۱) أبو طالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۳۶۵

(۲) قشیری، رسالة قشیریة: ۹۶

(۳) ۱۔ قشیری، رسالة قشیریة: ۹۵

۲۔ سہروردی، عوارف المعارف: ۶۵۰

اِستغفار کا مفہوم

توبہ و استغفار کی اصطلاح ایک مترادف اصطلاح کے طور پر متداول ہے۔ اس کے معانی و مفاہیم بھی ایک دوسرے کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔ استغفار کا مادہ ''غَفَرَ'' ہے اور یہ باب استفعال کا مصدر ہے۔ اس کے معنی بخشش و مغفرت چاہنے اور سابقہ گناہوں سے معافی مانگنے کے ہیں۔(۱)

توبہ اور اِستِغفَار میں فرق

ندامتِ قلب کے ساتھ ہمیشہ کے لئے گناہ سے رک جانا توبہ ہے جبکہ ماضی کے گناہوں سے معافی مانگنا ''استغفار'' ہے۔ ''توبہ'' اصل ہے جبکہ توبہ کی طرف جانے والا راستہ ''استغفار'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ ھود میں چار مقامات پر توبہ سے قبل استغفار کا حکم فرمایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ○(۲)

''اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر تم اس کے حضور (صدق دل سے) توبہ کرو وہ تمہیں وقت معین تک اچھی متاع سے لطف اندوز رکھے گا اور ہر فضیلت والے کو اس کی فضیلت کی جزا دے گا (یعنی اس کے اعمال و ریاضت کی کثرت کے مطابق اجر و درجات عطا فرمائے گا)، اور اگر تم نے روگردانی کی، تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں○''

---

(۱) بستانی، محیط المحیط: ۲۴۳، ۶۵۶

(۲) ھود، ۱۱: ۳

۲۔ وَ یٰـقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْآ اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّ یَزِدْکُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِکُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَo[1]

''اور اے لوگو! تم اپنے رب سے (گناہوں کی) بخشش مانگو پھر اس کی جناب میں (صدقِ دل سے) رجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلادھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت پر قوت بڑھائے گا اور تم مجرم بنتے ہوئے اس سے روگردانی نہ کرناo''

۳۔ فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ط اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌo[2]

''سو تم اس سے معافی مانگو پھر اس کے حضور توبہ کرو۔ بیشک میرا رب قریب ہے دعائیں قبول فرمانے والا ہےo''

۴۔ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ط اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌo[3]

''اور تم اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اس کے حضور (صدق دل سے) توبہ کرو بیشک میرا رب نہایت مہربان محبت فرمانے والا ہےo''

ان آیاتِ کریمہ میں بھی پہلے استغفار کا حکم فرمایا گیا ہے اور پھر توبہ کا، علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ توبہ واستغفار میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الإستغفار لا یکون توبة بالاجماع ما لم یقل معه تبت و أسات و لا أعود إلیه أبدا فاغفرلي یا ربo[4]

---

(۱) هود، ۱۱: ۵۲

(۲) هود، ۱۱: ۶۱

(۳) هود، ۱۱: ۹۰

(۴) آلوسی، روح البیان، ۴: ۹۱

’’اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ استغفار اس وقت تک توبہ نہیں بنتا جب تک بندہ یوں نہ کہے’’میں نے توبہ کی اور میں نے بُرا کیا اور میں بُرائی کی طرف کبھی نہیں لَوٹوں گا، پس اے رب! تو مجھے بخش دے○‘‘

گویا گناہوں سے باز آنا، آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرنا اور صرف اللہ کی طرف متوجہ ہونا ’’توبہ‘‘ ہے جبکہ اللہ سے معافی طلب کرنا، گناہوں کی بخشش مانگنا اور بارگاہِ الٰہی میں گریہ و زاری کرکے اپنے مولا کو منانا استغفار ہے۔

توبہ و استغفار کی اَہمیت و فضیلت

ہمہ وقت گناہوں سے پاک رہنا فرشتوں کی صفت ہے۔ ہمیشہ گناہوں میں غرق رہنا شیطان کی خصلت ہے۔ جبکہ گناہوں پر نادم ہوکر توبہ کرنا اور معصیت کی راہ چھوڑ کر شاہراہِ ہدایت میں قدم رکھنا اولادِ آدم علیہ السلام کا خاصہ ہے۔شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے وہ اس کی فطرت میں موجود اعلیٰ تر بلند مقامات اور جاہ و منصب تک جانے کی خواہش کی آڑ میں اسے مرتبہ انسانیت سے گرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لئے اس نے مومن بندوں کو قیامت تک گمراہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ (1)

’’ابلیس نے کہا: اے پروردگار! اس سبب سے جو تو نے مجھے گمراہ کیا میں (بھی) یقیناً ان کے لئے زمین میں (گناہوں اور نافرمانیوں کو) خوب آراستہ وخوشنما بنا دوں گا اور ان سب کو ضرور گمراہ کر کے رہوں گا○‘‘

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی میں شیطان مردود کی اس قسم کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) الحجر، ۱۵: ۳۹

إِنَّ الشَّيْطَانَ قَالَ: وَ عِزَّتِكَ يَا رَبِّ، لَا أَبْرَحُ أُغْوِي عِبَادَكَ مَادَامت اَرْوَاحُهُمْ فِي أَجْسَادِهِمْ. قَالَ الرَّبُّ: وَ عِزَّتِي وَجَلَالِي لَا أَزَالُ أَغْفِرُلَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِي۔ (۱)

''شیطان نے (بارگاہِ الٰہی میں) کہا: (اے اللہ!) مجھے تیری عزت کی قسم! میں تیرے بندوں کو جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں باقی رہیں گی گمراہ کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں انہیں بخشتا رہوں گا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں پر بھی نظرِ رحمت فرماتا ہے کیونکہ جب وہ اللہ کے حضور معافی طلب کرتے ہیں اور التجا و مناجات کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوکر ان کی بخشش فرماتا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو سچی توبہ کا حکم دیتے ہوئے ارشادفرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ (۲)

''اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور رجوعِ کامل سے خالص توبہ کرلو۔''

توبۃ النصوح سے نفس کی بدخوئی، کرختی اور سرکشی نرمی میں بدل جاتی ہے۔ اس کے بعد نفس نہ صرف محاسبہ اور مراقبہ میں مشغول ہوکر پاکیزہ اور صاف ستھرا ہو جاتا ہے بلکہ اب تک خواہشِ نفسانی کی پیروی کے باعث اس کے اندر جو آگ شعلہ زن تھی وہ بھی بجھ جاتی ہے۔

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۹، رقم: ۱۱۲۵۷

۲۔ حاکم، المستدرك، ۴: ۲۹۰، رقم: ۷۶۷۲

(۲) التحریم، ۶۶: ۸

ا۔ حضرت آدم و حوا علیهما السلام کو کلماتِ توبہ کی تعلیم

توبہ و استغفار کی اہمیت کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت آدم اور حوا علیها السلام سے بھول ہوگئی اور قربِ الٰہی میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے ارادے سے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا تو انہوں نے اپنی بھول کا اقرار کیا اور بارگاہِ الٰہی میں معافی کی التجا کی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ التجا قبول فرمائی اور انہیں توبہ کے چند کلمات سکھائے۔ آپ علیہ السلام نے ان کلمات کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں توبہ کی جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِن رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ○[۱]

''پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے (عاجزی اور معافی کے) چند کلمات سیکھ لئے پس اللہ نے ان کی توبہ قبول فرما لی، بیشک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے○''

ان کلماتِ توبہ کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہوا ہے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○[۲]

''دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی۔ اور اگر تو نے ہم کو نہ بخشا اور ہم پر رحم (نہ) فرمایا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے○''

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۳۷

(۲) الاعراف، ۷: ۲۳

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی کثرتِ توبہ و استغفار

ہمارے آقا و مولا حضور رحمت عالم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ حبیب خدا اور معصوم عن الخطا ہونے کے باوجود دن میں ستر ستر اور سو سو مرتبہ توبہ و استغفار کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

وَاللهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ وَ أَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً (۱)

''اللہ گواہ ہے، میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ کی بارگاہ میں استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔''

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يا أَيُّهَا النَّاس! تُوبُوْا إِلَى اللهِ فَإِنِّي أَتُوبُ فِي الْيَوْمِ إِلَيْهِ مائَةَ مَرَّةٍ (۲)

''اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو اور بخشش چاہو، بے شک میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔''

بلا شبہ آپ ﷺ کا یہ عمل تعلیمِ امت کے لئے تھا کیونکہ آپ ﷺ کی ذات گناہوں اور لغزشوں سے مبرّا اور پاک تھی۔ نیز آپ ﷺ کی توبہ و استغفار کا درجہ اخص

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الدعوات، باب استغفار النبی ﷺ فی اليوم و الليلة، ۵: ۲۳۲۴، رقم: ۵۹۴۸

۲۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الأدب، باب الإستغفار، ۴: ۲۹۲، رقم: ۳۸۱۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الذکر و الدعاء و التوبه و الإستغفار، باب: إستحباب الإستغفار و الإستكثار منه، ۴: ۲۰۷۵، ۲۰۷۶، رقم: ۲۷۰۲

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۳۸۰، رقم: ۷۰۲۲

الخواص کی توبہ و استغفار کا تھا کہ جس کا مقصد مقاماتِ قرب و وصال کے عروج تک رسائی ہے گناہوں کی معافی نہیں۔ بایں ہمہ اس حدیث مبارکہ سے توبہ و استغفار کی فضیلت و اہمیت کا کمال درجہ اظہار ہوتا ہے۔

۳۔ توبہ و استغفار رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے

توبہ و استغفار اللہ کی رضا و خوشنودی کا سبب بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی نظر میں تائبین اللہ کے پسندیدہ اور محبوب بندے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَo(۱)

’’بیشک اللہ بہت توبہ کرنیوالوں سے محبت فرماتا ہے اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔‘‘

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس پر اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص جنگل کی زمین میں اپنی سواری پر جائے اور سواری اس سے نکل جائے جس پر اس کے کھانے پینے کی چیزیں ہوں وہ اس سے مایوس ہو کر ایک درخت کے پاس آئے اور اس کے سائے میں لیٹ جائے۔ جس وقت وہ سواری سے مایوس ہو کر لیٹا ہوا ہو۔ اچانک وہ دیکھے کہ سواری اس کے پاس کھڑی ہے، وہ اس کی مہار پکڑلے پھر خوشی کی شدت سے یہ کہے:

اللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِی وَ أَنَا رَبُّكَ ۔(۲)

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۲۲

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب التوبة، باب: فی الحض علی التوبة و القرح بها، ۴: ۲۱۰۴، ۲۱۰۵، رقم: ۲۷۴۷

’’اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔‘‘

یعنی شدتِ مسرت کی وجہ سے الفاظ الٹ جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَ الَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ! لَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِکُمْ، وَ لَجَاءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَیَغْفِرُلَهُمْ(۱)

’’اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تمہیں (دنیا) سے لے جاتا اور ایسی قوم (تمہاری جگہ) لے آتا جو گناہ کرتی پھر وہ اللہ سے مغفرت طلب کرتی تو اللہ انہیں معاف فرما دیتا۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ لوگ بالقصد گناہ کریں اور پھر مغفرت چاہیں بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ لوگ چاہے کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں۔ عبادت گزار اور نیکو کار بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے رہیں کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بے حساب نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کرسکتا، اس لئے ہر وقت اپنی کوتاہ دامنی اور عبادت کی کمی پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہنا چاہئے اور اگر انسان سے گناہ سر زد ہو جائے تو وہ فوراً توبہ و استغفار کرے، توبہ کو مؤخر نہ کرے اور اس سے غافل نہ ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو توبہ و استغفار کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب التوبة، باب سقوط الذنوب بالاستغفار توبة، ۴: ۲۱۰۶، رقم: ۲۷۴۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۰۹، رقم: ۸۰۶۸

۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۵: ۴۱۰، رقم: ۷۱۰۲

(۲) المائدہ، ۵: ۷۴

’’کیا یہ لوگ اللہ کی بارگاہ میں رجوع نہیں کرتے اور اس سے مغفرت طلب (نہیں) کرتے، حالانکہ اللہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہےo‘‘

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ط اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًاo(۱)

’’تو آپ (تشکراً) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح فرمائیں اور (تواضعاً) اس سے استغفار کریں، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا (اور مزید رحمت کے ساتھ رجوع فرمانے والا) ہےo‘‘

اسی مفہوم میں سیدنا غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ سے گزشتہ گناہوں کی مغفرت اور آنیوالے گناہوں سے حفاظت کے سوا اور کچھ طلب نہ کرو۔‘‘(۲)

۴۔ توبہ و استغفار کرنے والوں کے لئے بخشش و مغفرت کی نوید

توبہ و استغفار تمام حجابات کو اٹھا دینے والا عمل ہے۔ اگر انسان سے کوئی بُرا کام سرزد ہو جائے اور وہ نادم و پشیمان ہوکر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتو اس کے دل کا آئینہ صاف اور شفاف ہو جاتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی بخشش فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔(۳)

’’پھر جو شخص اپنے (اس) ظلم کے بعد توبہ اور اصلاح کرلے تو بیشک اللہ اس پر

(۱) النصر، ۱۱۰: ۳

(۲) عبد القادر جیلانی، فتوح الغیب: ۱۴۲

(۳) المائدہ، ۵: ۳۹

رحمت کے ساتھ رجوع فرمانے والا ہے۔ یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہےo‘‘

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ط اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًاo(۱)

’’تمہارا رب ان (باتوں) سے خوب آگاہ ہے جو تمہارے دلوں میں ہیں، اگر تم نیک سیرت ہو جاؤ تو بیشک وہ (اللہ اپنی طرف) رجوع کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہےo‘‘

سچی توبہ ایسا مقبول عمل ہے کہ اگر قاتل بھی کرے تو اسے بھی بخش دیا جاتا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَضْحَكُ اللّٰهُ إِلَى رَجُلَيْنِ، يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الآخَرَ، يَدْخُلَانِ الجَنَّةَ: يُقَاتِلُ هٰذَا فِي سَبِيْلِ اللهِ فَيُقْتَلُ، ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى الْقَاتِلِ، فَيُسْتَشْهَدُ۔ (۲)

’’اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کو دیکھ کر (اپنی شان کے مطابق) ہنستا ہے حالانکہ انہوں نے ایک دوسرے سے جنگ کی ہوگی اور دونوں جنت میں جائیں گے۔ ان

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد، باب: اَلْكَافِر يَقْتُلُ الْمُسْلِمُ ثُمَّ يُسْلِمُ، فَيُسَدِّدُ بَعْدُ وَ يَقْتَلُ، ۳: ۱۰۴۰، رقم: ۲۶۷۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأمارة، باب: بیان الرجلین، یقتل أحدهما الاخر، یدخلان الجنة، ۳: ۱۵۰۴، رقم: ۱۸۹۰

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۸، رقم: ۸۲۰۸

میں سے ایک اللہ کی راہ میں لڑ کر قتل ہوا ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ قاتل کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا اور (وہ مسلمان ہو کر) شہادت پا لے گا۔‘‘

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ میں توبہ و استغفار کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’جو شخص بستر پر جاتے وقت یہ کلمات **اسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِی لَا اِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَ أَتُوْبُ إِلَيْهِ** (میں اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ قائم رکھنے والا ہے۔ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں) تین مرتبہ کہے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخشش دیتا ہے۔ اگرچہ سمندر کی جھاگ، درختوں کے پتوں، باہم ملی جلی ریت (کے ذرات) اور دنیا کے دنوں کے برابر ہوں۔‘‘(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’جو شخص مجلس میں بیٹھا اور اس میں اس نے بہت سی لغو باتیں کیں تو وہ اٹھنے سے پہلے **سُبْحَانَكَ الّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أن لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَستغفرُكَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْكَ** (اے اللہ میں تعریف کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں) کہے تو ان لغو باتوں سے اس کی مغفرت ہو جائے گی۔‘‘(۲)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب ماجاء فی الدعاء إذا أوی إلی فراشه، ۵: ۴۰۳، رقم: ۳۳۹۷

۲۔ أبو داؤد، السنن، کتاب الطهارة، باب في الاستغفار، ۱: ۵۴۲، رقم: ۱۵۱۷

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب ما یقول إذا قام من مجلسه، ۵: ۴۳۱، ۴۳۲، رقم: ۳۴۳۳

۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۷۲۰، رقم: ۱۹۷۰

(۱) حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کی قبولیت توبہ

غزوہ تبوک میں جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد کی تیاری کا حکم فرمایا تو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی غزوہ تبوک کے لئے بڑے ذوق وشوق سے دو اونٹنیاں اور سامانِ جہاد خرید لیا۔مگر جب روانگی کا وقت آیا تو درختوں اور پھلوں کی دیکھ بھال میں مشغول رہے صحابہ کے ساتھ روانہ نہ ہوسکے روزانہ یہی سوچتے رہے کہ کل صحابہ کے ساتھ جا ملوں گا لیکن کسل مندی، غفلت شعاری اور کاہلی نے ایسا جکڑا کہ جانے کا پروگرام نہ جانے میں بدل گیا۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہ باوجود صحت، وسائل اور تنومندی کے جہاد پر نہیں گئے تھے اس لیے آپ کا ضمیر ہر وقت ملامت کرتا رہتا تھا اور آپ اپنی کاہلی کی وجہ سے غلطی پر پشیمان رہتے تھے۔ ہر وقت زار و قطار روتے رہتے۔ منافقین طرح طرح کے حیلے اور عذر تراشنے کا مشور دیتے لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے سچ بولنے کا پختہ عزمِ کر لیا۔ چنانچہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت کعب بن مالک، حضرت مرارہ بن ربیعہ اور حضرت ہلال بن امیہ واقفی جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا سچ سچ عرض کر دیا اور معافی کے خواستگار ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے درگزر فرمایا اور ان کے لئے استغفار کیا۔ جب حضرت کعب بن مالک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں معافی کے لئے حاضر ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے آپ رضی اللہ عنہ کو انتظار کی کوفت اور آزمائش میں ڈال دیا گیا اور معافی کا معاملہ ملتوی ہوگیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ آپ کے گھر والوں نے بھی آپ سے قطع کلامی کرلی۔ آپ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں جاتے تو ایک گوشے میں بیٹھ کر نماز ادا کرتے۔ آپ سے غلطی سرزد ہونے کی سب سے بڑی سزا یہ تھی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ پر نظر تک ڈالنا چھوڑ دی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ دل شکستہ اور غم زدہ ہوگئے۔ دل پر چھریاں چلنے لگیں، عالم یہ تھا کہ آنکھیں ہر وقت خون کے آنسو روتی رہتیں۔ ایک دن آپ اپنے چچا زاد بھائی ابو

قتادہ رضی اللہ عنہ جنہیں آپ سے بہت محبت تھی کے پاس گئے لیکن انہوں نے بھی حکم نبوی ﷺ کے اتباع میں نظریں پھیر لیں۔ حضرت کعب کا دل چکنا چور ہو گیا، روتے ہوئے واپس لوٹ آئے۔ شاہِ غسان کو جب حضرت کعب بن مالک کی حضور نبی اکرم ﷺ سے ناراضگی کی خبر ملی تو اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے قاصد کو بھیجا اور لکھا کہ:

> ’’ہم نے سنا ہے کہ تمہارے صاحب اور دوسرے لوگوں نے تم سے قطع تعلق کرلیا ہے۔ ہم تمہاری قدر ومنزلت پہچانتے ہیں۔ اللہ نے تجھے ذلت اور رسوائی کی جگہ رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ اگر تم ہمارے قاصد کے ساتھ ہمارے پاس آجاؤ تو ہم تمہاری دل جوئی کریں گے اور تم ہمیں اپنا انتہائی قدر دان پاؤ گے۔‘‘

یہ خط پڑھ کر حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوگیا۔ خشیتِ الٰہی سے تھر تھر کانپنے لگے کہ اب دین کے دشمنوں نے بھی تختۂ مشق بنانے کے لئے انہیں اپنا سمجھنا شروع کردیا ہے۔ اور آقا سے جدا کرنے کی دعوتیں دینے لگے ہیں۔ الغرض حضرت کعب رضی اللہ عنہ ہر وقت اپنے رب کے حضور توبہ اور استغفار کرتے ہوئے اللہ کے فیصلے کا انتظار کرتے رہتے۔ آخر چالیسویں روز حضور نبی اکرم ﷺ نے آپ کو بیوی سے الگ ہوجانے کا پیغام بھیجا۔ عاشقِ رسول ﷺ اس حکم پر سجدہ شکر بجا لائے کہ آقا کی طرف سے کوئی پیغام تو آیا۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں بیوی کو میکے بھیج دیا اور دن رات بارگاہ ایزدی میں آہ و زاری اور معافی کی درخواست کرنے لگے حتیٰ کہ پچاسویں روز رحمتِ خداوندی جوش میں آگئی اور حضور نبی اکرم ﷺ پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی قبولیتِ توبہ کی وحی نازل ہوئی۔ جیسے ہی حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو قبولیت توبہ کی خبر ملی تو اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر شکر بجا لائے اور بارگاہِ نبوی ﷺ میں جا کر حضور ﷺ کے قدموں میں گر گئے۔ آپ ﷺ نے خوشی سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو توبہ قبول ہونے پر مبارک دی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے قبولیت توبہ کی خوشی میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں صدقہ کردیا اور فرمایا:

إِنَّ اللهَ إِنَّمَا أَنْجَانِي بِالصِّدْقِ وَإِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ لَّا أُحَدِّثَ إِلَّا صِدْقًا مَابَقِيتُ۔[1]

’’اللہ نے مجھے صدق کی وجہ سے نجات دی ہے۔ اور اب میری توبہ یہ ہے کہ میں زندگی بھر ہمیشہ سچ بولوں گا۔‘‘

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ط اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌO وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ط حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ط ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُO[2]

’’یقیناً اللہ نے نبی (معظم ﷺ) پر رحمت سے توجہ فرمائی اور ان مہاجرین اور انصار پر (بھی) جنہوں نے (غزوۂ تبوک کی) مشکل گھڑی میں (بھی) آپ (ﷺ) کی پیروی کی اس (صورت حال) کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل پھر جاتے، پھر وہ ان پر لطف و رحمت سے متوجہ ہوا، بیشک وہ ان پر نہایت شفیق، نہایت مہربان ہےO اور ان تینوں شخصوں پر (بھی نظرِ رحمت فرما دی) جن (کے فیصلہ) کو مؤخر کیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود کشادگی کے ان پر تنگ ہوگئی اور (خود) ان کی جانیں (بھی) ان پر دوبھر ہوگئیں اور انہیں یقین ہوگیا کہ اللہ (کے عذاب) سے پناہ کا کوئی ٹھکانا نہیں

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب التوبہ والاستغفار، باب قبول توبة القاتل، ۴:۲۱۲۷، رقم: ۲۷۶۸

(۲) التوبہ، ۹: ۱۱۷، ۱۱۸

بجز اس کی طرف (رجوع کے)، تب اللہ ان پر لطف وکرم سے مائل ہوا تا کہ وہ (بھی) توبہ و رجوع پر قائم رہیں، بیشک اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا، نہایت مہربان ہےo‘‘

(۲) قبیلہ جُہینہ کی ایک عورت کی قبولیتِ توبہ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان اور رحم فرمانے والا ہے اس کا اندازہ حدیثِ مبارکہ میں مذکور درج ذیل واقعہ سے ہوتا ہے۔

حضرت عمران بن حسین رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

’’جہینہ قبیلہ کی ایک عورت حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس حال میں کہ وہ زنا سے حاملہ تھی۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں حد کے جرم کی مرتکب ہوچکی ہوں پس آپ ﷺ مجھ پر (حد) قائم کریں تو اللہ کے نبی ﷺ نے اس کے ولی کو بلایا اور اس سے فرمایا کہ اسے اچھی طرح رکھنا۔ جب بچہ پیدا ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آنا۔ پس اس نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے اس عورت کے بارے میں حکم دیا کہ اسے سنگسار کر دیا جائے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ﷺ اس کا جنازہ پڑھاتے ہیں حالانکہ اس نے زنا کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بیشک! اس نے ایسی توبہ کی ہے، اگر مدینہ کے ستر آدمیوں کے درمیان تقسیم کی جائے تو انہیں کافی ہو جائے اور کیا تم نے اس سے افضل توبہ پائی ہے؟ کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا و رخوشنودی کے لئے پیش کر دیا۔‘‘[۱]

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحدود، باب: من اعترف علی نفسه بالزنا، ۳: ۱۳۲۴، رقم: ۱۶۹۶

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدیات، باب: تربُّصِ الرَّجْمِ بِالحُبْلٰی حتّٰی تَضع، ۳: ۱۰۵، رقم: ۱۴۳۵

(۳) سو افراد کے قاتل کی قبولیتِ توبہ

اگر انسان کا ضمیر مردہ نہ ہو تو وہ خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو اسے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک بہت گنہگار اور بدکار شخص تھا۔ اس کے دل میں ایک خلش اور کھٹک سی تھی جو اسے بے چین کیے ہوئے تھی اس کا دل اور ضمیر بالکل مردہ نہیں ہوا تھا کہ اس کی اسی خلش اور جستجو نے اس کی بخشش کا سامان کر دیا، صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تم سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی نے ننانویں جانوں کو قتل کیا پھر اس نے اہل زمین میں سے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا۔ پس اس کی ایک راہب (عبادت گزار) کی طرف لوگوں نے راہنمائی کی۔ وہ اس کے پاس آیا تو کہنے لگا: میں نے ننانویں جانوں کو قتل کیا ہے کیا اس کے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے؟ اس (راہب) نے کہا: نہیں! پس اس نے اس راہب کو بھی قتل کر کے سو کا عدد پورا کر دیا پھر اس زمانے کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تو کسی نے ایک عالم کی، طرف اس کی راہنمائی کی، اس نے اس کے پاس جا کر کہا: میں نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے، کیا میرے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے؟ تو اس عالم نے کہا: جی ہاں اس کے اور توبہ کے درمیان اب بھی کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ تم اس فلاں بستی کی طرف جاؤ۔ وہاں پر موجود کچھ لوگ اللہ کی عبادت کر رہے ہیں، تو بھی ان کے ساتھ مل کر عبادت الٰہی میں مصروف ہو جا اور پھر کبھی اپنے علاقے کی طرف لوٹ کر نہ جانا کیونکہ وہ بری جگہ ہے۔ پس وہ چل دیا یہاں تک کہ جب کم و بیش آدھے راستہ پر پہنچا ہی تھا کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔ پس اس کے بارے میں رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے آپس میں جھگڑ پڑے۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا: یہ توبہ کرتا ہوا اور اپنے دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہوا یہاں تک آیا ہے

عذاب کے فرشتوں نے کہا: اس نے کوئی بھی نیک عمل نہیں کیا۔ پس پھر ان کے پاس ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں آیا۔ اسے انہوں نے اپنے درمیان ثالث (فیصلہ کرنے والا) مقرر کرلیا تو اس نے کہا: دونوں اطراف کی زمینوں کی پیمائش کرلو۔ پس وہ جس زمین سے زیادہ قریب ہو اسی کے مطابق اس کا حکم ہوگا۔ پس انہوں نے زمین کو ماپا تو اس زمین کو طول میں کم پایا جس کی طرف جانے کا اس نے ارادہ کیا تھا۔ پس پھر رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کرلی۔‘‘(۱)

امام نووی علیه الرحمة اس حدیثِ مبارکہ کی شرح لکھتے ہوئے علماء کرام کا یہ قول نقل کرتے ہیں ’’توبہ کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ جس زمین میں اس نے گناہ کئے ہوں اس کو چھوڑ دے اور جو لوگ اس کو گناہ کی دعوت دیتے ہوں، گناہ میں اس کی معاونت کرتے ہوں، ان سے قطع تعلقی اختیار کرلے یہاں تک کہ وہ لوگ بھی تائب ہو جائیں علاوہ ازیں علماء، صلحاء، عبادت گزاروں اور اہل تقویٰ کی صحبت اور مجلس کو اختیار کرے اور ان کی نصیحت اور مجلس سے فائدہ حاصل کرے۔‘‘(۲)

(۴) حضرت فضیل بن عیاض علیه الرحمة کی توبہ

خالص اور سچی توبہ کرنے والوں میں اتنی تاثیر ہوتی ہے کہ ان کے ہاتھوں سے خاک بھی سونا بن جاتی ہے حضرت فضیل بن عیاض علیه الرحمة کی توبہ کے واقعہ سے توبہ کی اہمیت و فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فضیل بن عیاض علیه الرحمة پہلے ایک راہزن تھے، راہ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب التوبة، باب قبول توبة القاتل و انه کثرقتله، ۴: ۲۱۱۸، رقم: ۲۷۶۶

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب أم حَسِبْتَ أَنَّ أصحَابَ الْکَهْفِ و الرَّقِیْم، ۳: ۱۲۸۰، رقم: ۳۲۸۳

(۲) نووی، شرح مسلم، ۱۷: ۸۳

گیروں اور مسافروں کو لوٹتے تھے مگر لوٹی ہوئی چیز اور اس کے مالک کا نام لکھ لیتے۔ ایک دن اس راہ سے ایک قافلہ گزرا۔ اس میں ایک حافظِ قرآن یہ آیت با آواز بلند پڑھتا جا رہا تھا۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○(۱)

''آپ فرما دیجئے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر لی ہے، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بے شک اللہ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے وہ یقیناً بڑا بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے ○''

جب اس آیتِ مبارکہ کی تلاوت حضرت فضیل علیہ الرحمۃ کے کان تک پہنچی تو ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ اللہ کی طرف لو لگانے کی رغبت پیدا ہوئی، وہ اس حافظ قرآن کے نزدیک آئے اور کہا: کیا اللہ تعالیٰ مجھ جیسے راہزن اور بدکار شخص کو بھی بخش دے گا؟ اس نے جواب دیا: جب تک زندگی ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو خالص توبہ کے ذریعے میری بارگاہ میں آئے وہ ضرور بخشا جائے گا۔ پس حضرت فضیل علیہ الرحمۃ نے اس حافظ قرآن کے ہاتھ پر توبہ کی، پھر حضرت فضیل علیہ الرحمۃ ان چیزوں کے مالکوں کے پاس گئے جن کا نام لکھ رکھا تھا۔ ان کو خوش کیا اور ان کو لوٹا ہوا مال لوٹا دیا، مگر ایک یہودی اپنے دینار واپس لینے پر خوش نہ ہوا۔ اس نے کہا میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ اگر کوئی امتِ محمدی ﷺ کا تائب اپنا ہاتھ خاک پر مارے تو خاک سونا ہو جائے گی۔ یہودی نے ایک برتن ٹھیکریوں سے بھرا اور حضرت فضیل علیہ الرحمۃ کے ہاتھ میں دیا۔ انہوں نے انہیں چھو کر اس یہودی کے ہاتھ میں دیا تو ساری ٹھیکریاں سونا ہو گئیں۔ پس وہ یہودی اپنے خاندان سمیت مسلمان ہو گیا۔(۲)

(۱) الزمر، ۳۹: ۵۳

(۲) ابن عطار، تذکرة الأولياء: ۶۴

(۵) توّابین کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھولنے کا حکم

توبہ و استغفار کی فضیلت اس بات سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تائب کے لئے جنت کے آٹھ دروازے کھولنے کا حکم فرماتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر کلمہ شہادت پڑھا اور یہ دعا مانگی:

اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِيْنَ، وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ[1]

’’اے اللہ! مجھے خوب توبہ کرنے والوں اور خوب پاک ہونے والوں میں سے بنا دے۔

تو اس کے لئے جنت کے آٹھ دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔‘‘

(۶) تائبین کے مال اور اولاد میں برکت

توبہ و استغفار کرنے والوں پر اللہ رب العزت کی رحمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس بات کا اظہار کرتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا○ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا○ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا○[2]

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الطهارة، باب ما یقال قیال بعد الوضوء، ۱: ۹۹، رقم: ۵۵

(۲) نوح، ۷۱: ۱۰۔ ۱۲

’’پھر میں نے کہا کہ تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہےo وہ تم پر بڑی زوردار بارش بھیجے گاo اور تمہاری مدد اَموال اور اولاد کے ذریعے فرمائے گا اورتمہارے لئے باغات اُگائے گا اورتمہارے لئے نہریں جاری کر دے گاo‘‘

(۷) توبہ کرنے والوں کی نیکیوں میں اضافہ

توبہ کرنے سے نہ صرف انسان کی برائیاں مٹ جاتی ہیں بلکہ تائب کے نامہ اعمال میں اللہ رب العزت اتنی ہی نیکیوں کا اضافہ فرما دیتا ہے۔ سورۃ الفرقان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًاo [۱]

’’مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیا تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جن کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo‘‘

حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے اگر توبہ کے بعد زندگی کی اصلاح کرلی جائے تو گزشتہ زندگی کے تمام گناہ معاف ہوکر نیکیوں میں بدل جاتے ہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

’’میں یقیناً جانتا ہوں سب کے بعد جنت میں کون شخص داخل ہوگا اورسب سے آخر میں دوزخ سے کون نکلے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک ایسا شخص ہو گا جس کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے گا (فرشتوں سے) کہا جائے گا: اس شخص کے صغیرہ گناہ اس پر پیش کرو اور کبیرہ گناہ ابھی اس کی

(۱) الفرقان، ۲۵: ۷۰

نظروں سے اوجھل رکھو‘ چنانچہ اس پر اس کے صغیرہ گناہ پیش کئے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا ’’تو نے فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا اور فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا۔ وہ شخص اثبات میں جواب دے گا اور کہے گا: میں اپنے اندر ان کاموں سے انکار کی سکت نہیں پاتا اور وہ ابھی اپنے کبیرہ گناہوں سے ڈر رہا ہو گا کہ کہیں ان کا حساب نہ شروع ہو جائے:

فَيُقَالُ لَهُ: فإِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً فَيَقُوْلُ: رَبِّ! قَدْ عَمِلْتُ أَشْيَاءَ لَا أَراهاهُنَا فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ۔[1]

’’اس شخص سے کہا جائے گا جا تجھے ہر گناہ کے بدلے میں ایک نیکی دی جاتی ہے، وہ شخص عرض کرے گا: اے میرے رب! میں نے تو اور بھی بہت سارے گناہ کئے تھے جن کو اس وقت مجھ پر پیش نہیں کیا گیا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں مبارک ظاہر ہوگئیں۔‘‘

(۸) توبہ و اِستِغفَار اور صفائے قلب

انسان کا دل آئینے کی طرح صاف ہے، اس کو ملکوتی کے جوہر سے آراستہ کیا گیا ہے مگر جب انسان اس کی حفاظت نہ کر پائے تو اس پر نفسانی خواہشات، حرص و ہوس اور گناہوں کے باعث سیاہی چھا جاتی ہے نیک اعمال اور توبہ و استغفار کا عمل اس سیاہی اور تاریکی کو دور کر کے آئینہ قلب کو صاف و شفاف کر دیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، ۱: ۱۷۷، رقم: ۱۹۰

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب صفة جهنم، باب ما جاء أَنَّ لِلنّار نَفَسَيْن وَمَا ذُكِرَ من يَخْرُجُ مِنَ النَّار أهلِ التوحِيد، ۴: ۳۴۴، ۳۴۵، رقم: ۲۵۹۶

کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ وَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ، فَإِنْ زَادَ زَادَتْ فَذٰلِكَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَهُ اللهُ فِي كِتَابِهِ ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ﴾(1)۔(2)

’’مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نشان بن جاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ کرے، (گناہ سے) ہٹ جائے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے (لیکن) اگر وہ زیادہ (گناہ) کرتا جائے تو یہ نشان بڑھتا جاتا ہے۔ (یہاں تک) کہ اس کے (پورے) دل کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور یہی وہ ’’ران‘‘ (زنگ) ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں فرمایا: ﴿(ایسا) ہرگز نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان اعمالِ (بد) کا زنگ چڑھ گیا ہے جو وہ کمایا کرتے تھے (اس لیے آیتیں ان کے دل پر اثر نہیں کرتیں)﴾۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنّ لِلقلوبِ صَدأ كصدأ النحاس، و جلاؤُها الاستغفار(3)

’’پیتل (یا لوہے) کی طرح دلوں کا بھی ایک زنگ ہے اور اس کا صیقل گر استغفار ہے۔‘‘

---

(1) المطففین، ۸۳: ۱۴

(2) ۱۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الزهد، باب ذکر الذنوب، ۴: ۵۳۲، رقم: ۴۲۴۴

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورة ویل للمطففین، ۵: ۳۵۹، رقم: ۳۳۳۴

(3) ۱۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۱: ۴۴۱، رقم: ۶۴۹

۲۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۱: ۳۰۸، رقم: ۵۰۹

توبہ سے غافل رہنے والوں کے لئے وعید

جو لوگ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے بخشش و مغفرت کا سوال نہیں کرتے اور غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے توبہ نہیں کرتے ان کے لئے قرآن و سنت میں سخت وعید آئی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ○(۱)

’’بیشک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت دی پھر توبہ (بھی) نہ کی تو ان کے لئے عذابِ جہنم ہے اور ان کے لئے (بالخصوص) آگ میں جلنے کا عذاب ہے○‘‘

سورۃ الحجرات میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○(۲)

’’اور جس نے توبہ نہیں کی سو وہی لوگ ظالم ہیں○‘‘

ایک اور مقام پر توبہ میں غفلت کرنے والوں کو متنبہ کرنے کے لئے ارشاد ربانی ہے:

اَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ○(۳)

’’کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال میں ایک بار یا دو بار مصیبت میں مبتلا کئے

(۱) البروج، ۸۵: ۱۰

(۲) الحجرات، ۴۹: ۱۱

(۳) التوبۃ، ۹: ۱۲۶

جاتے ہیں پھر (بھی) وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ ہی وہ نصیحت پکڑتے ہیںo‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے جہاں متعدد مقامات پر توبہ کرنے والوں کے لئے انعام و اکرام کی بشارت دی وہاں توبہ میں سستی کرنے والوں اور جلد توبہ نہ کرنے والوں کے لئے سخت عذاب کی کڑی وعید بھی سنائی ہے۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’میری امت میں زمانہ جاہلیت کی چار چیزیں ہیں، جن کو لوگ نہیں چھوڑیں گے: حسب ونسب پر فخر کرنا، دوسرے شخص کو نسب کا طعنہ دینا، ستاروں کو بارش کا سبب جاننا اور نوحہ کرنا۔‘‘

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

النَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبل مَوْتِهَا، تُقَام يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ عَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ، وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ۔ (۱)

’’نوحہ کرنے والے اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کریں تو انہیں قیامت کے دن گندھک اور خارش کی قمیص پہنائی جائے گی۔‘‘

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’جو شخص شراب پیئے، اس کی چالیس دنوں کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ پھر دوبارہ پیئے تو چالیس دنوں کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں، لیکن اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے پھر اگر تیسری مرتبہ ایسا کرے تو اس کی چالیس دنوں کی نمازیں قبول

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنائز، باب التشدید فی النیاحۃ، ۲: ۶۴۴، رقم: ۹۳۴

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۴۱۲، رقم: ۳۱۴۳

نہیں ہوتیں۔ اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے اور اگر چوتھی مرتبہ یہی حرکت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دنوں کی نمازیں بھی قبول نہیں فرماتا اور اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ بھی قبول نہیں فرماتا اور (قیامت کے دن) اس کو نہر خبال سے (پانی) پلائے گا۔ (نہر خبال) کے بارے میں پوچھا گیا اے ابو عبد الرحمٰن! نہر خبال کیا ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نَهْرٌ مِنْ صَدِيد أهلِ النَّار۔(١)

''دوزخیوں کے لیے پیپ کی ایک نہر ہے۔''

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی سے بچنے اور گناہوں کی بخشش کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ انسان بلا تاخیر اس کی بارگاہ میں رجوع کرے اور توبہ واستغفار بجا لائے۔

توبہ کی حقیقت

توبہ ہر مقام کی اصل، بنیاد، ہر روحانی طور پر سربستہ حال کی کنجی اور علامتِ یقین ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک راہِ حق کے طالبوں کا پہلا قدم ہی توبہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ تصوف کی راہ پر چلنا چاہیں، سلوک کی منزلوں کو طے کرنے کا ارادہ کریں، اپنے خالقِ حقیقی سے ٹوٹا ہوا تعلق جوڑنے کے لئے اللہ کی راہ کا مسافر بننا چاہیں تو خوب جان لیں کہ بارگاہِ خداوندی میں صدق و اخلاص کے ساتھ توبہ ہی راہِ سلوک کے سفر کا نقطۂ آغاز ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے عمارت کی تعمیر کے لئے زمین درکار ہو اور جس کے پاس زمین نہ ہو وہ عمارت تعمیر نہیں کرسکتا۔

(١) ١۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الأشربة، کتاب ماجاء فی شارب الخمر، ٣: ٢٩٠، رقم: ١٨٦٢

٢۔ أبو داؤد، السنن، کتاب الأشربة، باب ماجاء في السکر، ٣: ٣٢٦، رقم: ٣٦٨٠

’’توبہ کی حقیقت کے بارے میں عارفین کا اختلاف ہے۔ بعض صوفیا فرماتے ہیں کہ تو گناہوں کو نگاہوں کو سامنے رکھ اور بقیہ زندگی نادم ہوتا رہ اور بعض کے نزدیک توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ تو گناہ کو بھول جا۔‘‘(۱)

دراصل یہ دو گروہوں کے دو جدا جدا طریقے اور اہل مقام کے دو حال ہیں، سالکین اور خائفین کا طریق گناہوں کو یاد رکھنا، ان کو یاد کر کے ہمیشہ غم اور خوف میں مبتلا رہنا ہے جبکہ عارفین اور اہلِ محبت کا طریق و حال یہ ہے کہ وہ ذکر و اذکار میں اس درجہ مصروف ہوں اور اعمالِ صالحہ میں اس قدر خشوع و خضوع سے منہمک ہوں کہ گناہوں کو یکسر بھول جائیں۔

اسی طرح امام غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰ھ ۔۵۰۵ھ) ’’کیمیائے سعادت (ص: ۶۱۴، ۶۱۵)‘‘ میں توبہ کی اصل حقیقت یوں واضح کرتے ہیں:

’’ایمان و معرفت کا جو نور پیدا ہوتا ہے وہ توبہ کی اصل ہے۔ اس نور کے سبب آدمی دیکھتا ہے کہ گناہ زہرِ قاتل ہے۔ جب وہ محسوس کرتا ہے کہ اس زہر کے نتیجے میں اب میں ہلاکت کے قریب ہوں، تو پھر اسے ایسی ہی پریشانی لاحق ہوتی ہے جیسے اس آدمی کو جو زہر کھائے اور پشیمان ہوجائے، پھر اس پشیمانی کے سبب انگلی حلق میں ڈال کر قے کرے اور فکر و تدبیر کرے تاکہ زہر کا اثر جاتا رہے۔ اسی طرح مجرم و گنہگار جب دیکھتا ہے کہ میری شہوت پرستی زہریلے میوے اور شہد کی مانند تھی اور اس سے اسے مٹھاس معلوم ہوتی تھی مگر اب اسے سانپ کی طرح ڈستی ہے، تو وہ گزشتہ دور کی غلطیوں پر پشیمان ہوتا ہے۔ اس کے خرمنِ جان میں خوف کی آگ لگ جاتی ہے۔ اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہ حالی میں مبتلا سمجھتا ہے۔ خواہش و گناہ کی جو حرص ہے، وہ خوف و پشیمانی کی آگ میں جل جاتی ہے اور وہ خواہش اس طرح حسرت سے بدل جاتی ہے کہ

---

(۱) أبو طالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۳۷۱

وہ آئندہ اس گناہ کے قریب نہ جانے کا ارادہ کرتا ہے، پھر وہ جفا کا لباس اتار کر وفا کی بساط بچھاتا ہے اور اپنی حرکات وسکنات کو بدل دیتا ہے۔ جس طرح اس سے قبل سراپا فخر وغرور اور غافل و مدہوش تھا اب ہمہ تن گریہ و زاری اور حسرت و ندامت ہوجاتا ہے۔ پہلے اہلِ غفلت اس کے دوست تھے اب اہلِ معرفت کی مجالس ڈھونڈتا ہے، تو معلوم ہوا کہ توبہ فی نفسہ پشیمانی ہے جس کی اصل معرفتِ نور ہے اور اس کی فرع حالات کو بدلنا اور معصیت ومخالفت سے اِطاعت وموافقت کی طرف اپنے آپ کو منتقل کرنا ہے۔‘‘

توبہ کی اقسام

توبہ کی دو اقسام ہیں:

۱۔ ظاہری توبہ ۲۔ باطنی توبہ

۱۔ ظاہری توبہ

ظاہری توبہ یہ ہے کہ انسان قولاً وفعلاً اپنے تمام اعضائے ظاہری (آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ) کو گناہوں اور برائیوں سے ہٹا کر اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگادے اور خود کو نیکیوں کی طرف راغب کرتا رہے۔ نیز شریعتِ مصطفیٰ ﷺ کے مخالف افعال سے تائب ہوکر شرعی احکامات کے مطابق عمل پیرا ہو۔

۲۔ باطنی توبہ

باطنی توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان دل کو گناہوں کی غلاظتوں اور آلائشوں سے پاک کرکے شریعت کے موافق اعمالِ صالحہ کی پابندی کرے۔ جب انسان کا ظاہر حکمِ الٰہی کے موافق ہوجائے اور قلب و باطن بھی اللہ رب العزت کی اطاعت میں ڈھل جائے اور برائی نیکی سے بدل جائے تب تصوف کی ’’ت‘‘ مکمل ہوگی اور اس کو کامل توبہ نصیب ہوگی۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اَلتَّوْبَةُ: تَوْبَتَانِ: تَوْبَةُ الإِنَابَةِ وَتَوْبَةُ الإِسْتَجَابَةَ. فَتَوْبَةُ الإِنَابَةِ. أَنْ يَّتُوْبَ الْعَبْدُ خَوْفًا مِنْ عُقُوْبَتِهٖ، وَتَوْبَةُ الإِسْتِجَابَةِ أَنْ يَتُوْبَ حَيَاءً مِنْ كَرْمِهٖ۔(١)

''توبہ کی دوصورتیں ہیں، ایک توبہ انابت ہے اور دوسری توبہ استحیاء ہے۔ توبہ انابت یہ ہے کہ بندہ عذاب الٰہی کے خوف سے توبہ کرے اور توبہ استحیاء یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے کرم کا حیاء کرے اور شرم کے مارے توبہ کرے۔''

شیخ حسن المغازلی علیہ الرحمۃ سے کسی نے توبہ کے بارے میں دریافت کیا۔ تو انہوں نے فرمایا: ''تم مجھ سے کس توبہ کے بارے میں دریافت کررہے ہو؟ توبہ انابت یا توبہ استجابت! سائل نے کہا کہ توبہ انابت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا، توبہ انابت یہ ہے کہ تم خداوند تعالیٰ سے اس لئے ڈرو کہ وہ تم پر قادر ہے، سائل نے کہا کہ توبہ استجابت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: توبہ استجابت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس وجہ سے حیا کرو کہ وہ تمہارے قریب ہے۔ اگر یہ توبہ کسی بندے کے دل میں درست ہوجائے تو وہ نماز میں بھی اللہ کے سوا ہر ایک وسوسہ سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے۔ توبہ استجابت مقربین کے دلوں میں لازمی طور پر جاگزیں ہوتی ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے:

وجُوْدكَ ذَنْبٌ لَا يُقَاسُ بِهِ ذَنْبٌ ۔(٢)

''تمہاری ہستی بذات خود ایک ایسا گناہ ہے جس کے ہوتے ہوئے دوسرے گناہ کا قیاس کرنا ہی عبث ہے۔''

---

(١) ہجویری، کشف المحجوب: ٤٣٤

(٢) سہروردی، عوارف المعارف: ٦٤٩

توبہ کے درجات

درجات کے اعتبار سے توبہ کی تین اقسام ہیں:

ا۔ عوام الناس کی توبہ

عام بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں عذابِ آخرت کا خوف اس کے دل پر غالب آ جاتا ہے۔ خوف کا یہ تصور اس کی توبہ کا اس طرح محرک بن جاتا ہے کہ وہ بارگاہِ ربِ ذوالجلال میں اس خوف کی وجہ سے اپنے اعمال پر نادم ہوکر توبہ کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ م بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo[۱]

’’اور جن لوگوں نے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور ایمان لے آئے (تو) بیشک آپ کا رب اس کے بعد بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہےo‘‘

گویا اعمال بد سے توبہ کرنا، توبہ کا پہلا درجہ ہے اور ایسی توبہ کرنے والے کو تائب کہتے ہیں۔ اس کے متعلق حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ[۲]

’’گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسا کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔‘‘

---

(۱) الاعراف، ۷: ۱۵۳

(۲) ۱۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الزهد، باب ذکر التوبه، ۴: ۵۳۴، ۵۳۵، رقم: ۴۲۵۰

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱

۲۔ خواص کی توبہ

یہ لوگ اللہ کو بھول جانے، اس کی یاد سے غافل رہنے، اس کے منانے سے بے فکر رہنے، اس کی نعمتوں اور اس کی بارگاہ سے حاصل ہونے والے اجر و ثواب چھن جانے کے خوف سے اور مقام و مرتبہ سے محرومی کے ڈر کی وجہ سے توبہ کرتے ہیں۔ یہ توبہ کا دوسرا درجہ ہے۔ اس کو ''انابت'' کہتے ہیں اور ایسی توبہ کرنے والا شخص منیب کہلاتا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی شخص کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِۨ ○ اۨدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ○ (۱)

''جو (خدائے) رحمان سے بن دیکھے ڈرتا رہا اور (اللہ کی بارگاہ میں) رجوع و اِنابت والا دِل لے کر حاضر ہوا۔ اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہ ہمیشگی کا دن ہے۔''

حضرت ذو النون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

توبة العوام من الذنوب وتوبة الخواص من الغفلة (۲)

''عوام کی توبہ گناہوں سے ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے ہے۔''

۳۔ اَخصُّ الخواص کی توبہ

اخص الخواص یعنی اللہ کے ان خاص بندوں کی توبہ کا کمال فقط منیب بن جانے پر موقوف ہی نہیں بلکہ خاصانِ خدا کے اس گروہ میں اللہ کے مقرب بندے ہیں اور ان کا

(۱) قٓ، ۵۰: ۳۳، ۳۴

(۲) قشیری، الرسالة القشيرية: ۹۵

مقام اوَّابیت ہے۔ ان کی توبہ کا باعث عذابِ الٰہی کا خوف اور اخروی نعمتوں کا حصول نہیں بلکہ یہ توبہ آخرت کے ڈر اور نعمتوں کے چھن جانے کے خوف سے ماوراء، خالص اور محض رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا مقصود صرف خالقِ حقیقی کو راضی کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح جب خوشنودی ان کا منتہائے مقصود بن جائے، دل میں اللہ سے ایسی محبت اور اس کے قرب کی ایسی آرزو موج زن ہو جائے کہ وہ ہر لمحہ اپنے سابقہ مقام کو اپنے لئے گناہ تصور کرنے لگیں اور اللہ کی خوشنودی کا جویا (تلاش کرنے والا) بن کر بس اسی کے مکھڑے کے طلبگار رہیں تو وہ توبہ کے مقامِ اوّابیت پر فائز کر دیئے جاتے ہیں۔ ایسی توبہ کرنے والوں کو اوّاب کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

نِعْمَ الْعَبْدُ ط اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ○[1]

''وہ کیا خوب بندہ تھا، بے شک وہ بڑی کثرت سے توبہ کرنے والا ہے○''

یہ اللہ کے وہ عاشق بندے ہیں جو دنیا کی محبت سے، حرص اور لالچ سے، جاہ و منصب کی ہوس سے، یادِ الٰہی کی غفلت سے، گناہوں سے اور محبوبِ حقیقی کی محبت کے سوا ہر غیر کی محبت سے بھی توبہ کرتے ہیں۔ اللہ کے یہ مقرب بندے توبہ کرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں عام انسان نہیں بلکہ محبوبیت کے مقام پر فائز کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ (۵۱۳ھ۔ ۶۲۷ھ) اپنی کتاب ''تذکرۃ الأولیاء (ص: ۴۱)'' میں حضرت حبیب عجمی علیہ الرحمۃ کی قبولیت توبہ اور ان کے مقام و مرتبہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''حضرت حبیب عجمی علیہ الرحمۃ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ توبہ سے قبل شراب اور ہر قسم کی برائی فسق و فجور اور گناہوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک وقت آیا کہ انہوں نے سچے دل سے توبہ کی اور اللہ کی بارگاہ میں جبین نیاز جھکا کر گریہ و زاری کرنے لگے، گناہوں سے توبہ کے بعد انہوں نے حضرت حسن

(۱) ص، ۳۸: ۳۰

بصری علیہ الرحمۃ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور ان کے مرید ہوگئے۔ حضرت حبیب علیہ الرحمۃ ’’عجمی‘‘ قرآن حکیم کی تلاوت صحیح نہ کر سکتے تھے۔ جب انہوں نے توبہ کی تو اللہ نے توبہ کے بعد انہیں بلند مقام پر پہنچا دیا جس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حبیب علیہ الرحمۃ اپنے گھر میں نماز مغرب پڑھنے لگے۔ عین اسی لمحے حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ ان کو ملنے آ گئے، حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ نے سوچا کہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے لیکن ذہن میں خیال آیا کہ یہ تو قرآن کی صحیح تلاوت بھی نہیں کر سکتے اور اس خیال سے حبیب عجمی علیہ الرحمۃ کے پیچھے نماز پڑھنے کا ارادہ ترک کرلیا۔ جب رات ہوئی تو حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ کو اللہ کا دیدار ہوا۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ نے پوچھا باری تعالیٰ تیری رضا کی تلاش میں ہوں بتا تیری رضا کہاں سے ملے گی؟ اور کس طرح مل سکے گی؟ جواب آیا اے میرے حسن! میری رضا تو تجھے مل چکی تھی تو نے خود گنوا دی، عرض کیا: باری تعالیٰ کس طرح گنوا دی؟ جواب ملا جب تو حبیب عجمی علیہ الرحمۃ کے دروازے پر آیا تو میری رضا تیرے قریب آ گئی اس لئے کہ وہ مجھ سے سچی توبہ کرنے والا بندہ تھا مگر تو نے اس کی زبان کے نقص کو دیکھ کر اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا اس طرح میری رضا پانے کا موقع تو نے گنوا دیا۔‘‘

پس اپنے گناہوں پر نادم ہونے والے ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلب و باطن میں توبہ کے دو اجزاء ’’خوف‘‘ اور ’’حیا‘‘ کو موجود رکھے اور اس کے ساتھ توبہ کے ان تین درجات کے حصول کے لئے ہمہ وقت بارگاہِ الٰہی میں معافی کا خواستگار بنا رہے تاکہ اسے رضائے الٰہی نصیب ہوسکے۔

توبہ کی شرائط

توبہ کی قبولیت اورعدم قبولیت کا دارومدار توبہ کی شرائط پر ہوتا ہے شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ (م ۳۸۶ھ) توبہ کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہر گناہ کے کام میں دس اعمال سیئہ ہوتے ہیں اس لیے جب تک ہر گناہ سے توبہ نہ کی جائے تب تک توبۃ النصوح (سچی توبہ) کا حق ادا نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر لازم کی ہے۔ توبہ کی شرائط درج ذیل ہیں۔ تائب کے لئے لازم ہے کہ وہ:

۱۔ دوبارہ گناہ کرنے سے رک جائے۔

۲۔ صدق دل سے توبہ کرے۔

۳۔ گناہ کا سبب بننے والے کاموں سے توبہ کرے۔

۴۔ اس قسم کے ہر گناہ کی طرف جانے سے توبہ کرے۔

۵۔ اس کی جانب نگاہ اٹھانے سے بھی توبہ کرے۔

٦۔ اس گناہ کا تذکرہ کرنے والوں کا کلام سننے سے بھی توبہ کرے۔

۷۔ توبہ میں جو خامی رہ جائے اس سے بھی توبہ کرے یعنی پوری قوت سے توبہ کرے۔

۸۔ توبہ کی توفیق پا کر اس پر فخر کرنے سے بھی توبہ کرے۔[۱]

۹۔ آخر میں شیخ ابو طالب مکی علیه الرحمة فرماتے ہیں:

''توبہ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ سچی توبہ کرنے والا نافرمانوں سے قطع تعلق کرلے۔ پھر اپنے اس نفس سے بھی تعلق ہٹالے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیا کرتا تھا۔ اور اسے (نفس کو) اتنی ہی ضروریات مہیا کرے جو لازم ترین ہوں۔ اپنے نفس کو فضولیات میں نہ ڈالے اور اس بات کا پختہ ارادہ کرلے کہ دوبارہ کبھی بھی نافرمانی نہیں کرے گا اور جو چیز اسے غلطی کی جانب لے جانے والی ہو اسے بھی

(۱) أبوطالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۳۸۹

چھوڑ دے، خواہشِ نفس کی اتباع نہ کرے اور سلفِ صالحین کی پیروی کرے۔''[۱]

ابو القاسم عبد الکریم بن ھوازن القشیری علیہ الرحمۃ (۳۷۶ھ۔۴۶۵ھ) توبہ کے صحیح ہونے کی تین شرائط بیان کرتے ہیں:

۱۔ جن امور میں شریعت کی مخالفت ہوئی ہو ان پر ندامت کا اظہار کرنا۔

۲۔ اپنی لغزش اور غلطی کو فوراً ترک کر دینا۔

۳۔ یہ ارادہ کرنا کہ جو گناہ اس نے کیے ہیں انہیں دوبارہ نہ کرے گا۔[۲]

امام غزالی علیہ الرحمۃ ''**إحياء علوم الدين**'' میں پہلی امتوں کی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک نبی علیہ السلام نے ایک بندے کی قبولیتِ توبہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اس نے سالہا سال عبادت کی لیکن توبہ کی قبولیت ظاہر نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اگر تمام آسمانوں اور زمین والے اس کی سفارش کریں تو بھی میں اس کی توبہ قبول نہیں کروں گا کیونکہ جس گناہ سے وہ توبہ کر رہا ہے اس کی مٹھاس اب بھی اس کے دل میں موجود ہے۔''[۳]

معلوم ہوا کہ توبہ کی قبولیت کے لیے گناہ کی حلاوت کو مکمل طور پر ختم کرنا شرط ہے، امام غزالی علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں:

''توبہ کا تعلق ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں سے ہے حال یہ ہے کہ تائب کیے ہوئے گناہ پر پشیمان اور شرمندہ ہو۔ ماضی کے ساتھ تعلق کے حوالے سے توبہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ تائب اپنی فکر کو اس پہلے دن

(۱) أبو طالب مكی، قوت القلوب، ۱: ۳۷۰

(۲) قشيری، الرسالة القشيرية: ۹۴

(۳) غزالی، إحياء علوم الدين، ۴: ۳۴

کی طرف لوٹائے جس دن عمر کے اعتبار سے وہ بالغ ہوا تھا اور گزشتہ زندگی کے ایک ایک سال، ایک ایک مہینہ، ایک ایک دن اور ایک ایک سانس کی چھان بین کرے اور دیکھے کہ کون کونسی عبادات میں کوتاہی ہوئی ہے۔ اور کن کن گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔ اگر کسی سے مال لیا ہو تو اسے واپس کردے اور اسے خوش کرے۔ کسی کو برا بھلا کہا ہے تو اس سے معافی مانگے اور وہ شخص جسے برا کہا تھا وہ فوت ہوجائے تو اسے جتنا برا بھلا کہا تھا اس سے بڑھ کر نیکی کرے۔ اگر کسی کو مار ڈالا تھا تو اس کے عوض میں غلام آزاد کرے یا اس قدر رقم اللہ کی راہ میں خرچ کردے کیونکہ جو شخص اس صورت میں غلام آزاد کرتا ہے وہ گویا مردے کو زندہ کرتا ہے اور اگر شرابی توبہ کرے تو میٹھا پانی یا ٹھنڈا پانی لوگوں کو پلائے۔ مقصود یہ ہے کہ توبہ کرتے وقت ہر گناہ کی مناسبت سے معذرت کرنی چاہیے۔‘‘

جہاں تک مستقبل سے مربوط عزم و ارادے کا تعلق ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے پختہ وعدہ کرے کہ وہ آئندہ کبھی بھی ان گناہوں کے قریب بھی نہیں پھٹکے گا اور نہ ہی ان جیسے دوسرے گناہوں کا مرتکب ہوگا۔ مثلاً ایک شخص بیماری کی حالت میں جانتا ہے کہ اسے ترش پھل نقصان دیتے ہیں مگر ابھی اس نے پختہ ارادہ نہیں کیا بلکہ فی الوقت اس کے ذہن میں پھل چھوڑنے کا محض خیال آیا ہے تو اس صورت میں جب تک وہ پھل چھوڑنے کا پختہ ارادہ نہ کرے تب تک وہ توبہ کرنے والا شمار نہیں ہوگا اور پہلے ہی مرحلے میں یہ بات پایہ تکمیل کو اس وقت پہنچے گی جب وہ تنہائی اختیار کرے، خاموش رہے، کھانا کم کھائے، سونے میں کمی کرے اور حلال روزی جمع کرے، اگر اسے وراثت میں حلال مال ملا ہے تو اسی پر اکتفاء کرے یا کسی پیشے سے بقدرِ ضرورت کماتا ہے تو اسی پر قناعت کرے کیوں کہ گناہوں کی جڑ اور بنیاد حرام مال کھانا ہے اور جب تک حرام مال کھانے پر ڈٹا رہے گا توبہ کرنے والا کیسے قرار پائے گا اور جو آدمی کھانوں اور لباس کے

سلسلے میں خواہش کو چھوڑنے پر قادر نہیں ہوتا وہ حلال پر اکتفاء بھی نہیں کرسکتا اور شُبہ والی چیزوں کو بھی چھوڑ نہیں سکتا۔ بعض بزرگوں نے فرمایا: ’’جو شخص خواہش کو چھوڑنے میں سچا ہو اور سات مرتبہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے نفس سے جہاد کرے تو وہ اس خواہش میں مبتلا نہیں ہوگا اور ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا جو آدمی گناہ سے توبہ کرے اور پھر سات سال تک اس پر استقامت اختیار کرے وہ کبھی بھی اس (گناہ) کی طرف نہیں لوٹے گا۔‘‘(۱)

سچے تائب کے لیے ضروری ہے کہ وہ مذکورہ بالا شرائط کو پورا کرے کیونکہ توبہ کی قبولیت اور عدم قبولیت کا دار و مدار اسی پر ہے۔ جب کوئی شخص ان شرائط کے ساتھ توبہ کرتا ہے تو وہ بارگاہِ خداوندی میں ضرور قبول ہوتی ہے سورہ النساء میں قبولیتِ توبہ کے حوالے سے قرآن کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ج حَتّٰٓى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْئٰنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ط أُولٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ○(۲)

’’اللہ نے صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جو نادانی کے باعث برائی کر بیٹھیں پھر جلد ہی توبہ کرلیں پس اللہ ایسے لوگوں پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرمائے گا، اور اللہ بڑے علم بڑی حکمت والا ہے ○ اور ایسے لوگوں کے لئے توبہ (کی قبولیت) نہیں ہے جو گناہ کرتے چلے جائیں یہاں

---

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۴: ۳۴۔ ۳۹

(۲) النساء، ۴: ۱۷، ۱۸

تک کہ ان میں سے کسی کے سامنے موت آ پہنچے تو (اس وقت) کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ہی ایسے لوگوں کے لئے ہے جو کفر کی حالت پر مریں، ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہےo‘‘

وَهُوَ الَّذِیْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَo[(۱)]

’’اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور لغزشوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو (اسے) جانتا ہےo‘‘

غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط اِلَيْهِ الْمَصِيْرُo[(۲)]

’’گناہ بخشنے والا (ہے) اور توبہ قبول فرمانے والا (ہے)، سخت عذاب دینے والا (ہے)، بڑا صاحبِ کرم ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہےo‘‘

توبہ اللہ تعالیٰ کا اس قدر پسندیدہ عمل ہے کہ اگر بندے کے گناہ آسمان تک بھی پہنچ جائیں تو وہ توبہ کے عمل سے ان گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ میں آپ نے فرمایا:

لَوْ أخطَأْتُمْ حَتَّى تَبْلُغَ خَطَايَاكُمُ السَّمَاءَ، ثُمَّ تُبْتُمْ لَتَابَ عَلَيْكُمْ[(۳)]

---

(۱) الشوری، ۴۲: ۲۵

(۲) المؤمن، ۴۰: ۳

(۳) ابن ماجة، السنن، كتاب الزهد، باب ذِكْرِ التَّوْبَةِ، ۴: ۵۳۴، رقم: ۴۲۴۸

’’اگر تم اتنے گناہ کرو کہ وہ آسمان تک پہنچ جائیں تو پھر اللہ سے توبہ کرو تو وہ تمہاری توبہ ضرور قبول فرمائے گا۔‘‘

ان آیاتِ قرآنیہ اور حدیثِ مبارکہ سے واضح ہوا کہ توبہ کی قبولیت یقینی ہے توبہ کا ایک اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کے قبول ہونے میں شک نہ کیا جائے البتہ اس امر میں شک کیا جاسکتا ہے کہ مطلوبہ شرائط پوری ہوئی ہیں یا نہیں۔

توبہ کے آداب

جب بندہ اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلا کر اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کو یاد کرکے اپنی سرکشی اور بغاوت پر ندامت کا اظہار کرنے لگے تو اسے چاہئے کہ توبہ کے درج ذیل تین آداب کو ملحوظِ خاطر رکھے تاکہ توبہ کو شرفِ قبولیت حاصل ہوسکے۔

پہلا ادب - ذکرِ الٰہی

توبہ کا پہلا ادب ذکرِ الٰہی ہے۔ جب بندہ گناہ کرکے اللہ کی یاد کی طرف راغب ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل گناہ پر نادم ہے اور اللہ کی یاد ہی ندامت کا سبب بنی ہے اسی لئے بیت المقدس میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ نے جو پہلا ادب سکھایا وہ ’’ذکرِ الٰہی‘‘ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّادْخُلُوْا الْبَابَ سُجَّدًا۔(۱)

’’اور (شہر کے) دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا٥‘‘

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بارگاہِ الٰہی میں تائب ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرنا ادب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا بہترین ذریعہ اور افضل ترین عمل

---

(۱) الإعراف، ۷: ۱۶۱

نمازِ پنجگانہ ہے۔

حدیثِ مبارکہ میں بھی توبہ سے قبل اللہ کو یاد کرنے کا ادب سکھایا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔

أَنَّ رَجُلًا اَصَابَ مِنَ امْرَأَةٍ قُبْلَةً: فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ’’أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ‘‘ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللهِ، أَلِي هٰذَا؟ قَالَ: لِجَمِيْعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ۔(۱)

’’ایک آدمی نے کسی عورت کو بوسہ دیا پس وہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس کے متعلق خبر دی (اس موقعہ پر) اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ ’’اور آپ دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔‘‘ (ہود، ۱۱: ۱۱۴) وہ شخص عرض گزار ہوا یا رسول اللہ! کیا یہ خوشخبری میرے ہی لئے ہے؟ فرمایا: میری ساری امت کے لئے ہے۔‘‘

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ اور حدیثِ مبارکہ کی رو سے اگر توبہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کو یاد کرلیا جائے اور خلوصِ دل سے توبہ کی جائے تو ایسی توبہ ضرور قبول ہوگی۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الصلوۃ کفارۃ، ۱: ۱۹۶، ۱۹۷، رقم: ۵۰۳

۲۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب التوبۃ، باب فضل دوام الذکر و الفکر، ۴: ۲۱۱۶، رقم: ۲۷۶۳

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب سورۃ ہود، ۵: ۱۸۸، رقم: ۳۱۱۲

دوسرا ادب - اِستغفار

توبہ کا دوسرا ادب استغفار یعنی اللہ سے معافی مانگنا ہے۔ یہ ادب اللہ کی بارگاہ میں عاجزی کا درس دیتا ہے۔ اس حالت میں انسان خود کو بے بس اور مجبور سمجھ کر اللہ کے حضور پیش کرتا ہے اور اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرکے استغفار کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيَّ لَيْلَةٍ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، مَا أَقُوْلُ فِيْهَا؟ قَالَ: قُوْلِي اللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفوٌّ تُحِبُّ العَفْوَ، فَاعْفُ عَنِّي ـ(۱)

’’یا رسول اللہ! بتایئے اگر مجھے شب قدر معلوم ہو جائے تو میں اس میں کیا دعا مانگوں آپ ﷺ نے فرمایا: کہو: **اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عنی** (یا اللہ! تو بہت معاف کرنے والا ہے، عفو و درگزر کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف فرما دے)۔‘‘

جب بندہ عجز و انکسار سے مغفرت اور بخشش کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے اپنی رحمت و بخشش کے دروازے کھول دیتا ہے اور اسکی توبہ کو شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے۔

تیسرا ادب - توسُّل بالرسول ﷺ

بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہر پکار اور دعا کو سننے والی ہے کیونکہ وہ ہر

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب ما جاء فی عقد التسبیح بالید، ۵: ۴۹۰، رقم: ۳۵۱۳

۲۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الدعاء، باب الدعا بالعفو و العافیة، ۴: ۳۱۳، رقم: ۳۸۵۰

ایک کا خالق و مالک ہے لیکن وہ خالق و مالک ہونے کے ساتھ بے نیاز بھی ہے۔ اگر وہ کسی کی پکار کو رد کر دے تو اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا، وہ مالک ہے چاہے کرم کر دے اور چاہے تو گناہوں پر سزا دے۔ یہ دنیا کا عام قاعدہ اور دستور ہے کہ جب دنیاوی حاکم یا بادشاہ کے پاس کوئی جاتا ہے تو اپنے ساتھ اس کے پیارے دوست کو لے کر جاتا ہے کہ اگر اس بندے سے کوئی غلطی یا خطا سرزد ہو جائے تو وہ اپنے پیارے کا حیاء کرتے ہوئے سزا کا ارادہ ملتوی کر دے۔ قرآن حکیم میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے ادب کی بات کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○ (۱)

’’اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اوراللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے○‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کا سلیقہ اور قرینہ سکھایا ہے۔ قربان جایئے اللہ کی رحمت پر کہ ان گنہگاروں کو معاف کرنے کا وعدہ بھی کیا اور معافی مانگنے کا سلیقہ بھی سکھایا۔ کون ایسا سخی ہے جو بھکاری کو بھیک بھی دے اور مانگنے کے طریقے بھی سکھائے؟ خطا کاروں کو اپنے پاس بلائے اور انہیں یہ بھی بتائے کہ اگر فلاں کے پاس سے ہو کر آؤ گے تو میں تمہاری دعائیں رد نہیں کروں گا۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ کے توسل سے معافی مانگی جائے تو اللہ کی رحمت اپنے پیارے حبیب ﷺ کا حیاء کر کے کوئی چاہے کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو معاف فرما دیتی ہے۔

---

(۱) النساء، ۴: ۶۴

چنانچہ اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں واضح ہوا کہ توسل بالرسول ﷺ توبہ کی قبولیت کا آخری قدم ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہ ہو بلکہ مذکورہ بالا توبہ کے تین آداب کوملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ سے اپنا تعلق قلبی مضبوط کرلے اور آپ ﷺ کو یاد کرکے اللہ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ پیش کرے اور اللہ کی رحمت پر کامل یقین رکھے، اپنے گناہوں کی معافی مانگے پھر وہ دیکھے گا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت بھی اسے بخشوانے کے لئے آئے گی اور اللہ کی رحمت و مغفرت بھی اسے اپنے دامنِ لُطف وکرم میں چھپانے کا بہانہ تلاش کرے گی۔

توبہ کے طریقے

''توبہ'' جس سے تصوف کا پہلا حرف ''تا'' مکمل ہوتا ہے تصوف کا عنصر اوّلین، سفرِ معرفت کا نقطۂ آغاز اور مغفرت کی طرف رکھنے والا پہلا قدم ہے اس توبہ کے تین طریقے ہیں:

۱۔ خطا سے صواب (نیک کام) کی طرف رجوع (توبہ کرنا)۔

۲۔ صواب سے صواب کی طرف رجوع (توبہ) کرنا۔

۳۔ خودی سے خدا کی طرف رجوع (توبہ) کرنا۔

پہلا طریقہ

توبہ کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ انسان غلطی اور گناہ سرزد ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز کی طرف رجوع کرے اور غلطی پر تائب ہوکر معافی کا خواستگار ہو جس کے نتیجے میں قوی امید ہے کہ اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے حضرت ابو عبید بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ [1]

’’گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسا کہ اُس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔‘‘

اس سے پتا چلا کہ ہر قسم کے گناہ کی نجاست سے پاک و صاف ہوجانے کے عمل کو خطا سے صواب کی طرف توبہ کرنا کہتے ہیں۔

دوسرا طریقہ

توبہ کا دوسرا طریقہ صواب سے صواب کی طرف توبہ کرنا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انسان پہلے بھی گناہ پر نہ ہو، نہ اس سے کوئی غلطی اور خطا سرزد ہوئی ہو مگر خوب سے خوب تر کی تلاش اور آرزو میں اپنے پہلے مقام و مرتبہ کو گناہ تصور کرے اور اس سے توبہ کر کے بلند و بالا اور زیادہ باعظمت مقامات کی طرف رواں دواں ہو اور اس اگلے مقام سے پہلے مقام پر رکے رہنے کو گناہ تصور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی مانگے۔ یہ پہلی حالتِ صواب سے دوسری حالتِ صواب کی طرف رجوع کرنا ہے اسی مقامِ رفیع کے متلاشی لوگوں کے بارے میں حضرت ابوسعید الخراز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّاٰتُ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ [2]

’’عام نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک گناہ ہوتے ہیں۔‘‘

گویا یہ مقامِ بر (نیکی) سے مقام قرب کی طرف سفر ہے اور اس سفر کا راہی مقام بر سے مقام قرب کی طرف جانے کے لئے توبہ کرتا ہے۔

---

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، ۴: ۵۳۵، رقم: ۴۲۵۰

۲۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۰: ۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱

(۲) ابن عساكر، بحواله تفسير إبن كثير، ۴: ۳۱

تیسرا طریقہ

توبہ کا تیسرا طریقہ خودی سے خدا کی طرف توبہ کرنا ہے۔ اہلِ محبت جب مقامِ قرب تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں تو ان کے اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کے آداب بجالائیں اور اپنی خواہش و آرزو کو محبوب کی مرضی میں فنا کر دیں۔ اس مرحلہ پر توبہ کی وضاحت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جب آپ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی آرزو کا اظہار کیا:

قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۔(۱)

’’تو (کلامِ ربانی کی لذت پا کر دیدار کا آرزو مند ہوا اور) عرض کرنے لگا: اے رب! مجھے (اپنا جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار کرلوں۔‘‘

محبوبِ حقیقی سے ہم کلام ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خواہشِ دیدار پیدا ہوئی جو آرزو بن کر بے اختیار زبان پر مچل گئی تو ادھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ بے نیاز سے جواب ملا:

لَنْ تَرٰىنِيْ ۔(۲)

’’تم مجھے (براہِ راست) ہرگز دیکھ نہ سکو گے۔‘‘

پھر جب رب ذوالجلال نے کوہِ طور پر ایک تجلی ڈالی تو آپ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر پڑے جونہی ہوش آیا تو فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی:

تُبْتُ اِلَيْكَ ۔(۳)

---

(۱) الاعراف، ۷: ۱۴۳

(۲) الاعراف، ۷: ۱۴۳

(۳) الاعراف، ۷: ۱۴۳

’’میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقرب نبی اور رسول ہیں، اور انبیاء کرام علیہم السلام خطا سے پاک ہوتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کیا جس سے توبہ کی ضرورت محسوس ہوتی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام توبہ کس چیز سے فرما رہے ہیں؟ صاف ظاہر ہے کہ آپ علیہ السلام نے کوئی نافرمانی نہیں کی بلکہ یہ تو ان کی اپنی اس خواہش و آرزو سے توبہ تھی۔ جس کا اظہار وہ قربِ مولا کے لئے کر بیٹھے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام بارگاہِ ایزدی میں عرض پرداز ہوئے کہ مولا میں دیدار کی تمنا کر بیٹھا، اس اختیار سے توبہ کرتا ہوں اور تیری مرضی کو اپنی مرضی سمجھتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ اس منزل پر پہنچ کر انسان خود کو محبوب کی بارگاہ میں اس طرح اپنے آپ کو سپرد کر دیتا ہے کہ اس کے دیدار کی آرزو بھی خطا سمجھنے لگتا ہے، توبہ کا یہ درجہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدرجہ اتم حاصل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خواہش و آرزو کو اپنے خالقِ حقیقی کی رضا و خوشنودی میں اس طرح فنا کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىo(۱)

’’اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتےo ان کا ارشاد سراسر وحی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہےo‘‘

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بولنا اور خاموش رہنا سب کچھ وحیِٔ ربانی کے تابع تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ذاتی خواہش پر اللہ کی رضا مقدم تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَنَسِيْتَ اَمْ قُصِرَتِ الصَّلٰوةِ؟

---

(۱) النجم، ۵۳: ۳، ۴

’’یا رسول اللہ! آپ بھول گئے یا نماز میں کمی کردی گئی؟‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

لَمْ أَنْسَ فَلَمْ تُقْصَرِ الصلوٰۃ۔(۱)

’’نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز میں قصر کی گئی ہے۔‘‘

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی نماز بھی آپ ﷺ کی اپنی مرضی پر موقوف نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و مرضی کے مطابق تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ ایک دن میں ستر ستر بار توبہ فرماتے تھے۔ یہ توبہ و استغفار گناہوں اور غلطیوں سے توبہ نہ تھی بلکہ ہر قدم پر آرزو اور خواہش کے اختیار کرنے سے توبہ ہوتی تھی۔ توبہ صرف گناہوں سے ہی نہیں ہوتی بلکہ ہر طرح کی خواہشات، تمناؤں اور آرزؤں سے دستبردار ہونے کا نام ہی حقیقی توبہ ہے۔

حقیقی توبہ کی علامات

علماء کرام اور سلف صالحین فرماتے ہیں کہ اگر توبہ کے بعد تائب میں درج ذیل علامات ظاہر ہوجائیں تو وہ سمجھ لے کہ اس کی توبہ سچی ہے اور اسے قبولیت کا درجہ حاصل ہے۔

۱۔ خواہشاتِ نفسانی سے مکمل چھٹکارا مل جائے۔

۲۔ گناہ سے ایسا چھٹکارا نصیب ہو جائے کہ باطن میں اس کا خیال بھی نہ آئے۔

۳۔ حلاوتِ خواہش، حلاوتِ اطاعت و بندگی میں بدل جائے۔

۴۔ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا دھیان حاوی رہے۔

۵۔ نافرمانی سے قطع تعلق اختیار کرے۔

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۳۷۱، رقم: ۹۳۰

۶۔ سلف و صالحین کی پیروی اور نیکو کاروں کی صحبت کو اپنا شعار بنالے۔

۷۔ رقتِ قلب اور رونے والی آنکھ نصیب ہوجائے۔

۸۔ گناہ کا ظاہری اور باطنی اثر نہ رہے۔

۹۔ زبان فضول گوئی، غیبت اور جھوٹ سے پاک ہوجائے۔

۱۰۔ دل حسد اور عداوت سے پاک ہوجائے۔

۱۱۔ ہمہ وقت موت کی تیاری میں مشغول رہے۔

۱۲۔ ہر وقت گناہوں پر شرمسار اور اللہ سے مغفرت کا طلبگار رہے۔

۱۳۔ ہر لمحہ اللہ رب العزت کی فرمانبرداری میں سرگرم عمل رہے۔

۱۴۔ دل سے یادِ الٰہی کے سوا ہر مسرت اٹھ جائے اور ہمیشہ آخرت کی فکر اور غم دامن گیر رہے۔(۱)

اگر کسی میں یہ تمام علامات موجود ہوں تو اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کی شان میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيۡنَ وَيُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِيۡنَ○(۲)

’’بے شک اللہ بہت توبہ کرنیوالوں سے محبت فرماتا ہے اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔‘‘

توبہ سے محرومی کے اَسباب

امام غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰ھ۔ ۵۰۵ھ) نے ’’کیمیائے سعادت (ص: ۶۲۷،

(۱) أبو طالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۳۴۹

(۲) البقرة، ۲: ۲۲۲

۶۳۰)'' میں توبہ سے محرومی کے درج ذیل پانچ اسباب بیان کئے ہیں اور ہر ایک کے ازالہ کا طریقہ بھی بیان کیا ہے:

پہلا سبب: گناہ پر سزا کا مؤخر ہونا

پہلا سبب گناہ پر فوراً سزا نہ ملنا ہے، ہر گناہ پر جو سزا اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے وہ گناہ سرزد ہوتے ہی یک بیک نہیں ملا کرتی۔ ظاہر ہے جس فعل کا نتیجہ فوری طور پر نہ ملے ذہن میں اس کی وقعت نہیں ہوتی لہٰذا گناہ پر اصرار ہونے لگتا ہے اور انسان مزید گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ہر انسان کو اس پر غور وفکر کرنا چاہیے کہ جو چیز ایک نہ ایک دن ضرور ہوکر رہے گی وہ قریب ہے کیونکہ بعید تو اس کو کہا جاتا ہے جس کا آنا طویل مدت تک قرین قیاس نہ ہو''موت'' جس کا آنا یقینی ہے۔ پھر اس کا وقت بھی مقرر نہیں ہے تو اس کے دور ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ کیا خبر آج ہی کا دن آخری دن ہو اور یہی مہینہ آخری مہینہ اور یہی سال عمر کا آخری سال ہو، موت کے اس پہلو کی طرف سے غفلت کرنا حماقت ہے اس کے علاوہ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ افلاس کے اندیشہ سے معاش حاصل کرنے کی فکر میں انسان کیسے دور دراز کے سفر اور رنج و مصائب برداشت کرتا ہے، تو یہ بات لمحۂ فکر یہ ہے کہ آخرت کی پائیدار زندگی کی انسان کو اتنی بھی فکر نہ ہو جتنی دنیا کی جلد ختم ہو جانے والی ناپائیدار زندگی کی فکر اسے لاحق ہے۔

دوسرا سبب: نفس پرستی

توبہ سے محرومی کا دوسرا سبب نفس پرستی ہے۔ انسان کو اپنے نفس کی مرغوب خواہشات اور لذتوں کو چھوڑنا کتنا ناگوار گزرتا ہے۔ ذرا سوچیں کہ آج اگر نفس اس قدر لذات اور مرغوب خواہشات کا اسیر ہے کہ دنیا میں چند روز کے لئے ان ناپائیدار لذتوں کو چھوڑنا بھی اس کو شاق گزرتا ہے تو کل آخرت کی دائمی نعمتوں کے چھوٹنے اور ہمیشہ کے

لئے آگ میں جلنے کو وہ کس طرح برداشت کرے گا؟

لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ آج ہی سے اپنا محاسبہ نفس کرے اور اللہ کے حضور توبہ و استغفار کر کے اللہ کو راضی کرنے کا سامان کرے۔

تیسرا سبب: توبہ میں تاخیر

تیسرا سبب نفس امارہ ہے۔ یہ انسان کو کاہلی کا درس دیتا اور اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ ابھی اتنی عمر پڑی ہے توبہ کی اتنی جلدی ہی کیا ہے؟ چار دن عیش سے گزار لئے جائیں، آج نہیں تو کل توبہ کر لیں گے۔ غرض اسی طرح دن پر دن گزرتے جاتے ہیں اور توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، آج کل کرتے کرتے وقت پورا ہو جاتا ہے حتی کہ موت آجاتی ہے پس اگر گناہ پر اصرار کرنے کا باعث یہ نفس امارہ ہے تو انسان کو تدبر کرنا چاہیے کہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں، کون جانتا ہے کل کیا ہوگا؟ کون کہہ سکتا ہے کہ تم کل زندہ رہو گے یا نہیں اور توبہ بھی نصیب ہو سکے گی یا نہیں خوب یاد رکھیں کہ نفس کی لذت کا چھوڑنا آج دشوار ہے تو کل جب نفس کی لذت کی خواہش اور مضبوط ہو جائے گی تو اس سے کیونکر جان چھوٹ سکے گی؟ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے آپ کو کسی پودے کو اکھاڑنے کا حکم دیا جائے اور آپ کہیں کہ جناب اس سال تو نہیں ہاں اگلے سال اکھاڑوں گا حالانکہ یہ بات آپ خوب جانتے ہیں کہ وہ پودا تناور درخت بن جائے گا اور اس کی جڑ روز بروز مضبوط ہوتی جائے گی اور آپ کی قوتِ بازو کم ہوتی جائے گی پس جس درخت کو آج نہیں اکھاڑ سکے تو آئندہ سال کس طرح اکھاڑ سکیں گے؟

چوتھا سبب: نفس کی حیلہ جوئی

توبہ کی توفیق نہ ملنے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ انسانی نفس نے اللہ تعالیٰ کے عفو و

کرم کو اپنی آرزو اور آڑ بنا رکھا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے گناہوں کی پرواہ ہی کیا ہے، وہ بڑا غفور و رحیم ہے، سارے گناہ بخش دے گا، جبکہ یہ نفس کی مکاری اور حیلہ جوئی ہے۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَ الْعَاجِزُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هوا ها و تمنّى على الله.[(۱)]

''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے اور عاجز وہ ہے جو اپنے آپ کو خواہشات کے پیچھے لگائے رکھے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھے۔''

پانچواں سبب: آخرت پر عدمِ یقین

توبہ سے محرومی کا پانچواں اور آخری سبب آخرت پر یقین نہ ہونا ہے اس عدمِ یقین کی بنا پر انسان جلد توبہ نہیں کرتا کیونکہ اسے دنیا حاصل کرنے میں زیادہ رغبت ہوتی ہے اور دین کی طلب میں غفلت اس کے لئے تساہل کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ بات انسان کی سرشت میں شامل ہے کہ جس شئے کو اس نے دیکھا ہی نہ ہو اس کی حتمی تصدیق دل کے اندر نہیں ہوسکتی اور یہ بھی ہے کہ ہر شخص نقد کو ادھار پر ترجیح دیتا ہے۔ لہٰذا طلب

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب صفة القيامة و الرقائق و الورع، باب ماجاء فی صفة أواني الحوض، ۴: ۲۴۶، ۲۴۷، رقم: ۲۴۵۹

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الزهد، باب ذكر الموت و الاستعداد له، ۴: ۵۴۰، رقم: ۴۲۶۰

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۴، رقم: ۱۷۲۵۳

۴۔ حاكم، المستدرك، ۱: ۱۲۵، رقم: ۱۹۱

دنیا میں ساری تکلیفیں برداشت کرلی جاتی ہیں اور عبادت کے متعلق نوافل تو درکنار اصل رکن اور فرائض بھی ادا کرنا مشکل اور دشوار ہو جاتے ہیں۔ ان پانچ اسباب کا علاج انسان اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی کرسکتا ہے۔ اگر اللہ رب العزت دل کی آنکھیں روشن فرما دے اور انسان صاحبِ بصیرت بن جائے تو پھر دینی امور کی انجام دہی بھی دنیاوی امور کی طرح اس کے لئے ممکن ہوجائے گی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اہلِ بصیرت یعنی انبیاء کرام علیھم السلام اور اولیائے عظام کی بڑی جماعت میں کوئی بھی ایسا نہیں جو آخرت کی دائمی نعمت اور تکلیف کا قائل نہ ہو۔ یقینی بات ہے کہ اخروی کامیابی اللہ تعالیٰ سے لو لگائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اور جب تک ہم مکروہات دنیا سے منہ نہیں پھیریں گے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی جانب توجہ اور میلان کیونکر ہوگا؟

توبہ کا محرک: غفلت سے بیداری

توبہ کی توفیق غفلت سے بیداری کی طرف لوٹنے سے بھی ملتی ہے۔ جب انسان میں حالتِ بیداری پیدا ہوئی ہے تو وہ مصیبت و گناہ کی زندگی سے تنگ آ جاتا ہے، اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور وہ خود اپنی ذات سے بھی نفرت شروع کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ بارگاہِ ایزدی میں توبہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص کے لئے توبہ کی راہ کو آسان فرما دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ کے کرم اور اہل اللہ کی نظرِ کرم سے بڑے بڑے گنہگار توبہ کرکے اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور امام بن گئے اس کے متعلق ایک واقعہ ہے جسے سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمة (۴۷۰ھ۔ ۵۶۱ھ) ''غنیة الطالبین'' میں نقل کرتے ہیں کہ ''ایک دن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کوفہ میں کسی مقام سے گزر رہے تھے اچانک آپ رضی اللہ عنہ نے سنا کہ چند فاسق ایک شخص کے گھر میں جمع ہیں، شراب کا دور چل رہا ہے، ان کے پاس ایک گانے والا بھی تھا جس کا نام زاذان تھا جو بانسری بجانے اور انتہائی پیارے لہجے میں

نغمہ سرا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آواز کس قدر پیاری ہے کاش اس سے قرآن پڑھا جائے تو اور بھی پیاری معلوم ہو، پھر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنے سر پر چادر ڈال کر آگے بڑھ گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی گفتگو زاذان نے بھی سن لی۔ اس نے پوچھا: وہ کون تھے؟ اور کیا فرما رہے تھے، لوگوں نے کہا: وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، فرما رہے تھے کہ یہ آواز کس قدر پیاری ہے۔ کاش! اس سے قرآن پڑھا جاتا تو اس میں چار چاند لگ جاتے۔ یہ سن کر زاذان بڑا متاثر ہوا اور اس کے دل پر دہشت چھا گئی۔ فوراً کھڑا ہوگیا۔ بانسری زمین پر پٹخ دی اور اسے توڑ ڈالا، پھر دوڑ کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس اس حال میں پہنچا کہ رومال اپنی گردن میں باندھ رکھا تھا گویا وہ قیدی ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اسے گلے لگا لیا اور دونوں رونے لگے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس سے کیوں محبت نہ کروں جس سے اللہ نے محبت فرمائی ہے، پھر زاذان نے ساز وغیرہ بجانے سے توبہ کی اور گانا بجانا بالکل چھوڑ دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت میں دن رات رہنے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے قرآن حکیم سیکھنے کے علاوہ کافی علم حاصل کر لیا حتی کہ علومِ شریعت کا امام بن گیا۔"(۱)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر توبہ سے محرومی کے مذکورہ بالا تمام اسباب کا سد باب کر لیا جائے تو بہت جلد بیداری نصیب ہوسکتی ہے۔ یہ بیداری انسان کو راہِ ہدایت کی تلاش میں لگا دیتی ہے۔ نتیجۃً انسان اللہ کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے اور اس کی بارگاہِ الٰہی میں توبہ و استغفار کر کے اپنی بقیہ زندگی نیکی اور تقوی کے ساتھ بسر کرنے کا عزم مصمم کرتا ہے۔ قارئین آیئے! آج ہی ہم صدقِ دل سے ایسی توبہ کریں کہ جو ہماری زبان سے نکلتے ہی ہمارے قلب و روح کی گہرائیوں میں اتر جائے اور ہماری اگلی زندگی کی کایا پلٹ کر رکھ دے۔

---

(۱) عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین: ۳۳۸، ۳۳۷

توبہ میں استقامت کا طریقہ اور انبیاء علیہم السلام و صالحین کا معمول

اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی توبہ مقبول ہے جس پر انسان تمام عمر مضبوطی سے کاربند رہے۔قرآن و سنت،آثارِ صحابہ اور اقوالِ صلحاء میں توبہ کو برقرار رکھنے کے مختلف طریقے بیان ہوئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کا جو توبہ کے بعد استقامت کا دامن تھامے رکھتے ہیں ذکر کرتے ہوئے قران حکیم ارشاد فرماتا ہے:

الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَہُمْ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ط وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًاo(۱)

’’وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی وہ سنور گئے اورانہوں نے اللہ سے مضبوط تعلق جوڑ لیا اور انہوں نے اپنا دین اللہ کے لئے خالص کر لیا تو یہ مومنوں کی سنگت میں ہوں گے اورعنقریب اللہ مومنوں کوعظیم اجر عطا فرمائے گاo‘‘

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے توبہ میں استقامت کی تین شرائط بیان فرمائی ہیں:

ا۔ اصلاحِ زندگی (اَصْلَحُوْا)

صدقِ دل سے توبہ کرنے کے بعد تائب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی،غفلت،فسق و فجور اور گناہوں کو چھوڑ کر اطاعتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کے لئے اپنی زندگی وقف کردے۔توبہ کے بعد اگر زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئے تو سمجھ لیں کہ اس نے توبہ ہی نہیں کی۔

(۱) النساء، ۴: ۱۴۶

۲۔ تعلق باللہ (اعتَصِمُوْا بِاللّٰهِ)

اللہ کے سوا ہر غیر سے منہ پھیر کر صرف اور صرف اسی کی طرف متوجہ ہونا اور اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کو مقصدِ حیات بنا لینا توبہ کو قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ خالقِ کائنات سے تعلقِ حبی استوار کئے بغیر توبہ پر استقامت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ یہ کیفیت تبھی حاصل ہوسکتی ہے جب بندہ اللہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر محبت کرنے کو اپنا شعار بنالے۔

۳۔ اخلاصِ زندگی (اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ)

اخلاصِ زندگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو دین اسلام کے سانچے میں ڈھال لے، اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بندہ بن کر دل و جان سے اس سے محبت کرنے لگے اور اس کی طرف یوں متوجہ ہو کہ اس کی عبادت میں منہمک ہو جائے اور اس کے ساتھ تعلق اس طرح سے جوڑ لے کہ اسے یادِ الٰہی کے سوا کسی اور چیز میں لذت نہ ملے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خالص ہونے کا یہی مفہوم محبت کے باب میں بیان کرتے ہوئے حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ’’اللہ تعالیٰ نے دلوں کو جسموں سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور اپنے مقامِ قرب میں رکھا۔ اسی طرح جانوں کو دلوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرما کر اپنے مقام محبت میں رکھا، اس کے ساتھ باطن کو جانوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور اپنے مقامِ وصال میں رکھا اور ہر روز تین سو ساٹھ (۳۶۰) مرتبہ اپنے حسن کا جلوہ دکھایا۔ تین سو ساٹھ بار اپنی نظر سے سرفراز کیا اور کلمہ محبت سنایا اور تین سو ساٹھ لطائفِ اُنس اس پر ظاہر کئے حتی کہ کائنات پر نگاہ فرمائی تو اپنے سے زیادہ کسی کو اس کا اہل نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر باطن میں فخر و غرور پیدا ہوا تب اللہ تعالیٰ نے جسم، دل، جان اور باطن کا امتحان فرمایا اور ہر ایک کو آزمائش میں ڈال دیا۔ باطن کو جان میں قید کر دیا، جان کو دل میں اور دل کو جسم میں مقید کر دیا۔ پھر ان

سب کو عقل سے مرکب کیا اور ہر ایک کو منزل دے دی، دل کو قرب کی منزل، جسم کو نماز کی منزل، جان کو اپنی محبت کی منزل اور باطن کو اپنے وصال کی منزل دی۔ پھر انبیاء کرام علیھم السلام مبعوث فرمائے اور اپنے احکام بھیجے تو ہر نبی علیہ السلام اپنے اپنے زمانے میں اسی مقامِ وصال کا متلاشی ہوا۔‘‘(۱)

حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہما کے بیان کا خلاصہ یہ ہوا کہ جسم اللہ کی عبادت کے لئے، دل اللہ کے قرب کے لئے، جانیں اللہ کی محبت کے لئے اور باطن اللہ کے وصال کے لئے خالص ہو جائیں۔

حضرت رابعہ بصری علیھا الرحمۃ کا تعلق باللہ

وہ بندگانِ خدا جن کو اخلاص کی یہ دولت نصیب ہوتی ہے وہ عشقِ الٰہی میں اس قدر مست و بے خود ہوتے ہیں کہ انہیں دنیا کی کسی شے کی پرواہ نہیں رہتی، کوئی لالچ ان کے قدموں کو ڈگمگا نہیں سکتا، کوئی خوف ان کی گردنوں کو جھکا نہیں سکتا۔ ان کی کیفیت کا اندازہ حضرت رابعہ بصری علیھا الرحمۃ کی کیفیت تعلق باللہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ آپ معرفتِ الٰہی میں بلند مقام پر فائز تھیں۔ قرب خداوندی کا جو شرف آپ کو نصیب ہوا وہ خال ہی کسی اور کو میسر آیا ہے۔ حضرت رابعہ بصری علیھا الرحمۃ کے روز و شب اللہ کی بندگی میں گزرتے حتی کہ آپ غلامی کی زندگی میں بھی راتوں کو اٹھ کر عبادت کیا کرتی تھیں۔ ایک رات آپ کا مالک اٹھا اس نے دائیں بائیں دیکھا لیکن رابعہ بصری علیھا الرحمۃ کہیں بھی نظر نہ آئیں۔ ان کا مالک اندھیرے میں آگے گیا تو دیکھا، حضرت رابعہ بصری علیھا الرحمۃ حجرے کے ایک کونے میں سجدہ ریز اللہ کے حضور رو رو کر عرض کر رہی ہیں مولا! دل تو چاہتا ہے کہ ہر وقت تیرے حضور سجدے میں پڑی رہوں، مگر کیا کروں تو نے مجھے غیر کا محکوم بنا کر مجبور کر دیا ہے۔ جب ادھر سے فرصت ملتی ہے تو تیری بارگاہ میں آنا نصیب ہوتا ہے۔ اس طرح حاضری میں دیر ہو جاتی ہے کاش! مجھے اپنی بندگی کے لئے آزاد کیا ہوتا۔ یہ بات سن

(۱) علی ہجویری، کشف المحجوب: ۴۴۹

کر حضرت رابعہ بصری علیھا الرحمۃ کا مالک بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور آپ علیھا الرحمۃ کو آزاد کرتے ہوئے کہنے لگا کہ حق تو یہ تھا کہ تو مالکہ ہوتی اور میں غلام ہوتا۔ (۱)

معلوم ہوا کہ اللہ کے محبوب اور مقرب بندوں کے ہاں بندگی میں خالص ہونے کا معنی ہی کچھ اور ہے۔

آٹھ اَعمال، گناہوں کا کفارہ

توبہ میں استقامت کے بارے میں شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت سہل علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے:

''آٹھ اعمال ایسے ہیں جو کئے جائیں تو امید ہے کہ وہ سب گناہوں کا کفارہ بن جائیں گے اور معافی مل جائے گی۔ ان میں سے چار ظاہری اور چار قلبی اعمال ہیں، اعضائے ظاہر کے اعمال حسب ذیل ہیں۔''

دو رکعت نماز (نفل) ادا کرنا، پھر ستر بار استغفار کرنا اور یہ کلمہ سو بار کہنا:

سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَ بِحَمْدِهٖ۔

''اللہ عظمت والا اور اپنی حمد کے ساتھ پاک ہے۔''

اس کے بعد تائب کچھ صدقہ کر دے اور اس روز روزہ رکھے۔ کیونکہ

صدقة الليل تكفر ذنوب النهار و صدقة السر تكفر ذنوب الليل۔ (۲)

''رات کا صدقہ دن کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور پوشیدہ صدقہ رات کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔''

---

(۱) ابن عطار، تذکرہ الأولياء: ۵۰

(۲) أبو طالب مکی، قوت القلوت، ۱: ۳۸۷

قلبی اعمال حسب ذیل ہیں:

۱۔ تائب پورے اعتقاد سے خوب جم کر توبہ کرے۔

۲۔ گناہ دور کرنے کی سخت خواہش رکھے۔

۳۔ گناہ پر سزا سے بھی ڈرے۔

۴۔ اللہ سے مغفرت کی امید بھی رکھے۔ پھر حسنِ ظن اور صدقِ یقین کے ساتھ اللہ تعالٰی پر امید رکھے کہ وہ ضرور گناہ بخش دے گا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

من تاب عن ذنب و استقام سبع سنين لم يرجع إليه أبداً(۱)

’’جو گناہ سے توبہ کرے اور سات برس تک استقامت رکھے وہ گناہ کی طرف دوبارہ نہیں آئے گا۔‘‘

۴۔ اقامتِ صلوٰۃ

اللہ رب العزت خوب جانتا ہے کہ اس کے بندے غفلت میں مبتلا رہتے ہیں اس لئے ان پر نفسانی خواہشات اور دنیا کی غلامی سے بچانے کے لئے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اس طرح نمازِ پنجگانہ کے ذریعے ہر شخص ایک نماز سے دوسری نماز تک محاسبہ کرتا رہتا ہے اور اسی فکر میں رہتا ہے کہ کوئی گناہ سرزد نہ ہو جائے، وہ اپنے عمدہ محاسبۂ نفس کی بدولت شیطان کی گزرگاہوں کو بند کرتا ہے اور اس وقت نماز شروع کرتا ہے جب اچھی طرح توبہ اور استغفار کے ذریعے دل کی گرہیں کھول لے کیونکہ خلافِ شرع ہر کلمہ اور ہر حرکت اس کے قلب میں ایک سیاہ داغ ڈال دیتی ہے اور اس میں گرہ لگا دیتی ہے مگر محاسبہ کرنے والا نماز کے لئے اپنے باطن کو ضبطِ اعضاء کے ذریعے آمادہ کرتا ہے اور

(۱) أبو طالب مكی، قوت القلوب، ۱: ۳۸۳

مقامِ محاسبہ کو مستحکم کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کا نور دوسری نماز تک اس کے وقت کے تمام اجزاء کو روشن کرتا ہے۔

۵۔ مراقبۂ باطن

باطن کا مراقبہ اور نگہداشت دو عمدہ روحانی حال ہیں جو توبہ کے مقام کی درستی کے ساتھ درست رہتے ہیں اور ان کی تکمیل سے توبہ بھی قائم رہتی ہے لہٰذا محاسبہ، مراقبہ اور نگہداشت مقامِ توبہ کے لئے ضروری ہیں۔ مراقبہ کے معنی نگہبانی اور کسی چیز کی دیکھ بھال کرنے کے ہیں۔(۱)

مراقبہ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰىo(۲)

’’کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ (اس کے سارے کردار کو) دیکھ رہا ہے؟‘‘

حضرت ذالنورین مصری علیه الرحمة نے فرمایا:

’’ظاہر اور باطن میں اللہ تعالیٰ کو سامنے رکھنا مراقبہ کہلاتا ہے۔‘‘(۳)

شیخ مرتعش علیه الرحمة کا قول ہے کہ ہر لحظہ اور ہر لفظ میں حق کے مشاہدہ کے لیے باطن کی نگہداشت کا نام مراقبہ ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ۔(۴)

’’کیا وہ (اللہ) جو ہر جان پر اس کے اعمال کی نگہبانی فرما رہا ہے۔‘‘

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱:۴۲۴

(۲) العلق، ۹۶: ۱۴

(۳) غزالی، إحیاء العلوم الدین، ۴: ۳۹۷

(۴) الرعد، ۱۳: ۳۳

حضرت جنید علیہ الرحمۃ کا قول ہے: ''جس کی نگرانی درست ہو اس کی ولایت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔''

اس طرح شیخ واسطی علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا گیا کہ ''کون سا کام افضل ہے؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: افضل کام باطن کی نگہداشت ہے جو ظاہر کے محاسبہ اور باطن کے مراقبہ سے ہے ان میں سے ہر ایک کی دوسرے سے تکمیل ہوتی ہے اور ان دونوں سے توبہ قائم رہتی ہے۔''[۱]

مراقبہ کے ذریعے حال کی تکمیل اور اس کی کمی بیشی کا علم ہوتا ہے۔ یہ علم اللہ کے ساتھ تعلق کا معیار بھی متعین کرتا ہے، مراقبہ ایسی چیز ہے جس کے ذریعے برے تصورات کا قلع قمع ہوتا ہے۔ اس کی تکمیل سے توبہ کی تکمیل ہوتی ہے اور جو چیز مراقبہ سے چھوٹ جائے اس کی تلافی محاسبہ کرتا ہے۔

٦۔ محاسبۂ نفس

توبہ برقرار رکھنے کے لئے محاسبۂ نفس کی ضرورت ہے۔ محاسبہ کے ذریعے توبہ میں استقامت نصیب ہوتی ہے اور نفسانی خواہشات سے نجات ملتی ہے۔ امام ترمذی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں:

حَاسبُوا أنفسكُمْ قَبْلَ أن تحاسَبُوا، و تزيّنُوا لِلْعَرْض الْأَكْبرِ، وَإِنَّمَا يَخفُّ الحِساب يَوْمَ القِيَامَة على من حَاسبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا۔[۲]

''اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور بڑی پیشی کے لے تیار ہو جاؤ، قیامت کے دن اس آدمی کا حساب آسان ہوگا جس نے

---

(۱) سہروردی، عوارف المعارف: ۶۴۱

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ أوانی الحوض، ۴: ۲۴۶، ۲۴۷، رقم: ۲۴۵۹

دنیا میں ہی اپنا حساب کر لیا۔‘‘

سالک کے لئے ضروری ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے ایسا محاسبۂ نفس کرے کہ توبہ النصوح کا حق ادا ہو جائے۔

۷۔ مجاہدۂ نفس

جو کوئی اپنے محاسن و عیوب کو صدق و اخلاص کے ترازو میں نہ تولے وہ مردِ کامل کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا اعمال کی خامیوں کو ملاحظہ کرتے رہنا صحیح توبہ کے لئے ضروری ہے اور توبہ اس وقت تک درست نہیں ہوسکتی جب تک سچے دل سے مجاہدہ نہ کیا جائے۔ مجاہدہ کے متعلق حضور سیدنا غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> ’’جب تم شمشیرِ مخالفت سے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے اس پر غلبہ پا کر اس کو قتل کر دو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ اس لئے زندہ کر دے گا کہ وہ تم سے جھگڑتے ہوئے حرام و حلال، شہوات و لذات کا مطالبہ کرے اور تم سابقہ طریقے سے پھر اس سے مجاہدہ کرو تاکہ تمہیں دائمی اجر حاصل ہو جائے۔‘‘(۱)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ. (۲)

---

(۱) عبد القادر جیلانی، فتوح الغیب: ۲۰

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب فضائل الجهاد عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء فی فضل من مات مرابطاً، ۳: ۲۶۴، رقم: ۱۶۲۱

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۲، رقم: ۲۴۴۶۵

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰، ۴۸۴، رقم: ۴۶۲۴

’’مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔‘‘

حضور سیدنا غوثِ اعظم عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ’’فتوح الغیب‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’جو بندہ تادمِ مرگ ہمیشہ مجاہدے پر قائم رہتا ہے اور نفس و خواہش کی خون آلود تلوار کے ساتھ اپنے رب سے جا ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ضامنِ جنت بن جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ بندے کو داخلِ جنت کر دیتا ہے تو جنت کو اس کا مکان، ٹھکانا اور لوٹنے کی جگہ بنا دیتا ہے اور اس کو جنت سے پلٹنے یا کسی دوسری جگہ منتقل ہونے سے محفوظ کر دیتا ہے اور اس کو ہر روز، ہر لمحہ انواع و اقسام کی نعمتوں سے سرفراز کر کے مختلف اقسام کے جدید لباس و زیورات سے آراستہ و پیراستہ فرما دیتا ہے جن کی نہ تو کوئی حد متعین ہے اور نہ کبھی ان کا اختتام ہوتا ہے کیونکہ بندۂ مومن بھی دنیا میں ہر ساعت خواہشِ نفس کے مجاہدے میں جدت پیدا کیا کرتا تھا۔‘‘(۱)

۸۔ معمولِ اِستِغفار

دو چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش میں لاکر عذاب کو روک لیتی ہیں۔ اور اگر اللہ کے غضب کی آگ بھڑک رہی ہو تو اسے بھی بجھا دیتی ہیں ایک حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس اور دوسری چیز گنہگار بندوں کی توبہ و استغفار۔ قرآن حکیم میں اللہ رب العزت ان کے متعلق یوں بیان فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝(۲)

(۱) عبد القادر جیلانی، فتوح الغیب: ۱۲۰، ۱۲۱

(۲) الانفال، ۸: ۳۳

’’اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں، اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوںo‘‘

مسلسل اور لگاتار استغفار کرنے کی اہمیت متعدد مقامات پر احادیثِ مبارکہ میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا:

مَا أَصَرَّ مَن اسْتَغْفَرَ، وَلَوْ فَعَلَهُ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً(۱)

’’بخشش مانگنے والا گناہ پر مصر نہیں کہلاتا اگرچہ دن میں ستر مرتبہ (نادانستہ طور پر) گناہ کرے۔‘‘

(۱) توبہ و اِستغفار میں تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول

ذیل میں چند ایسے کلماتِ استغفار بیان کئے جاتے ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات میں سے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کلمات کو ہر روز پڑھنے کی تاکید بھی فرمائی:

۱۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے اہل خانہ سے اکثر غصہ میں زبان درازی کر جاتا ہوں لیکن یہ زبان درازی دوسروں سے نہیں ہوتی۔ میں نے اس کا ذکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَيْنَ أَنْتَ مِنَ الإِسْتِغْفَارِ؟ تَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب فی فضل التوبة والاستغفار، ۵: ۵۲۳، رقم: ۳۵۵۹

۲۔ أبوداؤد، السنن، کتاب صلوٰة السفر، باب في الاستغفار، ۱: ۵۶۱، رقم: ۱۵۱۴

(۲) ۱۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الأدب، باب الإستغفار، ۴: ۲۹۳، رقم: ۳۸۱۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۹۸، رقم: ۲۳۷۶۳

''تم اِستغفار کیوں نہیں کرتے؟ تم ہر روز دن میں ستر بار استغفار کرلیا کرو۔''

۲۔ حضرت اعز مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي. وَ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ، فِي الْيَوْمِ، مِائَةَ مَرَّةٍ(۱)

''میرے دل پر کبھی (اَنوار کے غلبہ سے) اَبر چھا جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں سو مرتبہ اِستغفار کرتا ہوں۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کے کثرتِ استغفار کے بارے میں سیدنا غوث الاعظم عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کو ایک حال سے دوسرے حال کی جانب منتقل کیا جاتا رہتا تھا اور آپ ﷺ کو منازل قرب اور غیب کے میدانوں کی سیاحت بھی کرائی جاتی تھی اور آپ ﷺ کی نورانی خلعتیں بھی تبدیل ہوتی رہتی تھیں اس وقت آپ ﷺ یہ محسوس فرمایا کرتے تھے کہ پہلی حالت سے دوسری حالت میں ترقی کے وقت کوتاہی سرزد ہوئی ہے اسی وجہ سے آپ کو استغفار کی ہدایت فرمائی جاتی تھی۔''(۲)

۳۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ تو کہے:

اللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِي وَ أَنَا عَبْدُكَ، وَ أَنَا عَلَى

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الذكر و الدعا و التوبة و الاستغفار، باب استحباب الاستغفار و الاستكثار منه، ۴: ۲۰۷۵، رقم: ۲۷۰۲

۲۔ أبو داوٗد، السنن، كتاب الصلوٰة، باب فى الاستغفار، ۱: ۵۶۱، رقم: ۱۵۱۵

(۲) عبدالقادر جيلانی، فتوح الغيب: ۱۷

عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَ أَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي فَاغْفِرْلِي، فَإِنَّهُ لا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ. قَالَ: وَ مَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوقِنًا بِهَا، فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ قَبْلَ أَنْ يُمْسِيَ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ، وَ مَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَ هُوَ مُوْقِنٌ بِهَا، فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ (۱)

’’اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تونے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور جو تجھ سے عہد و وعدہ کیا اس پر اپنی بساط بھر قائم ہوں۔ اپنے اعمال کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جن نعمتوں سے تو نے مجھے نوازا ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں پس مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کو کوئی معاف نہیں کرسکتا۔ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی اس پر یقین رکھتے ہوئے دن میں ایسا کہے اور پھر شام ہونے سے پہلے مر جائے تو وہ جنتی ہے اور جو یقین رکھتے ہوئے رات کو یہ کلمات کہے اور صبح ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ جنتی ہے۔‘‘

۴۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي خَطِيْئَتِي وَ جَهْلِي، وَ إِسْرَافِي فِي أَمْرِي كُلِّهِ، وَ مَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي. اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي خَطَايَايَ، وَ عَمْدِي وَ جَهْلِي وَ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الدعوات، باب أفضل الاستغفار، ۵: ۲۳۲۳، ۲۳۲۴، رقم: ۵۹۴۷

۲۔ ابو داؤد، السنن، کتاب الأدب، باب ما یقول إذا أصبح، ۴: ۳۵۱، رقم: ۵۰۷۰

هَزْلِي، وَ كُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِي. اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَ مَا أَخَّرْتُ، وَ مَا أَسْرَرْتُ وَ مَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ أَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، وَ أَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ۔(۱)

’’اے اللہ! میری خطا، جہل اور کام میں کمی بیشی کو معاف فرما دے جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ اے اللہ! میری خطائیں معاف کردے خواہ وہ دانستہ، نادانستہ یا ہنسی مذاق میں کی ہوں کیونکہ وہ سب میری جانب سے ہے۔ اے اللہ! میں نے جو پہلے کیا اور جو بعد میں کروں، جو چھپایا اور جو ظاہر کیا۔ سب کو معاف فرمادے تو ہی اول، تو ہی آخر ہے اور تو سب کچھ کرسکتا ہے۔‘‘

۵۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من قال حِينَ يَأْوِي إلى فِرَاشه: اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هو الحيُّ القَيُّوْمُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللّٰهُ ذُنُوبَهُ وَ إِن كَانَتْ مِثْلَ زَبدِ الْبَحْرِ، وَ إِن كَانَتْ عَدَدَ وَرَقِ الشَّجَرِ، وَ إِن كَانَتْ عَدَدَ رَمْلِ عَالجٍ، وَ إِن كَانَتْ عَدَدَ اَيَّامِ الدُّنْيَا۔(۲)

’’جو شخص بستر پر جاتے وقت **اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هو الحيُّ القَيُّوْمُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ** (اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے، قائم رکھنے والا ہے۔ میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں) تین مرتبہ

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الدعوات، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اللهم اغفرلي ما قَدَّمَتُ وَ مَا أَخَّرتُ، ۵: ۲۳۵۰، رقم: ۶۰۳۵

(۲) ا۔ ترمذی، السنن، أبواب الدعوات، باب ما جاء فی الدعاء إذا أوَى إلى فِرَاشِهِ، ۵: ۴۰۳، رقم: ۳۳۹۷

۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۶۹۲، رقم: ۱۸۸۴

کہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخشش دیتا ہے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ، درختوں کے پتوں، باہم ملی جلی ریت (کے ذرات) اور دنیا کے دنوں کے برابر ہوں۔‘‘

۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوا وَإِذَا أساؤُا اسْتَغْفَرُوْا۔(۱)

’’اے اللہ! مجھے اُن لوگوں میں سے کر دے کہ جب وہ نیک کام کریں تو خوش ہوں اور جب کوئی گناہ کریں تو مغفرت طلب کریں۔‘‘

۷۔ ایک اور مقام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے دن قریب آ گئے تو آپ ﷺ یہ دعا بکثرت فرماتے تھے:

سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ ۔(۲)

’’اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کے ساتھ میں اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔‘‘

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ بکثرت یہ کلمات (سبحان الله ......اليه) پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے میرے پروردگار نے خبر

---

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الأدب، باب الاستغفار، ۴: ۲۹۴، رقم: ۳۸۲۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۲۹، رقم: ۲۵۴۹۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب ما يقال في الركوع و السجود، ۱: ۳۵۰، ۳۵۱، رقم: ۴۸۴

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۳۲۳، رقم: ۶۴۱۱

دی ہے کہ میں عنقریب اپنی امت میں ایک نشانی دیکھوں گا اور جب میں اس نشانی کو دیکھ لوں تو کثرت سے یہ پڑھوں، اور میں نے اب وہ نشانی دیکھ لی اور وہ یہ ہے۔‘‘

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَ الْفَتْحُo وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًاo فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ط اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًاo(۱)

’’جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچےo اور آپ لوگوں کو دیکھ لیں (کہ) وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیںo تو آپ (تشکراً) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح فرمائیں اور (تواضعاً) اس سے استغفار کریں، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا (اور مزید رحمت کے ساتھ رجوع فرمانے والا) ہےo‘‘

(۲) توبہ و اِستغفار اور انبیاء کرام وصلحاء عظام کے معمولات

علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے بڑے اولیاء اللہ اور اکابرین علیہ الرحمۃ کے بھی یہ معمولات تھے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہتے تھے۔ ان میں سے چند جلیل القدر ہستیوں کے معمولات درج ذیل ہیں:

❁ حضرت یحیٰی علیہ السلام کا معمول

حضرت یحیٰی علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی تھے۔ آپ علیہ السلام بچپن ہی سے اللہ کی بارگاہ میں کثرت سے معافی مانگتے اور گریہ و زاری کرتے رہتے تھے۔ جب کبھی اللہ کا ذکر یا عذاب وحساب کی بات سنتے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو برسات کی طرح بہنے لگتے اور اس قدر زار و قطار روتے کہ کھانا، پینا کئی کئی دن تک چھوٹ جاتا آپ علیہ السلام کے والد گرامی حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی کثرتِ بکاہ اور گریہ و زاری کو دیکھ کر یہ معمول بنا لیا تھا کہ وہ اپنی مجلس میں وعظ کے لئے بیٹھے ہوتے تو معافی، آخرت میں عذاب اور حساب و کتاب کا ذکر نہیں کرتے تھے اور صرف اللہ کی رحمت، بخشش اور جنت ہی کی بات کرتے تھے۔

---

(۱) النصر، ۱۱۰: ۱۔۳

ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام چھپ کر ستون کے پیچھے بیٹھ گئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کے مجلس میں موجود ہونے کا علم نہ تھا لہٰذا انہوں نے دوزخ، بخشش اور مغفرت کی بات چھیڑ دی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام اس قدر زار و قطار روئے کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ باپ کو پتہ چلا تو اٹھا کر گھر لے گئے لیکن حضرت یحییٰ علیہ السلام زار و قطار روتے رہے۔ بالآخر گھر سے باہر نکل گئے اور پہاڑوں پر جا پہنچے اور ایک پتھر کے اوپر سجدے میں گر گئے تین دن اور تین راتیں مسلسل خدا کے حضور معافی مانگتے اور گریہ و زاری کرتے رہے اس دوران میں آپ کے والدین ماجدین آپ کو تلاش کرتے کرتے ان پہاڑوں کی طرف آ نکلے وہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا! کیا تو نے اس عمر کا معصوم خوبصورت بچہ دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگا میں نے اس عمر کا کوئی بچہ تو نہیں دیکھا مگر اتنی بات ضرور ہے کہ آج تیسرا دن ہے اور اس غار سے کسی بچے کی دھاڑیں مار مار کر رونے کی آواز آتی ہے جس کی وجہ سے میری بکریاں اس غار کے دھانے پر کھڑی ہو کر اس کا رونا سنتی رہتی ہیں، اس کے رونے میں اتنا درد ہے کہ میری بکریوں نے بھی چرنا چھوڑ دیا ہے جس پر میں خود پریشان ہوں۔ خدا جانے وہ کون ہے؟ یہ بات سن کر حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والدین سمجھ گئے کہ اس حالت میں رونے والا بچہ یحییٰ علیہ السلام ہی ہو سکتا ہے۔ وہ فوراً غار کے اندر گئے، حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سجدے سے سر اٹھا لیا۔ آنکھیں بند تھیں موت کا اس قدر دھیان تھا کہ آپ علیہ السلام سمجھے شائد ملک الموت روح قبض کرنے کے لئے آ گیا ہے۔ آپ علیہ السلام اسی حالت میں فرمانے لگے: اگر تم ملک الموت ہو تو مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو تاکہ میں اپنے والدین سے معافی مانگ آؤں۔ تب آپ کی والدہ نے فرمایا: ''بیٹا میں کوئی اور نہیں تمہاری ماں ہی تو ہوں'' ماں کی ممتا سے معصوم بچے کو اس حال میں دیکھ کر نہ رہا گیا اور فرمانے لگیں: بیٹا تم اتنا کیوں روتے ہو؟ حالانکہ تم ابھی معصوم بچے ہو اس عمر میں اللہ تعالیٰ کے خوف میں اس طرح رونے کی کیا وجہ ہے؟ اس پر یحییٰ علیہ السلام اپنی والدہ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ امی جان! اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو جائے اور مجھے مستحقِ عذاب قرار دیتے ہوئے جہنم میں

ڈالنے کا فیصلہ صادر فرمادے تو کیا آپ اس دن مجھے اس عذابِ الٰہی سے بچا لیں گی؟ ان کی والدہ نے فرمایا: نہیں بیٹے! میں تو نہیں بچا سکوں گی۔ اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: امی جان! اگر اس دن اللہ کے عذاب سے بچانے کی استطاعت نہیں ہے تو آج مجھے اللہ کے خوف میں رونے سے کیوں روکتی ہیں؟ جب ماں نے یہ الفاظ سنے تو اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا اور پیار کرکے گھر لے گئیں اور کھانا کھلا کر سلا دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ نیند کی حالت میں غیب سے آواز آئی یحییٰ! اب آخرت اور ہماری یاد کو بھول گیا ہے اور تجھے آرام کی نیند آ گئی ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام فورًا اٹھ گئے اور جنگلوں کی طرف بھاگ گئے۔ اس کیفیت کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت محمد بخش رحمہ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

درد منداں نوں تانگ سجن دی ستیاں آن جگاوے

یہ واقعہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بچپن کا ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ والوں کی زندگیاں کس طرح معافی مانگنے، اللہ کے حضور گڑگڑانے اور خوفِ الٰہی میں بسر ہوئیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی کیفیت کا یہی رنگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں پر غالب تھا۔ چنانچہ ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جسے بھی دیکھیں وہ خوفِ الٰہی کا پیکر نظر آتا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خوفِ الٰہی میں اتنا روتے کہ ان کے مقدس رخساروں پر آنسوؤں کے ہر وقت بہتے رہنے سے سیاہ نشان پڑ گئے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ تین تین دن تک بے ہوش پڑے رہتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی عیادت کے لئے آیا کرتے۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی گریہ و زاری

تبع تابعین میں سے ایک بہت بڑے ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حرمِ کعبہ میں رات کے پچھلے پہر لوگ مصروفِ طواف تھے، کچھ لوگ سجدے کر رہے تھے اور کچھ عبادت میں مگن

تھے، اس اثناء میں ایک شخص چہرے پر کپڑا اوڑھے پچھلی رات کے اندھیرے میں مقام ملتزم پر رو رو کر اللہ کے حضور عرض کر رہا تھا: اے میرے مولا! کائنات میں تیری زمین پر ریت کے اتنے ذرّے نہیں جتنے میرے گناہ ہیں، سمندروں میں پانی کے اتنے قطرے نہیں جتنے میرے گناہ ہیں، درختوں کے اتنے پتے نہیں جتنے میرے گناہ ہیں، اے مولا! کائنات میں اول سے آخر تک اس قدر عدد تیری مخلوق کا نہیں جتنا عدد میرے گناہوں کا ہے، زمین و آسمان کی اتنی وسعت نہیں جتنے میرے گناہ ہیں، اے مولا! تو مجھے معاف کر دے۔ تابعی بزرگ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ساری رات بیت گئی اور وہ اللہ کا بندہ دھاڑیں مار مار کر روتا رہا۔ اس کی چیخ و پکار سن کر ہر شخص کا جگر پھٹا جا رہا تھا۔ فضاؤں میں رونے کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی، ہر سو سسکیاں تھیں، فجر کا وقت قریب ہوگیا تابعی بزرگ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ وہ شخص غلافِ کعبہ پکڑ کر اس قدر رویا کہ مجھے ترس آ گیا۔ میں رونے والے کے پاس گیا۔ اس کا دامن پکڑا اور اللہ سے عرض کیا: مولا! یہ کوئی بڑا گنہگار، بڑا دکھی شخص ہے میں بھی تجھے تیری رحمت کا واسطہ دیتا ہوں اور میں اپنی نیکیاں اس شخص کو دیتا ہوں تو اس گنہگار کو بخش دے۔ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص زار و قطار روتا رہا۔ بالآخر میں نے اس کا کپڑا پکڑا اور کہا: اے گنہگار! اپنے گناہوں پر اتنا رونے والے! ذرا کپڑا ہٹا کر چہرہ تو دکھا کہ تو ہے کون؟ میں بھی اللہ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے بخش دے۔ تابعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں جب میں نے کپڑا اٹھایا تو ساری رات زار و قطار رونے والے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ تھے ان کو دیکھنے کے بعد مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا اور میں رو کر عرض کرنے لگا: مولا! اگر ان لوگوں کا یہ حال ہے تو ہمارا حال کیا ہوگا؟

اسی طرح اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، صلحاء و اولیاء اور دیگر برگزیدہ لوگوں کی زندگیوں میں خوفِ الٰہی کی کیفیات کا بغور مطالعہ کریں اور ان کے واقعات کو چشمِ تصور میں لائیں تو شرم و ندامت سے پانی پانی ہو جائیں کہ اس قدر عظیم ہستیاں جن کی زندگی کا ہر ہر لمحہ یادِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی میں گزرتا ہے مگر پھر بھی مخلوق کے سامنے مجرم و خطا کار کی طرح رہتے ہیں۔

امامِ اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی گریہ و زاری

امامِ اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی گریہ و زاری اور معافی مانگنے کا بھی عجب معمول تھا۔ تبع تابعین کے دور کے ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں کوفہ کی جامع مسجد میں اس ارادے سے رات بسر کرنے آیا کہ دیکھوں امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی شب بیداری کیسی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ نمازِ عشاء پڑھنے کے بعد امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ گھر گئے۔ دن کو جو عالمانہ لباس پہنا ہوا تھا تبدیل کرکے اللہ کے حضور پیش ہونے کے لئے غلامانہ لباس پہن آئے اور مسجد کے کونے میں کھڑے ہوگئے، ساری رات اپنی داڑھی کھینچتے رہے اور عرض کرتے رہے مولا! ابو حنیفہ تیرا مجرم ہے۔ اسے معاف کردے، حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ وہ رو رو کر بے ہوش ہو جاتے جب ہوش آتا تو عرض کرتے مولا! اگر قیامت کے دن ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ بخشا گیا تو بڑے تعجب کی بات ہوگی۔

حضرت امام عبد اللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ کی گریہ و زاری

حضرت امام عبد اللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ کی سفید داڑھی تھی وہ اس کو پکڑ کر اللہ کے حضور روتے تھے اور عرض کرتے تھے ''اے مولا! عبد اللہ بن مبارک کے بڑھاپے پر رحم فرما'' وہ ہر وقت معافی مانگتے رہتے تھے۔ ایک روایت منقول ہے کہ حضرت امام حسن بصری علیہ الرحمۃ اور بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ جب درج ذیل آیت کریمہ پڑھتے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ○ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ○(۱)

''بیشک نیکوکار جنتِ نعمت میں ہوں گے○ اور بیشک بدکار دوزخِ (سوزاں) میں ہوں گے○''

تو حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ رو رو کر بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش میں

(۱) الانفطار، ۸۲: ۱۳، ۱۴

آئے تو کہا معلوم نہیں کہ ہمارا شمار کن لوگوں میں ہوگا؟

یہ اللہ کے ان مقبول بندوں کی حالت ہے جن کی ساری زندگیاں بندگی اور اطاعت میں گزریں لیکن ادھر ہماری حالت یہ ہے کہ نہ بندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ خوف کا احساس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم بہت ظالم، غافل اور گنہگار ہیں، ہماری زندگیوں کے شب و روز بغاوت، سرکشی، لالچ اور طلبِ دنیا جیسے شیطانی پھندوں میں الجھے ہوئے ہیں، ہم اپنے نفس کے اسیر ہیں، ان لوگوں کی بندگی اور خوفِ الٰہی کی یہی کیفیت انہیں حیات جاوداں عطا کرگئی۔ ان کے علم وعمل کے تذکرے رہتی دنیا تک رہیں گے کہ انہوں نے علم کو اعمالِ صالحہ کے خوبصورت سانچوں میں ڈھالا اور تقوی کے پروقار لباس میں ملبوس کیا۔ یہی وجہ ہے کہ علم و اخلاص اور عملِ صالحہ کی خیرات کے طالب انہی ہستیوں کی تقلید میں ان کے بحرِ علم سے نا صرف آج بھی فیضیاب ہو رہے ہیں بلکہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

اہل اللہ کے ان واقعات سے سبق سیکھ کر ہمیں بھی ہر وقت اللہ سے معافی مانگتے رہنا چاہئے کیونکہ اسی سے نفس اور قلب کی اصلاح ہوتی ہے، اسی سے ظاہر اور باطن کے احوال درست ہوتے ہیں اور توبہ میں استقامت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر لطف وکرم فرمائے اور ہمیں ہر لحظہ اپنے حضور معافی مانگتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے!

۹۔ برائی کے بعد نیکی کرنا

تائب کے لئے توبہ کو برقرار رکھنے کا دوسرا عمل یہ ہونا چاہئے کہ وہ توبہ کرنے کے بعد برائیوں کی مقدار کے برابر نیکیاں کرے کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ (۱)

''بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔''

(۱) ہود، ۱۱: ۱۱۴

کراماً کاتبین فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نیکی لکھنے میں جلدی کرتے ہیں۔ جبکہ برائی لکھنے میں دیر کرتے ہیں۔ اور اگر بندہ گناہ کرنے کے بعد نیکی کر لے تو وہ گناہ نیکی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صاحب اليمين أمين على صاحب الشمال فإذا عمل العبد بحسنة كتبها بعشر أمثالها، و إذا عمل سيئة و أراد صاحب الشمال أن يكتبها. قال له صاحب اليمين أمسك عنها، فيمسك عنها، فإن استغفر الله لم يكتب و إن سكت كتبت عليه(۱)

''دائیں جانب والا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتے پر امین ہے جب بندہ ایک نیکی کرتا ہے تو (دائیں جانب والا فرشتہ اسے بجائے ایک کے) دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب کوئی ایک برائی کرتا ہے اور بائیں طرف کا فرشتہ اسے لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو دائیں طرف کا فرشتہ اسے ٹھہر جانے کا حکم کرتا ہے یہ فرشتہ ٹھہرا رہتا ہے اور اسے نہیں لکھتا پھر اس عرصہ میں اگر بندہ اس برائی سے توبہ کر لیتا ہے تو فرشتہ کچھ نہیں لکھتا اور اگر توبہ نہیں کرتا تو ایک برائی لکھ لیتا ہے۔''

بے شک نیکیاں گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں اور برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إذا تاب العبد من ذنوبه أُنسى الله عزوجل حفظته و ذنوبه و أُنسى ذلك جوارحهٗ و معالمه من الأرض حتى يلقى الله يوم القيامة و ليس عليه شاهد من الله بذنب۔(۲)

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۸: ۲۴۷، رقم: ۷۹۷۱
۲۔ بيهقی، شعب الإيمان، ۵: ۳۹۰، رقم: ۷۰۴۹

(۲) منذری، الترغيب و الترهيب، ۴: ۹۴، ۹۵، رقم: ۱۷

’’جب بندہ توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے تو اللہ تعالی کراماً کاتبین کو اس کی برائیاں بھلا دیتا ہے (یعنی بندے کی برائیاں انکو یاد نہیں رہتیں اور وہ اعضاء بھی جن سے گناہ کئے تھے گناہوں کو بھول جاتے ہیں) اور وہ جگہ بھی گناہوں کو بھول جاتی ہے جہاں گناہ کئے تھے یہاں تک کہ بندہ قیامت کے دن اس حال میں آتا ہے کہ اس کے گناہ پر کوئی گواہ نہیں ہوتا۔‘‘

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنھما نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا عَمِلْتَ السَّيِّئَةَ فَاعْمَلْ بِجَنْبِهَا حَسَنَةً، السِّرُّ بِالسِّرِّ، و العَلَانِيَة بِالْعَلَانِيَةِ۔ (1)

’’جب تو کوئی برا عمل کر بیٹھے تو اس کے بعد ایک نیکی کر، پوشیدہ (برائی) کے بدلے پوشیدہ (نیکی) اور اعلانیہ (برائی) کے بدلے اعلانیہ (نیکی) کر۔‘‘

الغرض اگر کوئی شخص ہر برائی کے بعد نیکی کا عمل پختہ کر لے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے بندے کو صالحین میں داخل فرما دیتا ہے ارشاد فرمایا:

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ۝ (2)

’’اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے تو ہم انہیں ضرور نیکو کاروں (کے گروہ) میں داخل فرما دیں گے۝‘‘

---

(1) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۹۹، ۱۰۰، رقم: ۳۴۳۱۴

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۱۷۵، رقم: ۳۷۴

(2) العنكبوت، ۲۹: ۹

۱۰۔ فضول کاموں سے بچنا

توبہ کو خالص کرنے کے لئے فضول اور بے مقصد کاموں سے بچنا ضروری ہے۔ شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تائب کو درج ذیل چھ فضولیات سے الگ رہنا چاہیے:

۱۔ فضول کلام کرنا
۲۔ فضول نظر بازی کرنا
۳۔ فضول چلنا
۴۔ فضول کھانا
۵۔ فضول پینا
۶۔ فضول پہننا[۱]

حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ فضول کاموں سے اجتناب کے بارے میں فرماتے ہیں:

من خالط الناس داراهم، و من داراهم راباهم، و من راباهم وقع فيما وقعوا فهلك كما هلكوا۔[۲]

’’جو لوگوں سے اختلاط کرے گا وہ ان کی مدارت کرے گا اور جو ان کی مدارت کرے گا وہ اس کے سامنے دکھاوا کرے گا آخر میں وہ اس میں پڑے گا جس میں وہ پڑے چنانچہ جیسے وہ برباد ہوئے یہ بھی برباد ہوگا۔‘‘

۱۱۔ صلحاء و صالحین کی صحبت اختیار کرنا

صحبت سے نیک اور بد دونوں اثرات مرتب ہوتے ہیں اس لئے لازم ہے کہ ابتداء سے ہی نیکوکاروں کی صحبت اختیار کی جائے۔ شیخ ابو بکر تلمستانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

---

(۱) أبو طالب مكی، قوت القلوب، ۱: ۳۷۰
(۲) أبو طالب مكی، قوت القلوب، ۱: ۲۰۵

''اللہ کے ساتھ رہو اگر تمہارے اندر اس کی طاقت نہیں تو ان لوگوں کی صحبت میں رہو جو اہل اللہ کے ہم صحبت ہیں تا کہ ان کی صحبت کی برکت تمہیں اللہ کی صحبت میں پہنچادے۔''(۱)

کسی نے حضرت یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا کہ توبہ کو کیسے قائم رکھا جا سکتا ہے؟ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: انسان اپنی عمر میں دو دنوں کے درمیان ہے ایک گزشتہ اور ایک آئندہ کا دن، ان دونوں کو تیسری چیز حال یعنی آج کے دن سے درست کرے گزشتہ دن پر ندامت کرے، بخشش چاہے، آئندہ دن کو برائیوں اور برے لوگوں سے جدا رکھے، سالکین کی مصاحبت کرے، اہلِ ذکر کی ہم نشینی اختیار کرے، ہمیشہ خالص غذا کھائے اور عمل کو لازم پکڑے۔''(۲)

اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی تائبین کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے حضرت عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جالسوا التوّابين فإنهم أرق شيء أفئدة۔(۳)

''توبہ کرنے والوں کے پاس نشست رکھو یعنی ان کی صحبت اختیار کرو اس لئے کہ ان کے دل سب سے زیادہ رقیق ہوتے ہیں۔''

روایات میں ہے کہ صالحین اور متقین کی صحبت کے فیض سے بڑے بڑے گنہگار ولایت کے بلند مقام پر فائز ہوئے۔

توبہ کو برقرار رکھنے کے مذکورہ بالا معمولات کو اگر ہم اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں اور اپنی طبیعت کو ان کا عادی بنا لیں تو ایسی نیک عادت عبادت بن جاتی ہے۔ اسی طرح

---

(۱) سهروردی، عوارف المعارف: ۵۸۸

(۲) أبو طالب مكي، قوت القلوب، ۱: ۳۷۰

(۳) ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۱۱۶، رقم: ۳۴۴۵۴

ان معمولات کو لگاتار اور مسلسل کرتے رہنے سے نہ صرف توبہ قائم رہتی ہے بلکہ آئندہ کی زندگی اللہ رب العزت کی اطاعت و فرمانبرداری کے رنگ میں رنگ کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جاتی ہے۔

موت سے قبل صلحاء کا عملِ توبہ

سلف صالحین علیہم الرحمۃ جب بیمار ہوتے تو ان کے دل ہر مرض میں اس خوف سے گھبراتے تھے کہ کہیں ان کی موت کا آخری وقت نہ ہو، ایسا ہی خوف رکھنے والے سلفِ صالحین میں سے چند کے احوال درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک مرتبہ حضرت حسان بن منان علیہ الرحمۃ بیمار ہوگئے۔ ان کے دوست عیادت کو آئے اور حال دریافت کرنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں جہنم کی آگ سے بچ جاؤں تو اچھا ہوں۔ پھر انہوں نے دریافت کیا آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: مرنے سے پہلے ایک لمبی رات مل جائے جس کو نماز اور استغفار ہی میں تمام کروں۔

۲۔ کسی نے حضرت رابعہ بصری علیہا الرحمۃ سے سوال کیا، بغیر کسی ظاہری مرض کے آپ علیہا الرحمۃ گریہ زاری کیوں کرتی رہتی ہیں؟ آپ علیہا الرحمۃ نے فرمایا: میرے سینے میں ایک مرض پنہاں ہے، جس کا علاج نہ تو کسی طبیب کے پاس ہے اور نہ وہ مرض تمہیں دکھائی دے سکتا ہے، اس کا واحد علاج صرف وصالِ خداوندی ہے۔ اس لیے میں مریضوں جیسی صورت بنائے رکھتی ہوں اور گریہ و زاری کرتی رہتی ہوں کہ شاید اسی سبب سے قیامت میں خواہش پوری ہو جائے۔[1]

۳۔ حضرت سفیان بن عینیہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ہم فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ کی

(۱) ابن عطار، تذکرۃ الأولیا: ۵۸

عیادت کو گئے تو وہ فرمانے لگے ''اگر تم میرے پاس نہ آتے تو مجھے یہ بات تمہارے آنے سے زیادہ پسند تھی۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہارے پاس اپنے رب عزوجل کی شکایت نہ کروں۔''

۴۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ عطا سلمی علیہ الرحمۃ کے پاس ان کی بیماری کی حالت میں گئے۔ ان پر صفرا کا غلبہ تھا۔ حضرت حسن بصریؒ نے کہا: اے عطا! اگر تم صحن میں لیٹو تو اچھا ہے انہوں نے جواب دیا۔ میں اپنے رب سے شرماتا ہوں کہ وہ مجھے حظِ نفس (نفسانی لذت) کے لئے دوڑ دھوپ کرتے دیکھے۔

۵۔ حضرت عمر بن عبد العزیز علیھما الرحمۃ بیمار ہوئے تو ان کے لئے طبیب لایا گیا۔ طبیب نے ان کو دیکھا اور کہا کہ ان کا جگر خوفِ الٰہی سے پھٹ گیا ہے میں اس کا علاج نہیں کرسکتا۔

۶۔ ایک مرتبہ حسن بصری علیہ الرحمۃ پوری رات مصرف گریہ رہے۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا شمار تو صاحبِ تقویٰ لوگوں میں ہوتا ہے۔ پھر آپ اس قدر گریہ و زاری کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں تو اس دن کے لئے روتا ہوں جس دن مجھ سے کوئی ایسی خطا ہوگئی ہو کہ اللہ تعالیٰ باز پرس کرکے یہ فرما دے کہ اے حسن! ہماری بارگاہ میں تمہاری کوئی وقعت نہیں اور ہم تمہاری پوری عبادت کو رد کرتے ہیں۔[1]

۷۔ حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کے وصال کے وقت لوگوں نے سوال کیا۔ آپ کی کیا آرزو ہے؟ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ''میری خواہش صرف یہ ہے کہ موت سے قبل مجھے آگاہی حاصل ہو جائے پھر آپ نے یہ مصرع پڑھا:

الخوف امرضنی والشوق اخرقنی

(خوف نے مجھے بیمار کر دیا اور شوق نے مجھے جلا دیا۔)

(۱) ابنِ عطار، تذکرۃ الأولیاء: ۲۱

اس کے بعد آپ پر غشی طاری ہوگئی اور ہوش آنے کے بعد جب یوسف بن حسین نے وصیت کرنے کے لئے عرض کیا تو فرمایا: ’’اس وقت میں خدا کے احسانات میں گم ہوں، اس وقت کوئی بات نہ کرو۔ اس کے بعد آپ علیہ الرحمۃ کا انتقال ہوگیا۔[1]

بوقتِ مرضِ وِصال اَولیاء اللہ کے اَحوال

۱۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ سے جب لوگوں نے حال دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: ’’میں دنیا سے رخصت ہونے کو ہوں، میرے بد اعمال میرے سامنے آنے والے ہیں اور میں خدا کے فضل پر بھروسہ کئے ہوئے ہوں۔‘‘

۲۔ حضرت داوٗد طائی علیہ الرحمۃ کے پاس ان کی بیماری میں ایک امیر آیا اور اس نے ایک ہزار دینار ان کے پہلو میں رکھ دیئے اور کہا کہ انہیں اٹھائیں، اللہ آپ کو آرام دے پھر دریافت کیا کوئی اور ضرورت ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں آج کے بعد پھر تم میرے پاس نہ آنا پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: یہ میری برائی کو موت سے پہلے مزید بھاری بنانا چاہتا ہے۔

۳۔ حضرت فضیل بن عیاض علیہما الرحمۃ کے پاس لوگ عیادت کو گئے اور ان سے دریافت کیا۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ’’موت سے پہلے اپنے دوست یوسف بن اسباط کو ایک نظر دیکھ لوں۔

۴۔ حضرت حاتم اصم علیہ الرحمۃ کسی بخیل کو موت میں خیرات کرتے دیکھتے تو فرماتے: ’’اللہ اسے ہمیشہ بیمار رکھنا کیونکہ بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہے اور فقراء کے لئے بھی بہتر ہے۔‘‘

۵۔ ایک مرتبہ حضرت فضیل بن عیاض علیہما الرحمۃ بیمار ہوئے۔ لوگوں نے ان سے حال دریافت کیا تو فرمانے لگے: ’’راضی ہوں مگر میرے لئے لمبی بیماری کی دعا

---

(۱) ابنِ عطار، تذکرۃ الأولیاء: ۱۰۵

کروتا کہ نہ میں لوگوں کو دیکھوں اور نہ لوگ مجھے دیکھیں۔''

۶۔ حضرت ابوبکر بن عبد اللہ علیہما الرحمۃ کے پاس لوگ عیادت کے لئے گئے، آپ دو آدمیوں کے سہارے سے باہر آئے تو لوگوں نے دعا کے لئے عرض کی، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے رب کی اطاعت میں مشغول ہو اس سے پہلے کہ اس پر میرے جیسی حالت وارد ہو۔''

۷۔ حضرت مامون الرشید علیہ الرحمۃ کے پاس لوگ آخری وقت میں عیادت کے لئے گئے تو مامونؒ اپنے خادموں کو کہہ رہا تھا ''میرے لئے گھوڑے کی جھول بچھاؤ اور اس پر خاکستر پھیلاؤ۔ چنانچہ انہوں نے تعمیل کی پھر وہ اس پر لوٹنے لگا اور کہا: اے دائمی ملک کے بادشاہ! فانی ملک کے بادشاہ پر رحم فرما۔

۸۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا وقتِ وفات قریب آیا تو وہ رونے لگے اور فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں وصیت کی تھی کہ تمہارا دنیوی سامان اتنا ہونا چاہئے جتنا سوار کا توشہ لیکن افسوس کہ میں نے اس قدر مال و متاع جمع کر لیا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا جب ان کا انتقال ہوا تو تمام اسباب کی قیمت صرف پندرہ درہم لگائی گئی۔ گویا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے نزدیک صرف چند درہم کا متاع بھی بہت زیادہ تھا۔

۹۔ حضرت ابراہیم نخعی علیہ الرحمۃ کا جب وقتِ وصال قریب آیا تو وہ رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا رونے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: ''میں اپنے رب کے قاصد کا منتظر ہوں معلوم نہیں وہ جنت کی خوشخبری سناتا ہے یا دوزخ کی۔''

۱۰۔ امام التابعین محمد بن سیرین علیہ الرحمۃ کا انتقال ہونے لگا تو وہ رونے لگے لوگوں نے دریافت کیا آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا: ''گذشتہ زندگی میں کوتاہی اور نارِ جہنم میں جانے کے خوف سے روتا ہوں۔''

۱۱۔ حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمۃ کی وفات قریب آئی تو فرمانے لگے: ''اے اللہ! میں نے گناہ کئے ہیں۔ اگر تو معاف کردے تو مجھ پر احسان ہے اور اگر عذاب دے تو تیرا عدل ہے، ظلم نہیں ہے لیکن میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' پھر جاں بحق ہوگئے۔ (اپنے خالق حقیقی سے جا ملے)

۱۲۔ حضرت عامر بن قیس علیہ الرحمۃ کی وفات کا وقت قریب آیا تو رو پڑے اور فرمانے لگے: ''میں موت کے ڈر سے نہیں روتا اور نہ مجھے دنیا کی حرص ہے بلکہ میں اپنے رب کی جی بھر کر اطاعت نہ کرنے پر اور سردیوں کی راتوں میں قیام نہ کرنے پر روتا ہوں۔''

۱۳۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ جب فوت ہونے لگے تو اپنے غلام سے کہا: میرا سر مٹی پر رکھ دو۔ غلام رونے لگا۔ انہوں نے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے عرض کی۔ مجھے آپ کا وہ آرام یاد آیا ہے جس میں آپ رہتے تھے اور اب آپ وہی ہیں کہ اس حالت میں جان دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ میں ایسی حالت میں ہی مروں پھر فرمانے لگے: اے دوست! جب حالت بدل جائے تو مجھے لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرنا۔

۱۴۔ حضرت عطاء بن یسار علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے پاس شیطان آیا اور کہنے لگا: اے احمد! تو دنیا سے اس حالت میں جا رہا ہے کہ مجھ سے محفوظ ہے انہوں نے فرمایا: میں ابھی تیری عداوت سے محفوظ نہیں ہوں۔''

۱۵۔ حضرت امام حسن بصری علیہ الرحمۃ ایک آدمی کے پاس گئے جو نزع کی حالت میں تھا فرمانے لگے: ''جس کام کا انجام ایسا ہو اس سے شروع ہی سے بے رغبتی لازم ہے۔''

۱۶۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا وقتِ وفات قریب آیا تو فرمانے لگے: ''اے موت! گلا

گھونٹنے میں جلدی کر کیونکہ میں اللہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

۱۷۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے انتقال کا وقت آیا تو فرمانے لگے: ''اے اللہ! ایک نہایت ہی سخت دل گنہگار بوڑھے پر رحم فرما۔ اے اللہ! میری لغزش معاف کر دے اور خطائیں بخش دے اور اس جاہل پر نرمی کر جو تیرے سوا کسی پر بھروسا نہیں کرتا اور نہ کسی سے امید رکھتا ہے۔ پھر دھاڑیں مار کر رونے لگے۔''

۱۸۔ حضرت ہشام بن عبد الملک علیہ الرحمۃ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو اپنی اولاد کو دیکھا جو ان کے پاس رو رہی تھی وہ کہنے لگے۔ ''ہشام نے تمہارے لئے دنیا بخش دی اور تم اس پر روتے ہو اور اس نے جو کچھ جمع کیا تمہارے لئے چھوڑ دیا اور تم نے اس پر اس کے کمائے ہوئے گناہ چھوڑے پس اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا تو ہشام کا انجام کیسا برا ہے۔''

اگر ہم اپنے احوال ان تمام صالحین کے احوال کے مطابق ڈھال لیں اور سچی توبہ کرکے اپنی زندگیوں میں انقلاب بپا کر دیں تو ہمیں بھی وہ تمام روحانی برکات حاصل ہوسکتی ہیں جن کی تمنا یہ بزرگانِ سلف کرتے چلے آئے ہیں۔

بابِ دُوُم

ذِکرِ اِلٰہی

ذِکرِ اِلٰہی کا معنی و مفہوم

ذکر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معانی یاد کرنا، یاد تازہ کرنا، کسی شئے کو بار بار ذہن میں لانا، کسی چیز کو دہرانا اور دل و زبان سے یاد کرنا ہیں۔[1]

امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) نے ذِکرِ اِلٰہی کے درج ذیل معانی بیان کئے ہیں:

۱۔ وحی ربانی	۲۔ یاد دہانی
۳۔ قصہ بیان کرنا	۴۔ نصیحت
۵۔ نام پکارنا	۶۔ تذکرہ[2]

۱۔ لفظ ذکر کے مختلف قرآنی اِطلاقات

قرآنِ حکیم میں لفظ ذکر اور اس سے مشتق الفاظ کا اطلاق مختلف معانی میں کیا گیا ہے۔ چند آیات کریمہ درج ذیل ہیں:

۱۔ ذکر کا ایک معنی یاد کرنا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔[3]

’’پھر جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مشعرِ حرام (مُزدلفہ) کے پاس اللہ کا ذکر کیا کرو۔‘‘

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۳۰۸، ۳۱۱

(۲) راغب أصفهانی، المفردات، ۱۷۹۔۱۸۰

(۳) البقرة، ۲: ۱۹۸

۲۔ خود قرآن کریم کو بھی ذکر سے موسوم کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ○ (۱)

''بیشک یہ ذکرِ عظیم (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے○''

قرآن کو ''ذکر'' اس لیے کہا گیا کہ اِس میں جا بجا سابقہ امتوں کا تذکرہ درج ہے جو ہمیں ان کے احوال و واقعات کی یاد دلاتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کو ذکر اس لیے بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کو یاد کرنے کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

۳۔ ذکر کا ایک معنی نمازِ پنجگانہ بھی ہے۔ کیونکہ نماز بندے کو اللہ تعالیٰ سے ملانے، اس کے قریب کرنے اور اسے یاد کرنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُکۡبَانًا ۚ فَاِذَاۤ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ○ (۲)

''پھر اگر تم حالتِ خوف میں ہو تو پیادہ یا سوار (جیسے بھی ہو نماز پڑھ لیا کرو)، پھر جب تم حالتِ امن میں آ جاؤ تو انہی طریقوں پر اللہ کو یاد کرو جو اس نے تمہیں سکھائے ہیں جنہیں تم (پہلے) نہیں جانتے تھے○''

۴۔ ذکر کا ایک معنی تسبیح و تہلیل اور حمد و ثنا بیان کرنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوا اللّٰہَ ذِکۡرًا کَثِیۡرًا○ وَّسَبِّحُوۡهُ بُکۡرَةً وَّاَصِیۡلًا○ (۳)

---

(۱) الحجر، ۱۵: ۹

(۲) البقرة، ۲: ۲۳۹

(۳) الاحزاب، ۳۳: ۴۱۔ ۴۲

''اے ایمان والو! تم اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کروo اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کروo''

مذکورہ بالا معانی کے علاوہ قرآن حکیم میں لفظِ ذکر کا اطلاق دعا، تلاوت اور نصیحت کیلئے بھی ہوا ہے۔ اگر ان تمام معانی پر غور کیا جائے تو ہمیں سب میں ایک قدر مشترک نظر آئیگی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ''یادِ الٰہی'' ذکر کا بنیادی معنی ہے۔

۲۔ ذکرِ اِلٰہی یادِ اِلٰہی سے عبارت ہے

ذکر الٰہی کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اور ہر حالت میں، اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اپنے محبوبِ حقیقی کو یاد رکھے اور اس کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو۔

صوفیاء کرام کے ہاں ذکر الٰہی کا مفہوم بہت بلند ہے، سلطان العارفین حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

جو دم غافل سو دم کافر

(انسان کا ایک ایک سانس اللہ تعالیٰ کی یاد میں صرف ہو، اس کا ایک لمحہ بھی غفلت کی نذر نہ ہو ورنہ کفر لازم آئے گا۔)

حضور غوث الاعظم سیدنا عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ (۴۷۰۔۵۶۱ھ) لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ذکر کا مفہوم بیان فرماتے ہیں:

''اے سامعین! تم اپنے اور خدا کے درمیان ذکر سے دروازہ کھول لو، مردانِ خدا ہمیشہ اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ذکر الٰہی ان سے ان کے بوجھ کو دور کر دیتا ہے۔''(۱)

---

(۱) عبد القادر جیلانی، الفتح الربانی والفیض الرحمانی: ۴۱

حاصلِ کلام یہ ہوا کہ ’’ذکر‘‘ یادِ الٰہی کا وہ طریقہ ہے جس سے انسان کو اپنے خالق و مالک حقیقی کی معرفت اور پہچان نصیب ہوتی ہے۔ صوفیاء کرام سے منسوب درج ذیل قول اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔ (۱)

’’جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔‘‘

ذکرِ اِلٰہی کی اہمیت و فضیلت

اس دورِ مادیت میں ہمارے احوالِ زندگی مجموعی طور پر بگاڑ کا شکار ہیں۔ ہماری روحیں بیمار اور دل زنگ آلود ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق بندگی حقیقتاً معدوم ہو چکا ہے۔ ہمارے باطن کی دنیا کو حرص و ہوس، بغض و عناد، کینہ و حسد، فخر و مباہات، عیش و عشرت و سہل پسندی، خود غرضی و مفاد پرستی اور انا پرستی و دنیا پرستی کی آلائشوں نے آلودہ کر رکھا ہے۔ لہٰذا ان بگڑے ہوئے احوال کو درست کرنے، بیمار روحوں کو صحت یاب کرنے، آئینہ دل کو شفاف کرنے، قلب و باطن کو نورِ ایمان سے منور کرنے، احوالِ حیات کو روحانی انقلاب کی مہک سے معمور کرنے اور محبوب حقیقی سے ٹوٹے ہوئے تعلق کو دوبارہ بحال کرنے کی ضرورت ناگزیر ہے اور اس کا واحد ذریعہ ذکر الٰہی ہے۔

۱۔ ذکرِ الٰہی ہر عبادت کی اصل ہے

تمام جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد عبادتِ الٰہی ہے اور تمام عبادات کا مقصودِ اصلی یادِ الٰہی ہے۔ کوئی عبادت اور کوئی نیکی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد سے خالی

---

(۱) ۱۔ أبو نعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۱۰: ۲۰۸
۲۔ غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۲
۳۔ بقاعی، مصرع التصوف: ۴۳

نہیں۔سب سے پہلی فرض عبادت نماز کا بھی یہی مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو دوام حاصل ہو اور وہ ہمہ وقت جاری رہے۔ نفسانی خواہشات کو مقررہ وقت کے لئے روکے رکھنے کا نام روزہ ہے جس کا مقصد دل کو ذکر الٰہی کی طرف راغب کرنا ہے۔ روزہ نفس انسانی میں پاکیزگی پیدا کرتا ہے اور دل کی زمین کو ہموار کرتا ہے تاکہ اس میں یاد الٰہی کا پودا جڑ پکڑ سکے کیونکہ دل جب لذات نفسانیہ میں گھرا ہوتو اس میں ذکرِ الٰہی قرار نہیں پکڑ سکتا۔ اسی طرح حج میں خانہ کعبہ اور مقاماتِ مقدسہ پر حاضر ہونا یادِ الٰہی کا ہی مظہر ہے۔ قرآن حکیم پڑھنا افضل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور سارے کا سارا اسی کے ذکر سے بھرا ہوا ہے، اس کی تلاوت اللہ تعالیٰ کے ذکر کو تر و تازہ رکھتی ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام عبادات کی اصل ذکرِ الٰہی ہے اور ہر عبادت کسی نہ کسی صورت میں یادِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ مردِ مومن کی یہ پہچان ہے کہ وہ جب بھی کوئی نیک عمل کرے تو اس کا مطمحِ نظر اور نصب العین فقط رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ یوں ذکرِ الٰہی رضائے الٰہی کا زینہ قرار پاتا ہے ۔اسی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن وسنت میں جابجا ذکر الٰہی کی تاکید کی گئی ہے۔

۲۔ کثرتِ ذکر محبتِ الٰہی کا اوّلین تقاضا ہے

انسانی فطرت ہے کہ وہ اس چیز کو ہمیشہ یاد کرتا ہے جس کے ساتھ اس کا لگاؤ کی حد تک گہرا تعلق ہو۔وہ کسی صورت میں بھی اسے بھلانے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ اہلِ محبت کے ہاں یہ عام قاعدہ ہے کہ جس شے سے محبت ہو اسے اٹھتے بیٹھتے یاد کیا جاتا ہے۔محبوب جس قدر صاحبِ عظمت و شان اور حسن و جمال کا پیکر ہو گا محبّ کی زبان پر اسی قدر اس کا ذکر کثرت سے آئے گا۔ ایک مومنِ کامل کی دلی محبت، مخلصانہ الفت اور جذباتی تعلق کا مرکز ومحور صرف ذاتِ باری تعالیٰ کا ذکر ہی ہوسکتا ہے اور جس بندے کو محبتِ الٰہی کی کیفیت نصیب ہو جائے اس کی دیوانگی اور اس کے جوشِ محبت کا عالم کیا ہو گا؟ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کو بھی محبتِ الٰہی کے اس بحر بیکراں سے کوئی قطرہ ہو جائے اس کی نظر میں پوری دنیا کی نعمتیں ہیچ، بے اثر اور بے وقعت ہو جاتی ہیں

اور وہ پوری دنیا اپنے محبوب کے نام پر قربان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبین کی بنیادی شرط بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔(۱)

''اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔''

صرف اس ذات کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے جس سے شدید محبت ہو۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ مِنْ ذِكْرِهٖ۔(۲)

''انسان کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا ذکر بڑی کثرت سے کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی محبت کا اولین تقاضا یہ ہے کہ ہر پل اسی کا نام وردِ زبان رہے، ہر لمحہ دل میں اس کی یاد بسی رہے اور ہر گھڑی اس کے ذکر میں تمام ہو۔ کثرتِ ذکر کے باب میں بے شمار آیات اور احادیث بیان ہوئی ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ رب العزت نے حضرت زکریا علیہ السلام کو کثرتِ ذکر کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ○(۳)

''اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور شام اور صبح اس کی تسبیح کرتے رہو○''

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۶۵

(۲) ہندی، کنز العمال، ۱: ۴۲۵، رقم: ۱۸۲۹

(۳) آل عمران، ۳: ۴۱

۲۔ اللہ ﷻ نے اہل ایمان کو کثرتِ ذکر کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ○(۱)

''اے ایمان والو! تم اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو ○''

۳۔ کثرتِ ذکر کو اللہ تعالیٰ نے کفار کے مقابلے میں اہل حق کی ثابت قدمی کا ذریعہ اور کامیابی و فلاح کی کنجی قرار دیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○(۲)

''اے ایمان والو! جب (دشمن کی) کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ○''

۴۔ مسلمان مجاہدین کو کثرتِ ذکر کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○(۳)

''پھر (اے مسلمانو!) جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہر حال میں) یاد کرتے رہو، پھر جب تم (حالتِ خوف سے نکل کر) اطمینان پالو تو نماز کو (حسبِ دستور) قائم کرو۔ بیشک نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہے ○''

---

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۴۱

(۲) الانفال، ۸: ۴۵

(۳) النسآء، ۴: ۱۰۳

۵۔ باری تعالیٰ نے کثرتِ ذکر کو اسوۂ رسول ﷺ پر عمل کرنے والوں کی صفت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ [1]

''فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے ۝''

۶۔ کثرت سے ذکر الٰہی کرنے والے اہل ایمان نیکو کار شعراء کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ [2]

''سوائے ان (شعراء) کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہے (یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے مدح خواں بن گئے) اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد (ظالموں سے بزبانِ شعر) انتقام لیا (اور اپنے کلام کے ذریعے اسلام اور مظلوموں کا دفاع کیا بلکہ ان کا جوش بڑھایا تو یہ شاعری مذموم نہیں)، اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا عنقریب جان لیں گے کہ وہ (مرنے کے بعد) کونسی پلٹنے کی جگہ پلٹ کر جاتے ہیں ۝''

کثرتِ ذکر کے حوالے سے چند احادیثِ نبوی ﷺ درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۲۱

(۲) الشعراء، ۲۶: ۲۲۷

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ.[1]

''حضور نبی اکرم ﷺ ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔''

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ شَكَّاراً، لَكَ ذَكَّاراً، لَكَ رَهَّابًا، لَكَ مِطْوَاعًا، لَكَ مُخْبِتًا إِلَيْكَ أَوَّاهًا مُنِيبًا.[2]

''اے پالنہار! تو مجھے اپنا کثرت سے شکر گزار ذکر کرنے والا، بہت ڈرنے ولا، نہایت فرما بردار، خوب اطاعت کرنے والا، بہت عاجزی کرنے ولا، بہت گریہ وزاری کرنے والا اور تیری ہی جانب رجوع کرنے والا بنا دے۔''

۳۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص باوضو ہو کر اپنے بستر پر لیٹے اور نیند آنے تک ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے۔ وہ رات کی جس گھڑی میں اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائی مانگے اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔''[3]

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحیض، باب ذکر الله تعالی فی حال الجنابة وغیرها، ۱: ۲۸۲، رقم: ۳۷۳

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب ماجاء أن دَعْوَةَ الْمُسْلِمِ مُسْتجابةٌ، ۵: ۳۹۴، رقم: ۳۳۸۴

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب في فَضْلِ التَوبةِ وَالاِسْتَغْفَارِ وَمَا ذَكِرَ مِن رَحْمةِ اللهِ بِعِبَادِهِ، ۵: ۵۱۷۔ ۵۱۸، رقم: ۳۵۵۱

(۳) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب ماجاء في عَقْدِ التَسْبِيحِ بِالْيَدِ، ۵: ۴۹۸، رقم: ۳۵۲۶

۴۔ حضرت ابو سعید خدری ﷛ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللهِ حَتَّى يَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ۔[1]

”اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ وہ (منافق) لوگ مجنوں تمہیں کہنے لگیں۔“

پس اللہ کی یاد اپنے دل میں بسانے اور اس سے ٹوٹے ہوئے تعلق کو بحال کرنے کا واحد ذریعہ ذکرِ الٰہی کی کثرت ہے۔ اگر یہ ذکر ہماری زندگیوں کا حصہ بن جائے تو نگاہوں کے پردے اٹھ جائیں گے اور محبوبِ حقیقی کے حسنِ لا زوال کے جلوے بے نقاب ہو جائیں گے۔ جب آنکھوں کے پردے اٹھ جائیں اور حسنِ مطلق کا نظارہ آنکھوں کے سامنے ہو تو پھر ذاکر اپنے آپ کو بھول کر ان جلووں میں کھو جاتا ہے۔

۳۔ ذکرِ الٰہی قربِ الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے

جب بندے کی یہ کیفیت ہو جائے کہ اس کی زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے، وہ تمام دنیوی محبتوں سے کنارا کش ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوب جائے، اُسی کو پکارے، فرمانِ الٰہی - ﴿وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾[2] کے مصداق ہر شے سے کٹ کر اسی کا ہو جائے اور اس کے رگ ریشے میں اسی محبوبِ حقیقی کی یاد سما جائے تو اسے ذکرِ الٰہی کی ساری حلاوتیں اور برکتیں یوں نصیب ہوں گی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اسے اپنے قربِ خاص سے نوازے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۷۱، رقم: ۱۱۶۷۴

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۳: ۹۹، رقم: ۸۱۷

(۲) المزمل، ۷۳: ۸

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔(۱)

''اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔''

بندہ جب اللہ تعالیٰ کی یاد کو حرزِ جاں بنالے اور اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہو تو اسے قربِ الٰہی کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کو سنتا ہے اور اس کے دامن کو رحمت کی خیرات سے بھر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کے قربان جائیں کہ اس کا جب ادنی سے ادنی بندہ بھی اسے یاد کرتا ہے تو وہ اپنی شانِ کریمی اور رحیمی کے ساتھ اسے یاد فرماتا ہے۔ اس کرم اور عطا کا اعلان باری تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے۔

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَ اشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ○(۲)

''سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو○''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے ذکر کو اپنا شعار بنالیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِی، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ

(۱) البقرہ، ۲: ۱۸۶

(۲) البقرہ، ۲: ۱۵۲

ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَاءٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَاءٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً[۱]

’’میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے مجمع کے اندر یاد کرتا ہے تو میں بھی اس سے بہتر مجمع کے اندر اسے یاد کرتا ہوں اور اگر وہ بالشت بھر میرے قریب ہوتا ہے تو میں گز بھر اس سے قریب ہو جاتا ہوں، اگر وہ گز بھر میرے قریب ہوتا ہے تو میں دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اس سے قریب ہو جاتا ہوں، اگر وہ چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔‘‘

اس حدیثِ نبوی ﷺ سے معلوم ہوا کہ ذاکر جب تنہا ذکر کرتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اس کا ذکر تنہا کرتا ہے اور جب وہ زمین پر مخلوق کا اجتماع منعقد کر کے خود بھی ذکر کرتا ہے اور بندوں سے بھی ذکر کرواتا ہے تو اللہ بھی عرش پر ارواح، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے اجتماع میں اس کے نام کا ذکر کرتا ہے۔ بندہ اپنی استطاعت اور طاقت کے مطابق انسانوں کے مجمع میں فرش زمین پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور شان کے مطابق اس سے بدرجہا بہتر و بلندتر قدسیانِ فلک کے مجمع میں عرش بریں پر اس بندے کا ذکر فرماتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بندہ تو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ اللہ، اللہ ھو، لا

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ و یُحَذِّرکم اللہ نفسہ، ۶: ۲۶۹۴، رقم: ۶۹۷۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر و الدعا، باب الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ، ۴: ۲۰۶۱، رقم: ۲۶۷۵

اله الّا الله، سبحان الله وغیرہ کلمات کے ذریعے اس کی الوہیت و وحدانیت اور قدوسیت و سبوحیت کے نغمے الاپتا ہے، اس کی عظمتیں، رفعتیں، سطوتیں، حسن وجمال اور جبروت و جلال کو بیان کرتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس بندے کا ذکر کیسے کرتا ہوگا اور جواب میں اجر کے طور پر ملائکہ کے اجتماع میں عرش معلیٰ پر کیا پکارتا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ بندے کا ذکر کرتا ہے تو اس ذکر کو زمین پر اتار دیتا ہے اور اسے لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ لوگ اس بندۂ خدا سے محبت کرنے لگتے ہیں حتی کہ وہ مرجعِ خلائق بن جاتا ہے۔

اولیاء اللہ جو عمر بھر اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر میں مشغول رہے اور ایک پل بھی اس کی یاد سے غافل نہیں رہے اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر اہلِ زمین میں یوں پھیلا دیا کہ ان کے وصال کے سینکڑوں سال بعد آج بھی کو بہ کو ان کا چرچا ہے۔ جیسے حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ (م ۱۰۴۰ھ) کے وصال کو تقریباً ۴ سو سال بیت گئے مگر چار صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کا ذکر یا باہو، حق باہو آج تک ہو رہا ہے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ (م ۵۷۹ھ) تقریباً آٹھ سو سال قبل اس دنیا میں زمین پر تھے اور اللہ کا ذکر کرتے تھے مگر آٹھ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی ان کے دربار پر دنیا لاکھوں کی تعداد میں آ کر یا فرید، حق فرید کہتی ہے۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ (۴۷۰۔۵۶۱ھ) کے وصال کو تقریباً ایک ہزار سال بیت گئے مگر ان کا جو ذکر اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں جاری فرمایا آج بھی یا غوث الاعظم کی صورت میں پورے عالم میں اس کی دھوم ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمۃ (م ۴۷۰ھ) کے وصال کو تقریباً گیارہ سو سال گزر گئے مگر آج تک لاکھوں کی تعداد میں لوگ صبح و شام ان کے دربار پر آتے ہیں اور یا داتا گنج بخش کا ذکر کرتے ہیں۔ گویا ان اولیاء وصلحاء اور اتقیاء و اصفیاء کے ذکر کی مقبولیت عام سے اللہ تعالیٰ **ذکرته فی ملاء خیر منهم** کا نظارہ زمین پر دکھا رہا ہے۔ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

نام فقیر انہاں دا باہو قبر جنہاں دی جیوے ہو

یعنی جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں ان کے ذکر کو یوں دوام ملتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہ زندہ رہتے ہیں۔ ان کا ذکر لوگوں کے دلوں میں یوں سرایت کر جاتا ہے کہ ان کے مزارات پر ہر وقت انسانوں کا ایک جھرمٹ رہتا ہے جو ان کے واسطے سے بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوتے ہیں۔

۴۔ ذکرِ الٰہی افضل ترین عبادت ہے

ذکرِ الٰہی افضل ترین عبادت ہے کیونکہ یہ تمام عبادات کی اصل اور روح ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو ساری کی ساری عبادات بے کیف و بے سرور اور بے معنی و بے مقصد ہو کر رہ جائیں۔ اسی طرح تمام اعمالِ صالحہ میں سے افضل ترین عمل اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ۔[1]

’’اور واقعی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔‘‘

ذکرِ الٰہی کے سب سے بڑا ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ وہ عبادت ہے جس کے صلہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ بندے کو خود یاد فرماتا ہے اور یوں بندہ و مولا کے باہمی تعلق میں دوام کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ذِكْرُ اللهِ إِيَّاكُمْ أَعْظَمُ مِنْ ذِكْرِكُمْ اِيَّاهُ۔[2]

’’اللہ کا تمہیں یاد کرنا تمہارے اللہ کو یاد کرنے سے بڑا ہے۔‘‘

ذکرِ الٰہی کو اس قدر عظمت و رفعت حاصل ہے کہ حدیثِ مبارکہ میں اسے ایمان

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۴۵

(۲) ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ۳: ۴۱۵

کی افضلیت کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰه وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِی ذِكْرِ اللهِ ۔(۱)

’’(افضل ایمان یہ ہے کہ) تو اللہ کے لئے محبت کرے اور اللہ کیلئے ناراض ہو اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھے۔‘‘

حدیثِ مبارکہ کی رو سے انسان کے بہترین اعمال میں سے ذکرِ الٰہی سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

’’کیا میں تمہیں تمہارے بہترین اعمال (میں سب سے بہتر عمل) کی خبر نہ دوں جو تمہارے رب کے نزدیک مقبول تر ہو اور تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہو اور وہ عمل تمہارے لئے سونا چاندی اللہ کی راہ میں خیرات کرنے سے بھی بہتر ہو، اور تمہارے لئے اس سے بھی بہتر ہو کہ تم اپنے دشمنوں کے مقابلے میں جہاد کے لئے آؤ پس تم ان کی گردنیں اتارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں (یا رسول اللہ ضرور ایسا عمل بتائیے) تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **ذِكْرُ اللهِ تَعَالَى** (ایسا عظیم عمل) اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔‘‘(۲)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۴۷، رقم: ۲۲۱۳۵

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲: ۱۹۱، رقم: ۴۲۵

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الذکر، ۵: ۳۸۹، رقم: ۳۳۷۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۹۵، رقم: ۲۱۷۰۲

حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور حدیث یوں مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ شَرَائِعَ الإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ فَأَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ أَتَشَبَّثُ بِهِ.

’’یا رسول اللہ! اسلامی احکام مجھ پر غالب آ گئے ہیں۔ آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں، جسے میں انہماک سے کرتا رہوں۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللهِ ۔ (۱)

’’تیری زبان ہر وقت ذکرِ الٰہی سے تر رہنی چاہیے۔‘‘

حضرت مالک بن یخامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا: آخری وصیت جس پر میں حضور نبی اکرم ﷺ سے جدا ہوا وہ یہ ہے کہ میں نے (رسول اللہ ﷺ سے) عرض کیا:

أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟

’’اعمال میں سے کونسا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟‘‘

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الصحيح، أبواب الدعوات، باب ما جاء فی فَضْلِ الذِّكْرِ، ۵: ۳۸۸، رقم: ۳۳۷۵

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الأدب، باب فضلِ الذِّكْرِ، ۴: ۱۲۴۶، رقم: ۳۷۹۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۸۸، رقم: ۱۷۶۸۰

أَنْ تَمُوْتَ وَ لِسَانُكَ رَطَبٌ مِنْ ذِكْرِ اللهِ ـ (۱)

’’تجھے اس حال میں موت آئے کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔‘‘

۵۔ ذکرِ الٰہی عذابِ الٰہی سے نجات کا ذریعہ ہے

ذکرِ الٰہی گناہوں کی بخشش کا موجب اور عذابِ الٰہی سے نجات کا بہترین ذریعہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ص وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ قف وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ۝ (۲)

’’اور (یہ) ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا گناہوں کی بخشش کون کرتا ہے، اور پھر جو گناہ وہ کر بیٹھے تھے ان پر جان بوجھ کر اصرار بھی نہیں کرتے۝‘‘

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا عَمِلَ امْرُؤٌ بِعَمَلٍ أَنْجَى لَهُ مِنْ عَذَابِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ ذِكْرِ اللهِ۔

’’ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر آدمی کوئی عمل ایسا نہیں کرتا جو اسے سب سے زیادہ

---

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۳: ۹۹، رقم: ۸۱۸
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۱۰۶، رقم: ۲۰۸
۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۱: ۳۹۳، رقم: ۵۱۶

(۲) آل عمران، ۳: ۱۳۵

عذاب الٰہی سے نجات دلانے والا ہو۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

وَ لَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ۔

’’اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں؟‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ تَضْرِبُ بِسَيْفِكَ حَتَّى يَنْقَطِعَ، ثُمَّ تَضْرِبُ بِهِ حَتَّى يَنْقَطِعَ۔(۱)

’’راہِ خدا میں جہاد بھی نہیں چاہے تو اپنی تلوار سے اتنا جہاد کرے کہ وہ ٹوٹ جائے، پھر اس (ٹوٹی تلوار) سے اتنا جہاد کرے کہ وہ بھی ٹوٹ جائے۔‘‘

ذکرِ الٰہی سے بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت پیدا ہوتی ہے اور جس کے دل میں یہ دونوں صفات یکجا ہوں وہ عذابِ الٰہی سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔(۲)

’’ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت و جلال کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الأدب، باب فضل الذِّكر، ۴: ۲۷۹، رقم: ۳۷۹۰

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۵۷، رقم: ۲۹۴۵۲

(۲) الانفال، ۸: ۲

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ ذَكَرَ اللهَ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ حَتَّى يُصِيبَ الْأَرْضَ مِنْ دُمُوْعِهِ لَمْ يُعَذِّبْهُ اللهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۱)

''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس کی آنکھیں اللہ کے خوف سے بہہ نکلیں یہاں تک کہ اس کے آنسو زمین پر جا گرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو عذاب نہیں دے گا۔''

۶۔ ذکرِ الٰہی کی برکت سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے

جس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہونے لگتا ہے اور وہ گھر انوارِ الٰہیہ کا مہبط و مخزن بن جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِo(۲)

''(اللہ کا یہ نور) ایسے گھروں (مساجد اور مراکز) میں (میسر آتا ہے) جن (کی قدر و منزلت) کے بلند کئے جانے اور جن میں اللہ کے نام کا ذکر کئے جانے کا حکم اللہ نے دیا ہے (یہ وہ گھر ہیں کہ اللہ والے) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیںo''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

إِنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ لَيَرَوْنَ بُيُوْتَ أَهْلِ الذِّكْرِ تُضِيءُ لَهُمْ كَمَا تُضِيءُ الْكَوَاكِبُ لِأَهْلِ الْأَرْضِ.(۳)

---

(۱) حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۲۸۹، رقم: ۷۶۶۸

(۲) النور، ۲۴: ۳۶

(۳) ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۱۷۰، رقم: ۳۵۰۵۵

''آسمان والے اللہ کا ذکر کرنے والوں کے گھروں کو ایسے روشن دیکھتے ہیں جیسے زمین والے چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔''

۷۔ ذکرِ الٰہی بیمار دلوں کی شفا ہے

تمام روحانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج جن کا تعلق دل سے ہے ذکرِ الٰہی میں مضمر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ذِکْرُ اللهِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ۔(۱)

''اللہ کا ذکر دلوں کی شفاء ہے۔''

بے شک دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے جس طرح تانبا اور چاندی وغیرہ زنگ آلود ہو جاتے ہیں، اس کو جِلا دینے والا اللہ کا ذکر ہے۔ یہ دل کو شیشے کی مانند صاف شفاف اور چمکدار کر دیتا ہے

۸۔ ذکرِ الٰہی بے چین دلوں کا قرار ہے

وہ لوگ جنہیں طرح طرح کی آسانیاں، سہولتیں اور آسائشیں میسر ہیں مگر پھر بھی شکوہ کرتے ہیں کہ دل کو سکون نہیں، ہر وقت پریشان اور دل و دماغ کی بے چینی کا شکار رہتے ہیں، مثلاً: مقدمات کی پریشانی، روزگار کی پریشانی، بیماریوں کی پریشانی، حصولِ زر و اقتدار کی پریشانی، غرض اس دنیا میں ہر طبقہ اپنی جگہ پریشان اور بے چین ہے اور یہ تمام پریشانیاں، بے چینیاں اس شخص کے دل و دماغ پر مسلط ہوتی ہیں جو اللہ کی محبت و یاد سے بیگانہ ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی چاہتا ہے کہ تمام پریشانیاں اس کے لئے بے حقیقت ہو جائیں، قلب و ذہن مکمل طور پر آزاد ہو جائیں اور وہ ان مشکلات پر حاوی ہو کر چین کی

(۱) ۱۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۷۵۵، رقم: ۴۳۳۵

۲۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۱: ۵۰۵، رقم: ۱۳۴۵

زندگی بسر کرے تو اسے چاہیے کہ وہ دل کو عشقِ الٰہی کی لذت سے سرشار کرے اور اس کی یاد سے دل کی ویران بستی کو آباد کرے۔ جب اس کا اللہ تعالیٰ سے یہ تعلق قائم ہوجائے گا تو اس کی یاد میں جو لمحات بسر ہوں گے وہ غموں سے قطعًا ناآشنا ہوں گے کیونکہ غمِ عشق زندگی کے سب غم بھلا دیتا ہے۔ یہ چھوٹی موٹی پریشانیاں اس کے قریب نہیں پھٹکتیں۔ اگر وہ اپنے دیگر مادی وسائل و اختیارات سے ان پریشانیوں کا تدارک کرنا چاہے تو یہ جان لینا چاہیے کہ ان کا قلع قمع کبھی نہ ہوسکے گا بلکہ مسائل کے انبار لاکھوں طریقوں سے کروٹ بدل بدل کر اسے پریشان کریں گے اور زندگی مزید بوجھل ہوجائے گی۔ ہمارے غموں اور پریشانیوں کا مداوا اس میں ہے کہ ہم ذکرِ الٰہی کو حرزِ جاں بنالیں۔ ربِ کریم نے اپنے ذکر کو دلوں کے اطمینان اور سکون کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ○(۱)

''جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے○''

اس آیت کریمہ میں اللہ ربّ العزت نے یہ نسخۂ کیمیا بیان کیا ہے کہ میرے بندو! اگر کبھی تمہیں زندگی کے غم و آلام پریشان کردیں تو مجھے یاد کیا کرو، تمہیں اطمینان و سکون کی دولت مل جائے گی۔ اگر میرے در کو چھوڑ کر کہیں اور سکون و اطمینان کی دولت تلاش کرنے کی کوشش کروگے تو ہرگز اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہوگا۔ پس ہر دہلیز کو چھوڑ کر مجھ ہی سے اطمینان وسکون کی خیرات طلب کرو، میں تمہارے دلوں کو اس دولت سے مالا مال کر دوں گا، پھر اگر کوئی گدڑی میں بھی ہوگا تو اسے تختِ شاہی سے بڑھ کر سکون و اطمینان نصیب ہوگا، وہ نہ صرف خود مطمئن ہوگا بلکہ جو اس کے پاس آئے گا اس کے دل کو بھی قرار ملے گا۔

---

(۱) الرعد، ۱۳: ۲۸

ذاکرین کے فضائل

ذاکرین اللہ تعالیٰ کے وہ محبوب اور مقرب بندے ہیں جو ہمہ وقت ذکرِ الٰہی میں مگن رہتے اور ہر لحظہ اپنے محبوب حقیقی کا نام جپتے رہتے ہیں۔انہیں کارخانہ قدرت کی ہر چیز میں اسی محبوب کا جلوۂ حسن نظر آتا ہے۔وہ صبح وشام اسی جلوے کی ایک تجلّی کے منتظر رہتے ہیں۔کثرتِ ذکر انہیں مقامِ تبتیل تک پہنچا دیتی ہے جہاں وہ ہر چیز کو چھوڑ کر اپنے مولا کی یاد میں کھو جاتے ہیں، پھر انہیں مقامِ مشاہدہ نصیب ہوتا ہے اور لذتِ دید کی نعمت سے شاد کام ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو مغفرت و بخشش اوراجرِعظیم کی بشارت دی جاتی ہے۔

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا○[1]

”اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ نے اِن سب کے لئے بخشش اور عظیم اجر تیار فرما رکھا ہے○“

قرآن و حدیث میں ذاکرین کے احوال و واقعات اور صفات وخصوصیات کا بیان کثرت سے موجود ہے، یہاں ہم ان کے چند فضائل درج کر رہے ہیں:

ا۔تخلیقِ کائنات میں غور وفکر کرنے والے بندے

صبح و شام ذکر کرنے والے بندے کے دل کا آئینہ صاف و شفاف ہو جاتا ہے یہ وہ بندہ ہے جو اُٹھتے بیٹھتے لسانی وقلبی ذکر میں مصروف رہتا ہے اور جب ذکر کے نور سے اس پر حقائقِ اشیاء منکشف ہونا شروع ہوجاتے ہیں تو جس چیز پر بھی اس کی نظر پڑتی ہے وہی اپنے خالق و مالک کی حسنِ تخلیق کا نمونہ دکھائی دیتی ہے۔اسی لئے قرآنِ حکیم میں اللہ

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۳۵

تعالیٰ نے دائمی ذکر کرنے والوں کی علامت بیان فرماتے ہوئے تفکر فی الخلق کو بھی ذاکرین کی خاصیت کے طور پر بیان فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (۱)

’’یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (میں کارفرما اس کی عظمت اور حُسن کے جلوؤں) میں فکر کرتے رہتے ہیں (پھر اس کی معرفت سے لذت آشنا ہو کر پکار اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ (سب کچھ) بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا، تو (سب کوتاہیوں اور مجبوریوں سے) پاک ہے پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے ۝‘‘

۲۔ معیتِ خداوندی سے سرفراز ہوتے ہیں

اس طرح محبوب کی یاد میں ہر لمحہ محو رہنے والوں کو جو معیت نصیب ہوتی ہے وہ عبادت سے حاصل ہوتی ہے نہ کسی اور وصف سے بلکہ یہ ذوق و وجدان کی مرہون منت ہوتی ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت اِرشاد فرماتا ہے:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي۔ (۲)

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ و یحذّرکم اللہ نفسہ، ۶: ۲۶۹۴، رقم: ۶۹۷۰

←

’’میں اپنے بندے کے اس گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جس وقت وہ میرا ذکر کرتا ہے۔‘‘

۳۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین ہوتے ہیں

اللہ کی یاد ذاکر کو محبوب ترین بندہ بنا دیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (جب) موسیٰ علیہ السلام طور سینا پر تشریف لے گئے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے پروردگار! تجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِي يَذْكُرُنِي وَ لَا يَنْسَانِي۔(۱)

’’وہ جو ہر وقت میرا ذکر کرتا رہتا ہے اور مجھے بھولتا نہیں۔‘‘

حضرت عمرو بن الجمق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَوْلِيَائِي مِنْ عِبَادِي وَ أَحِبَّائِي مِنْ خَلْقِي الَّذِيْنَ يُذْكَرُوْنَ بِذِكْرِي. وَأُذْكَرُ بِذِكْرِهِمْ۔(۲)

’’بندوں میں سے میرے دوست اور میرے پیارے وہ بھی ہیں جو میرے ذکر کی وجہ سے یاد کئے جاتے ہیں اور میں ان کے ذکر کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہوں (گویا میرا اور ان کا ذکر لازم وملزوم ہے)۔‘‘

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر و الدعاء و التوبة و الاستغفار، باب: الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ، ۴: ۲۰۶۱، رقم: ۲۶۷۵

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب ما جاء أَنَّ للہ ملائکة سَیَّاحِیْنَ فی الأرض، ۲: ۵۵۳، رقم: ۳۶۰۳

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۱: ۴۵۱، رقم: ۶۸۱

(۲) طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۲۰۳، رقم: ۶۵۱

۴۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مستجاب الدعوات ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ ان بندوں کو اتنا محبوب جانتا ہے کہ ان کی دعاؤں کو ہمیشہ شرفِ قبول عطا کرتا ہے اور کبھی رد نہیں فرماتا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثَـلَاثَةٌ لَا يَرُدُّ اللهُ دُعَاءَ هُمْ: الذَّاكِرُ اللهَ كَثِيْرًا، وَ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ، وَالإِمَامُ الْمُقْسِطُ۔ (۱)

’’تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی دعا اللہ (تعالیٰ) رد نہیں فرماتا: کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے والا، مظلوم کی پکار، عادل حکمران۔‘‘

۵۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ دل ہوتے ہیں

ذکرِ الٰہی دلوں کی زندگی کی علامت ہے جو دل ذکر سے غافل ہے وہ زندہ نہیں مردہ ہے۔ سو ذاکرین ہی وہ بندے ہیں جو حقیقت میں زندہ ہیں کیونکہ ان کے دل ذکرِ الٰہی سے شاد و آباد ہوتے ہیں۔ حدیثِ مبارکہ میں ذاکر کو زندہ اور ذکرِ الٰہی سے محروم شخص کو مردہ کہا گیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَ الَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔ (۲)

’’اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور اپنے رب کا ذکر نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔‘‘

ایک حدیث مبارکہ میں غافل بندوں کے درمیان ذکر کرنے والے کو سرسبز و

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۱: ۴۱۹، رقم: ۵۸۸

(۲) بخاری، الصحیح، أبواب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزوجل، ۵: ۲۳۵۳، رقم: ۶۰۴۴

شاداب درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ امام مناوی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں:

وَذَاكِرُ اللهِ فِي الْغَافِلِيْنِ كَمَثَلِ الشَّجَرَةِ الْخَضْرَاءِ فِي وَسَطِ الشَّجَرِ الَّذِي قَدْ تَحَاتَّ مِنَ الصَّرِيْدِ۔(۱)

''غافلوں کے بیچ میں ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے سوکھے اور ٹوٹے ہوئے درختوں کے درمیان سبز درخت ہوتا ہے۔''

۶۔ گناہوں کے بوجھ سے چھٹکارا پائیں گے

اللہ تعالیٰ کی یاد میں سرمست رہنے والے بندوں سے روزِ قیامت گناہوں کا بوجھ ہٹا دیا جائے گا اور وہ اللہ کی بارگاہ میں تمام آلودگیوں سے پاک وصاف ہو کر حاضر ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سَبَقَ الْمُفْرِدُوْنَ۔

''مفردون سبقت لے گئے''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

وَ مَا الْمُفْرِدُوْنَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟

''یا رسول اللہ! مفردون کون ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْتَهْتَرُوْنَ فِي ذِكْرِ اللهِ، يَضَعُ الذِّكْرُ عَنْهُمْ أَثْقَالَهُمْ فَيَأْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِفَافًا۔(۲)

---

(۱) مناوی، فیض القدیر، ۳: ۷۴۷، رقم: ۴۳۱

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب فی العفو والعافیة، ۵: ۵۴۷، رقم: ۳۵۹۶

←

’’مفردون وہ لوگ ہیں جنہیں ذکرِ الٰہی کے نشہ نے فریفتہ اور دیوانہ بنا دیا ہے، ذکر ان کے بوجھ اتار دے گا اور وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس ہلکے پھلکے ہوکر آئیں گے۔‘‘

۷۔ روزِ محشر سایۂ ایزدی میں جگہ پائیں گے

خشیتِ الٰہی سے آنسو بہانے والے ذاکرین وہ خوش نصیب ہیں جنہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سایہ عاطفت میں جگہ عطا ہوگی۔ چنانچہ قیامت کی سختیوں کا ان کے قریب سے گزر تک نہیں ہو گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ ...... وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا، فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ۔ (۱)

’’سات شخص ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا، اس روز کہ جب سوائے اس کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا ...... اور ان میں سے ایک شخص وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کیا اور اس کے خوف سے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔‘‘

.... ۲۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۱: ۳۹۰، رقم: ۵۰۶

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجماعة و الإمامة، باب: من جلس فی المسجد ینتظر الصلاة و فضل المساجد، ۱: ۲۳۴، رقم: ۶۲۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب فضل إخفاء الصدقة، ۲: ۷۱۵، رقم: ۱۰۳۱

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الزهد عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب: ما جاء فی الحب فی الله، ۴: ۱۹۷، رقم: ۲۳۹۱

۸۔ روزِ محشر درجہ میں افضل ترین ہوں گے

ذکر دیگر عبادات سے افضل ہے اور ذاکرین قیامت کے دن درجہ میں دیگر بندوں سے افضل ہوں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا:

أَيُّ الْعِبَادِ أَفْضَلُ دَرَجَةً عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟

’’کون لوگ قیامت کے دن اللہ (تعالیٰ) کے ہاں درجہ میں افضل ہونگے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَالذَّاكِرَاتُ۔

جو کثرت سے اللہ (تعالیٰ) کا ذکر کرنے والے اور کرنے والیاں ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

’’یا رسول اللہ! اللہ (تعالیٰ) کی راہ میں جہاد کرنے والے بھی؟‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’اگر کوئی شخص اپنی تلوار کافروں اور مشرکوں پر اس قدر چلائے کہ وہ ٹوٹ جائے اور خون آلود ہو جائے پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والے درجہ میں افضل ہیں۔‘‘(۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الدعوات، باب ما جاء في فَضْلِ الذِّكْرِ، ۵: ۳۸۸، رقم: ۳۳۷۶

لَيَذْكُرَنَّ اللهَ قَوْمٌ فِي الدُّنْيَا عَلَى الْفُرُشِ الْمُمَهَّدَةِ يُدْخِلُهُمُ الدَّرَجَاتِ الْعُلىٰ۔(۱)

’’دنیا میں کچھ لوگ بچھے ہوئے پلنگوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے، وہ انہیں جنت کے بلند درجات میں داخل کرے گا۔‘‘

۹۔ مسکراتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے

یہ اللہ کے وہ مقرب بندے ہیں جو روزِ قیامت ہر قسم کے غم وحزن سے آزاد مسکراتے ہوئے جنت میں جائیں گے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِيْنَ لَا تَزَالُ أَلْسِنَتُهُمْ رَطْبَةً مِنْ ذِكْرِ اللهِ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ هُمْ يَضْحَكُوْنَ۔(۲)

’’جن لوگوں کی زبانیں ذکرِ الٰہی سے ہمیشہ تر رہتی ہیں وہ جنت میں مسکراتے ہوئے داخل ہونگے۔‘‘

۱۰۔ نورِ خدا کے حامل ہوتے ہیں

ذکر کرنے والے کا چہرہ دنیا میں بھی پر رونق ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اس پر نور ہوگا اور یہ نور آخرت میں پل صراط پر روشنی مہیا کرے گا۔ قرآن حکیم میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے۔

---

(۱) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۳۵۹، رقم: ۱۱۱۰

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۱۲۴، رقم: ۳۹۸

(۲) ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۱۷۹، رقم: ۳۵۰۴۳

وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ(۱)

’’ہم نے اس کے لئے (ایمان و معرفت کا) نور پیدا فرما دیا (اب) وہ اس کے ذریعے (بقیہ) لوگوں میں (بھی روشنی پھیلانے کے لئے) چلتا ہے۔‘‘

ذاکرین کے دل اپنے محبوب کی یاد میں ہر لحظہ مگن رہتے ہیں۔ ان کی زبانیں حالتِ بیداری میں دنیوی امور کی انجام دہی کے وقت تو شاید اللہ کے ذکر سے رک سکیں لیکن ان کے دل سوتے جاگتے کسی حالت میں بھی غفلت کا شکار نہیں ہوتے۔ قرآن مجید میں ان کے متعلق یوں شہادت فراہم کی گئی ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ(۲)

’’(اللہ کے اس نور کے حامل وہی مردان (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے (بلکہ دنیوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔‘‘

اس آیۂ کریمہ کا اشارہ اس طرف ہے کہ جب لوگ کاروبار اور تجارتی لین دین میں مصروف ہوتے ہیں اور دنیوی معاملات نبٹاتے ہوئے ان کا دل و دماغ، سوچ اور جسم سب دنیاداری میں مگن ہوجاتے ہیں تو اس وقت وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو کر دنیوی کاروبار کو دین اور یادِ الٰہی سے الگ سمجھتے ہیں مگر وہ مردانِ حق جن کا ایمان پختہ ہوجاتا ہے وہ ذکرِ الٰہی کی برکت سے اللہ کی بندگی کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور بندگی کا حق

(۱) الانعام، ۶: ۱۲۲

(۲) النور، ۲۴: ۳۷

ادا کرتے ہیں۔ ان کا جسم اگرچہ معاملاتِ دنیا میں مصروف رہتا ہے لیکن وہ یادِ خدا سے بے خبر نہیں ہوتے۔ جب بندے کو ذکر کا یہ مقام نصیب ہوجاتا ہے تو وہ جو کام بھی کرے اس کا دل اللہ کی یاد میں مست و بے خود رہتا ہے۔ گویا جب بندے کی یہ حالت ہوجائے تو ''ہتھ کار ول دل یار ول'' کا مصداق بن جاتا ہے۔ اس کا دنیوی کام بھی عبادت بن جاتا ہے، اس کی زندگی کا ہر لمحہ بندگی قرار پاتا ہے۔اس تصور کو سمجھنے کے لئے ہم یہاں بطور مثال ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔

خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کے ذکر وعبادت کا حال

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کے پاس ایک مرتبہ ایک عالم دین حصولِ فیض و برکت کے لئے حاضر ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ اور ان کے دربار کے اکثر حضرات بڑے وقار اور شان وشوکت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ حیران ہوا اور یہ قیاس کرتے ہوئے دل ہی میں بیزاری ظاہر کی کہ کہاں درویشی اور کہاں یہ شاہانہ آن بان، اس کے خیال میں درویش وہ ہوتا ہے جس کے کپڑے پھٹے پرانے، لنگوٹا کسا ہوا ہو، ہاتھ میں لوٹا اور مصلٰی ہو اور کھانے پینے کے لئے کچھ پاس نہ ہو۔ اس کی نظر میں ایسا شخص جو بظاہر ٹھاٹھ باٹھ سے رہتا ہو اور اسے زندگی کی ہر سہولت میسر ہو وہ درویشی کا دعوے دار کیونکر ہوسکتا تھا۔

غرضیکہ وہ عالم دین حضرت کا یہ حال دیکھ کر ان سے باغی ہوگیا اور یہ سوچ کر واپس جانے لگا کہ ایسے لوگوں سے فیض کہاں مل سکتا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا علیہ الرحمۃ اس کی باطنی حالت سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لیے آپ علیہ الرحمۃ نے انہیں روک لیا اور اس کا بستر اور مصلٰی آپ کے کمرے میں بچھا دیا گیا۔ آپ نے نمازِ عشاء ادا فرمائی، حسبِ معمول کچھ وظائف پڑھے اور بستر میں جا کر آرام فرما ہو گئے۔ پچھلی رات اٹھے، نمازِ تہجد ادا فرمائی اللہ کو یاد کیا اور دوبارہ اپنے بستر پر لیٹ گئے نماز فجر کے وقت پھر بستر سے اٹھے اور نماز ادا فرمائی۔

ادھر وہ عالمِ دین نمازِ عشا پڑھ کر اپنے مصلیٰ پر بیٹھا، رات بھر تسبیح و مناجات کرتا، نوافل پڑھتا رہا۔ اب تک تو اس نے حضرت کو دن میں دیکھا تھا۔ جب رات بھی اچھی طرح ملاحظہ کر لی تو رہی سہی عقیدت اور امید بھی ختم ہوگئی۔ وہ مزید بدظن ہوگیا اور سوچنے لگا کہ ''یہ عجیب اللہ کا ولی ہے ولایت میں اس کی شہرت دور دور تک ہے اور اس کی ذاتی زندگی کا یہ عالم کہ دن بادشاہوں کی طرح گزارتا ہے اور رات مزے سے خوابِ استراحت کے مزے لوٹتا ہے۔ ایسا شخص بھلا ولایت کی بلندیوں کو کیسے حاصل کرسکتا ہے؟ وہ جب اپنی عبادت گزاری پر نگاہ ڈالتا تو یہ سوچتا کہ اس سے تو ہم لوگ بہتر ہیں جو اگرچہ شہرت اس قدر نہیں رکھتے مگر ان سے عبادت و ریاضت میں کہیں بڑھ کر ہیں۔ میں نے ساری رات مصلیٰ پر گزاری ہے جبکہ وہ صرف نمازِ عشا اور نمازِ تہجد کے وقت تھوڑی دیر کے لئے مصلیٰ پر بیٹھے۔

انہیں خیالات اور قیاس آرائیوں میں اس کو نیند آ گئی دراصل اللہ نے دونوں عبادتوں کا فرق سمجھانے کے لئے اس کی عبادت و بندگی کو خواب میں اس کے سامنے ایک نور کی مانند ظاہر کیا اور خواجہ نظام الدین اولیاء کی عبادت کو بھی ایک نور کی صورت میں، مگر فرق یہ تھا کہ اس شخص کی عبادت کا نور ٹمٹماتے ہوئے چراغِ سحر کی طرح اور خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کی عبادت کا نور زمین سے لے کر آسمان اور عرشِ معلیٰ تک ایک روشن ستون کی صورت میں اس طرح نظر آیا کہ ہزارہا فرشتے اس نور کے گرد مستانہ وار طواف کرنے میں مصروف تھے۔ وہ شخص یہ منظر دیکھتے ہی دہل گیا اور حقیقت حال سے باخبر ہونے پر حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کے قدموں میں گر پڑا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے معافی مانگی اور عرض کرنے لگا ''حضرت میں اپنے غلط گمان سے توبہ کرتا ہوں لیکن آپ رضی اللہ عنہ یہ سمجھا دیں کہ اصل ماجرا کیا ہے؟

آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: مولانا! بندہ جب تک مردِ کامل نہیں ہوتا اس کا سونا جاگنا جدا نوعیت کا ہوتا ہے مگر بندہ جب خداوند تعالیٰ کے ذکر اور اس کی محبت میں غرق ہو

کر اپنا آپ فنا کر دے تو اب وہ سوئے تب بھی عبادت ہے، جاگے تب بھی عبادت ہے۔ اس لئے کہ عین ممکن ہے جاگنے والا زبان سے اللہ کا ذکر کر رہا ہو مگر اس کا دل اس کے ذکر سے غافل ہو اور ایک شخص جو بظاہر سو رہا ہو مگر اس کا دل نیند کی حالت میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔ کسی کو کیا خبر کہ سونے والا کس حال میں سو رہا ہے؟ اس لئے محض ظاہر دیکھ کر کسی کو متقی یا غافل قرار نہیں دینا چاہئے ہوسکتا ہے صرف فرض نماز پڑھنے والا اپنے خلوص اور باطنی احوال کی وجہ سے اس عبادت گزار سے ہزارہا درجے بہتر ہو جو ساری رات مصلے پر بیٹھا رہا۔

آپ علیہ الرحمۃ نے ایک مثال کے ذریعے یہ تصور مزید ذہن نشین کرایا کہ ایک معصوم بچہ جس کی نہ اپنی رائے ہوتی ہے اور نہ ارادہ، سوتے جاگتے ماں کو پیارا لگتا ہے، ماں ہر حال میں اسے چومتی اور اس کی بلائیں لیتی ہے لیکن وہی بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو اس کے لئے ماں کی ممتا میں اگرچہ بظاہر پیار کی وہ پہلے جیسی کیفیت نہیں ہوتی۔ اس کی ماں اسے صاحب ارادہ و اختیار دیکھ کر اس سے کسی قدر بے پروا ہو جاتی ہے، اسی طرح بندۂ مومن جب خدا کی محبت میں اپنا ارادہ اور اختیار ختم کر کے رضائے الٰہی کا طالب بن جاتا ہے تو وہ بہرحال ماں سے زیادہ خداوند قدوس کی محبت کا مستحق ہوتا ہے اس حالت میں اس کا چلنا پھرنا، کھانا پینا، بھوکا پیاسا رہنا، سونا جاگنا، ہنسنا رونا، اس کا کلام وسکوت الغرض زندگی کی ساری حرکات وسکنات اللہ کے ذکر ومحبت کے باعث اللہ تعالیٰ کی عبادت بن جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ، احادیثِ مبارکہ اور اللہ کے ایک ولی کے حال سے ذاکرین کی حقیقت واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے ذاکر بندوں پر کثرت سے لطف وکرم اور فضل و انعام فرماتا ہے اور انہیں نہ صرف اپنی معرفت بلکہ اپنے قُرب سے بھی نوازتا ہے۔

مجالسِ ذکر کی فضیلت

مجالس، مجلس کی جمع ہے۔ اس کا معنی باہم اکٹھا ہونا اور اجتماع کرنا ہے۔[1]

اجتماعی ذکر جذبات و خیالات میں یکسوئی، باہمی محبت اور ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ ایک جگہ جمع ہو کر اور کسی اللہ والے کی مجلس میں بیٹھ کر ذکر کرنے سے ایسا روحانی ماحول بنتا ہے جس سے دوسروں میں ذکرِ الٰہی کا شوق و جذبہ اور رجحان فروغ پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اجتماعی ذکر کا حکم فرمایا ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا○[2]

’’(اے میرے بندے) تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھا کر جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس کی رضا کے طلبگار رہتے ہیں (اس کی دید کے متمنی اور اس کا مکھڑا تکنے کے آرزو مند ہیں) تیری (محبت اور توجہ کی) نگاہیں ان سے نہ ہٹیں کیا تو (ان فقیروں سے دھیان ہٹا کر) دنیوی زندگی کی آرائش چاہتا ہے اور تو اس شخص کی اطاعت (بھی) نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے اور وہ اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے○‘‘

امام طبرانی اور جریر علیهما الرحمة نے حضرت عبد الرحمٰن بن سہیل رضی اللہ عنهما کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی اکرم ﷺ اپنے ایک گھر میں تشریف فرما تھے لہٰذا آپ ﷺ گھر سے نکلے اور ان لوگوں کو تلاش کرنے لگے جو اللہ

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۶: ۴۰

(۲) الکہف، ۱۸: ۲۸

تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے ایک قوم کو پایا جو اللہ کے ذکر میں مشغول تھی۔ ان میں سے ایسے بھی تھے جن کے سروں کے بال پراگندہ تھے۔ جسم لاغر اور تن ڈھانپنے کے لئے صرف ایک ہی کپڑا تھا۔ آپ ﷺ انہیں دیکھ کر وہاں بیٹھ گئے اور فرمایا: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے۔ جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ان کے ہمراہ صبر سے بیٹھوں۔‘‘[۱]

اس آیت کے حصہ ’’مَعَ الَّذِیْنَ‘‘ سے مراد اجتماعی ذکر اور حلقہ ذکر قائم کرنا ہے۔ احادیث مبارکہ میں مجالس ذکر کی بہت زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس حوالہ سے چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ مجالسِ ذکر میں اَنوارِ الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے

مجالسِ ذکر کے شرکاء پر اللہ رب العزت کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما دونوں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللهَ ﷻ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِکَةُ، وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ، وَ ذَکَرَهُمُ اللهُ فِیْمَنْ عِنْدَهُ[۲]

---

(۱) سیوطی، الحاوی للفتاوی، ۱: ۳۹۲

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر و الدعاء و التوبة و الاستغفار، باب: فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن، وعلی الذکر، ۴: ۲۰۷۴، رقم: ۲۷۰۰
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب: ما جاء فی الْقَومِ یَجْلِسُونَ فَیَذْکُرونَ اللهَ عَزَّوَ جَلَّ مَالَـهُمْ مِن الْفَضْلِ، ۵: ۳۹۰، رقم: ۳۳۷۸

''جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں انہیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ انکا تذکرہ اپنی جماعت میں کرتا ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ مجالسِ ذکر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں مکہ معظّمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے مقامِ ولادت پر حاضر تھا۔ یہ دن آپ ﷺ کی ولادتِ مبارک کا دن تھا لوگ وہاں جمع تھے۔ آپ ﷺ پر درود و سلام بھیج رہے تھے اور آپ ﷺ کی ولادت پر آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے جو معجزات اور خوارق ظاہر ہوئے تھے ان کا ذکر کر رہے تھے، میں نے دیکھا کہ اس موقع پر یکبارگی انوار الٰہیہ کا ظہور ہوا۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ ان انوار کو میں نے جسم کی آنکھ سے دیکھا یا روح کی آنکھ سے مشاہدہ کیا بہرحال اس معاملہ کو صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ جسم کی آنکھ اور روح کی آنکھ کے بین بین کونسی حس تھی جس سے میں نے ان انوار کو دیکھا۔ پھر میں نے ان انوار پر مزید توجہ کی تو ان فرشتوں کے فیض کا اثر نظر آیا جو اس قسم کے مقامات اور اس نوع کی مجالس پر موکل ہوتے ہیں۔ الغرض اس مقام پر میں نے دیکھا کہ فرشتوں کے انوار بھی انوار رحمت سے خلط ملط ہیں۔''(۱)

حقیقت یہ ہے کہ مجالسِ ذکر میں انوار اترتے ہیں لیکن مادیت کے اسیر ذہن اسی الجھن میں کھوئے رہتے ہیں کہ نامعلوم محفل میں انسان کو کچھ نصیب ہوتا بھی ہے یا نہیں۔ انسانوں کی طبائع مختلف اور مزاج متنوع ہوتے ہیں بعض طبائع تاثیرات کو بہت جلد جذب کرتی ہیں اور بعض کو خاصا وقت لگ جاتا ہے۔ اس فرق کا نتیجہ وقت کے ساتھ ہی ظاہر ہوتا ہے، تاہم یہ گمان بھی نہیں کرنا چاہئے کہ اہل اللہ کی صحبت یا ذکرِ الٰہی میں تاثیر

(۱) شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین: ۳۴

نہیں۔ بلکہ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ کوئی شخص خواہ اپنے دل میں زنگ، کی سیاہی، ذہنی پراگندگی، روح کی تاریکی، غفلت اور ہوس وطمع جیسی آلائشیں لے کر محفل ذکر میں شریک ہو اور تسلسل کے ساتھ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرے اور کثرت سے ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے تو ممکن نہیں کہ اس کے دل کی دنیا بدل نہ جائے اور اس کے دن رات متغیر نہ ہوجائیں۔

۲۔ مجالسِ ذِکر پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے

مجلسِ ذکر میں بیٹھنے والا عام انسان بھی اللہ کی بخشش و رحمت سے محروم نہیں رہتا کیونکہ اہل ذکر کے مَن کی دنیا اللہ کے ذکر سے روشن ہو جاتی ہے اُنہیں اِس کارخانہ قدرت کی ہر چیز میں اس محبوب حقیقی کا جلوۂ حسن نظر آتا ہے اور ان کے دل میں ہر وقت یادِ الٰہی کا چراغ روشن رہتا ہے۔ جب وہ ذکر کر رہے ہوتے ہیں تو فرشتے نازل ہوکر ان کے لئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں اور ان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ جب اللہ جل جلالہ کے ذکر کی مجلس ہوتی ہے تو ہزاروں فرشتے ایسی مجالس کی تلاش میں زمین پر گھومتے رہتے ہیں جہاں انہیں اللہ کے ذکر کی مجلس مل جائے وہ اس میں شامل ہوجاتے ہیں۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''بے شک اللہ تبارک و تعالٰی کے کچھ گشت کرنے والے فرشتے ہیں جو ذکر کی مجالس کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ جب وہ ذکر کی کوئی مجلس دیکھتے ہیں تو ان (ذاکرین) کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے پروں سے بعض (فرشتے بعض) دوسرے فرشتوں کو ڈھانپ لیتے ہیں۔حتی کہ زمین سے لے کر آسمان دنیا تک کی فضا فرشتوں سے بھر جاتی ہے۔ جب ذاکرین مجلس سے اٹھ جاتے ہیں تو یہ فرشتے آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں پھر (اللہ رب العزت) ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ اس کو ان سے زیادہ علم ہوتا ہے، تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین سے تیرے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو **سبحان**

اللہ ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور **الحمد للہ** کہہ رہے تھے اور تجھ سے سوال کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ مجھ سے کیا سوال کر رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ وہ تجھ سے تیری جنت کا سوال کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کیا انہوں نے میری جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں اے رب! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ میری جنت کو دیکھ لیتے تو (پھر ان کی کیا کیفیت ہوتی؟) پھر فرشتے عرض کریں گے (اے رب!) وہ تجھ سے پناہ طلب کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب! تیری دوزخ سے پناہ مانگتے تھے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے میری دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ میری دوزخ کو دیکھ لیتے تو پھر کس قدر پناہ مانگتے؟ (پھر) فرشتے عرض کرتے ہیں اور وہ تجھ سے استغفار کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ان کو بخش دیا اور جو کچھ انہوں نے مانگا وہ میں نے ان کو عطا کر دیا اور جس چیز سے انہوں نے پناہ مانگی اس سے میں نے ان کو پناہ دے دی۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں: اے میرے رب! ان میں فلاں بندہ خطا کار تھا وہ اس مجلس کے پاس سے گزرا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اس کو بھی بخش دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں کیا جاتا۔‘‘(۱)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر و الدعاء و التوبۃ والاستغفار، باب فضل مجالس الذکر، ۴: ۲۰۶۹، رقم: ۲۶۸۹

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزوجل، ۵: ۲۳۵۳، رقم: ۶۰۴۵

۳۔ ذاکرینِ مجلس کے گناہ نیکیوں میں بدل دیے جاتے ہیں

کچھ ایسے سعادت مند بندے ہوتے ہیں جو صرف اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے ذکر کی محافل سجاتے ہیں، ایسے خوش نصیب بندوں کی برائیاں نیکیوں میں بدل دی جاتی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کچھ لوگ محض اللہ کی رضا جوئی کی خاطر اجتماعی طور پر اس کا ذکر کرتے ہیں تو آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے:

قُوْمُوْا مَغْفُوْرًا لَکُمْ، فَقَدْ بُدِّلَتْ سَیِّئَاتُکُمْ حَسَنَاتٌ۔ (۱)

کھڑے ہو جاؤ! تمہیں بخش دیا گیا ہے۔ تمہارے گناہ نیکیوں میں بدل دیئے گئے ہیں۔‘‘

۴۔ ذاکرینِ مجلس پر فرشتے فخر کرتے ہیں

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب ذاکرین اکٹھے ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ان پر فخر فرماتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں تشریف لائے اور فرمایا: کس بات نے تم لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اللہ کے ذکر اور اس کی حمد و ثنا کے لئے بیٹھے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے ہیں انہوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے فرشتوں کے سامنے اظہارِ فخر فرما رہے ہیں۔‘‘ (۲)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۴۲، رقم: ۱۲۴۸۰

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۹: ۱۶۷، رقم: ۴۱۴۱

۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۱: ۴۰۱، رقم: ۵۳۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر و الدعاء و التوبۃ الاستغفار، باب ←

۵۔ مجالسِ ذکر جنت کے باغات ہیں

ذکر کی مجالس کو جنت کے باغات سے اور ذکر کو جنت کے میوہ جات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جب بندہ خلوصِ دل سے ایسی محافل میں شرکت کا طالب ہوتا ہے تو خود اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی فرما دیتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا۔

’’جب تم جنت کے باغیچوں سے گزرو تو خوب کھایا کرو۔‘‘

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!

مَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟

’’جنت کے باغیچے کیا ہیں؟‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’حَلَقُ الذِّكْرِ‘‘ ذکر کے حلقے۔‘‘(۱)

۶۔ مجالسِ ذکر دنیاو آخرت کی بھلائی سمیٹنے کا ذریعہ ہیں

حضرت ابو رزین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

.... فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، و على الذكر، ۴: ۲۰۷۵، رقم: ۲۷۰۱

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الدعوات، باب: ما جاء فی القوم يَجلسون فَيذكرون الله عزوجلّ ما لَهُمْ من الْفضلِ ۵: ۳۹۰، رقم: ۳۳۷۹

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الدعوات، باب ما جاء فی عقد التسبيح باليد، ۵: ۴۸۸، رقم: ۳۵۱۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۵۰، رقم: ۱۲۵۵۱

أَلَا أُدُلُّكَ عَلَى مَلَاكِ هَذَا الْأَمْرِ الَّذِي تُصِيْبُ بِهِ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ عَلَيْكَ بِمَجَالِسِ أَهْلِ الذِّكْرِ ۔(۱)

’’کیا میں تجھے ایسے بہترین عمل کی خبر نہ دوں جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی سمیٹ لو۔ (سنو!) اہل ذکر کی مجالس کو لازم پکڑو۔‘‘

۷۔ روزِ قیامت مجالسِ ذکر کے شرکاء کو قابلِ رشک اَجر دیا جائے گا

قیامت کے روز ہر شخص اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا، بعض کے چہرے نور سے منور ہونگے، اللہ تعالیٰ انہیں موتیوں کے منبروں پر بٹھائے گا، لوگ انہیں دیکھ کر رشک کریں گے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کچھ ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جن کے چہرے نور سے چمک رہے ہوں گے، وہ موتیوں کے منبروں پر ہونگے لوگ انہیں دیکھ کر رشک کریں گے نہ وہ انبیاء ہونگے اور نہ شہداء۔‘‘

ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی اپنے گھٹنے کے بل بیٹھ گیا اور کہنے لگا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ! حِلْهُمْ لَنَا نَعْرِفْهُمْ۔

’’یا رسول اللہ! آپ ان کا حلیہ ہمارے سامنے بیان فرمائیں تاکہ ہم انہیں پہچان سکیں۔‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هُمُ الْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللهِ مِنْ قَبَائِلِ شَتَّى وَبِلَادِ شَتَّى يَجْتَمِعُوْنَ عَلَى ذِكْرِ اللهِ يَذْكُرُوْنَهُ۔(۲)

---

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۶: ۴۹۳، رقم: ۹۰۲۴

(۲) ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰: ۷۷، رقم: ۱۶۷۷۰

''یہ وہ ہیں جو مختلف قبیلوں اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔''

۸۔ مجالسِ ذکر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ وہ ایک دوسرے کو مجلس میں مل بیٹھ کر ذکر کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت اسود بن ھلال محاربی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا:

اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً، يَعْنِي نَذْكُرُ اللّٰهَ.(۱)

''ہمارے ساتھ بیٹھو کہ ہم ایک گھڑی کے لئے ایمان لائیں یعنی (ملکر) اللہ کا ذکر کریں۔''

امام طبرانی ''المعجم الاوسط'' میں حضرت عبد اللہ رومی علیہ الرحمۃ سے روایت نقل کرتے ہیں: ''ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بازار سے گزرے اور رک کر لوگوں سے فرمانے لگے: اے اہل بازار! تمہیں وہاں جانے سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ لوگوں نے عرض کی، اے ابو ہریرہ! وہاں کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: وہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم یہاں ہو تم کیوں نہیں جاتے تا کہ اس میں سے اپنا حصہ لے لو؟ انہوں نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسجد میں، لوگ فوراً مسجد کی طرف روانہ ہوگئے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں کھڑے رہے یہاں تک کہ لوگ واپس آ گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: ابو ہریرہ! ہم مسجد میں گئے لیکن وہاں ہم نے کچھ تقسیم ہوتے ہوئے نہیں دیکھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسجد میں تم نے کسی کو نہیں دیکھا انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو ذکر کر

(۱) ابن أبي شيبة، المصنف، ٦: ١٦٤، رقم: ٣٠٣٥٤

رہے تھے اور کچھ لوگ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اور کچھ حلال و حرام کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث ہے۔‘‘[۱]

۹۔ مجالسِ ذکر سے متعلق ایک تابعی کا قول

ایک تابعی حضرت سفیان بن عیینہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

’’جب لوگ اکٹھے ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو شیطان اور دنیا ان سے الگ ہو جاتے ہیں اور شیطان دنیا سے کہتا ہے تو نے دیکھا یہ کیا کرتے ہیں؟ تو دنیا کہتی ہے کر لینے دے جب فارغ ہونگے تو انہیں پکڑ کر تیری طرف لاؤں گی۔‘‘[۲]

۱۰۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں منقول ایک دعا

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

إلهی إذا رأیتنی أجاوز مجالس الذاکرین إلی مجالس الغافلین فاکسر رجلی دونهم فإنها نعمة تنعم بها علی۔[۳]

’’اے اللہ! اگر تو مجھے ذاکرین کی مجلس سے اٹھ کر غافلین میں جاتا دیکھے تو میرے پاؤں توڑ دے کیونکہ وہ مجھ پر تیری نعمت ہے۔‘‘

مذکورہ بالا تمام احادیثِ مبارکہ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے واضح ہوا کہ مجالسِ ذکر کا قیام اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے حلقہ ہائے ذکر کا انعقاد ایسا محبوب عمل ہے کہ فرشتے بھی ایسی مجالس کی تلاش میں رہتے ہیں اور جہاں کہیں انہیں پاتے ہیں وہاں

(۱) طبرانی، معجم الأوسط، ۲: ۱۱۴، رقم: ۱۴۲۹

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۲۹۶

(۳) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۲۹۶

ذاکرین کے ساتھ بیٹھ کر ان جیسا ذکر کرتے ہیں اور ان کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ ایسی محافل میں وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا ہم نشین بھی اللہ کے فضل و کرم اور رحمت و بخشش سے محروم نہیں رہتا۔ ان ذاکرین کی صحبت میں گنہگار بھی نجات حاصل کر لیتا ہے۔

ذِکر اِلٰہی کی اَقسام اور اُس کے اَثرات

کتبِ تصوف میں ذکرِ الٰہی کی عموماً دو اقسام کا تذکرہ ملتا ہے:

۱۔ ذکرِلسانی ۲۔ ذکرِقلبی

۱۔ ذکرِلسانی

ذکرِلسانی سے مراد جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے زبان سے اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ یہاں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ کیا ہر وقت اللہ اللہ کرتے رہنا ہی ذکرِ الٰہی کہلائے گا یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ذکر کے زمرے میں شامل ہو گی؟ یہ شبہ اس لئے ہوتا ہے کہ جب بندہ دوسرے دنیوی معاملات میں مصروف ہوتا ہے تو اس وقت وہ اللہ کا ذکر نہیں کر رہا ہوتا۔ اس کی توجہ معاشرتی، معاشی اور سماجی امور کی انجام دہی کی طرف ہوتی ہے۔ صاف ظاہر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ''بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا''[۱] کی شرط کے مطابق صبح و شام تو ذکر نہیں کر سکتا، اس لئے یہ بات توجہ طلب اور قابلِ وضاحت ہے کہ ذکرِ الٰہی کے کون سے امور ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں اور کون سے نہیں۔

یاد رہے کہ جس زبان پر ہر وقت نیکی، تقوی اور پاکیزگی کی بات ہو اسے ہمہ وقت سچائی کے لئے استعمال کیا جائے، وہ زبان حقوق العباد کی حمایت میں گفتگو کرے یا حلال روزگار کے پیشِ نظر کاروباری امور میں کلام کرے، بہرحال وہ نیکی میں شمار ہوگی۔ الغرض وہ سب معاملات جو اخلاص و تقوی پر مبنی ہوں اور درست ہوں ان کے متعلق بات کرنا بالواسطہ اللہ کے ذکر کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ بندہ جس نیکی کی بات کو اپنی

---

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۴۲

زبان پر لا رہا ہے در اصل وہ بھی اس کے رب کا حکم ہے۔گویا نیکی کی تلقین کرنا، جائز، حلال اور پاکیزہ کاموں کا حکم دینا، زہد و ورع، تقویٰ وطہارت کی بات کرنا یہ سب امور ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں اور یہی ''ذکر'' ذکر لسانی کہلاتا ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ نے ذکر لسانی کو خوبصورت عمل قرار دیا ہے۔حضرت ابو ثنا سعید بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ذِكْرُ اللهِ بِاللِّسَانِ حَسَنٌ جَمِيْلٌ۔(۱)

''زبان سے اللہ کا ذکر کرنا اچھا اور خوبصورت (عمل) ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ، حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ، كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ (ﷺ). وَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ (رضی اللہ عنہ): كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوْا بِذٰلِكَ إِذَا سَمِعْتُهُ ۔(۲)

''حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کا رواج تھا۔حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں لوگوں کے (نماز سے) فارغ ہونے کو اسی سے جان لیتا جب کہ اس (بلند آواز سے ذکر کرنے) کو سنتا۔''

ذکرِ الٰہی کا مقصود تو دل کے تار چھیڑنا ہے خواہ وہ گوشۂ تنہائی اور خلوت میں چھڑ

---

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۱: ۴۵۲، رقم: ۶۸۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صفۃ الصلاۃ، باب: الذکر بعد الصَّلَاۃِ، ۱: ۲۸۸، رقم: ۸۰۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب السلام للتحلیل من الصلوٰۃ ثم فراغھا و کیفیّتہ، ۱: ۴۱۰، رقم: ۵۸۳

جائیں یا مجلس ذکر میں جہاں ناقص الحال لوگوں کے علاوہ خدا کے صاحبِ حال بندے بھی ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسلسل ذکر کی ضربِ پیہم سے بھی مقصد حاصل نہیں ہوتا اور کبھی مجلسِ ذکر میں کسی بندۂ خدا کی صحبت سے گوہرِ مقصود مل جاتا ہے۔ لہٰذا طبیعت کے اندر سوزوگداز اور کیف و سرور پیدا کرنے کے لئے کثرت سے ذکرِ الٰہی کی محفلیں بپا کی جائیں، سینوں میں عشق کی ایسی آگ بھڑکا دی جائے اور وہ اس حد تک سوز پیدا کردے کہ اس کے بغیر یوں کیفیت ہوجائے جس طرح پانی کے بغیر مچھلی کی ہوتی ہے۔

ذکرِ لسانی کے فوائد و اثرات

ذکرِ لسانی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ذاکر کی توجہ کلماتِ ذکر پر رہتی ہے جس سے اس کا دل وسوسوں سے پاک ہو جاتا ہے، شوق و ذوق بڑھتا ہے اور رغبت و لذت کو جلا ملنا شروع ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ مسلسل ذکر کرنے سے ذاکر پر اشیاء کے حقائق منکشف ہونا شروع ہو جاتے ہیں، زبان پر اللہ تعالیٰ کا نام، دل میں اللہ کی یاد اور ذہن معرفتِ الٰہیہ میں منہمک ہوکر کائنات کی ہر چیز میں غور وفکر کرنے لگ جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۔(۱)

’’یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (میں کارفرما اس کی عظمت اور حسن کے جلوؤں) میں فکر کرتے رہتے ہیں (پھر اس کی معرفت سے لذتِ آشنا ہوکر پکار اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ (سب کچھ) بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا۔‘‘

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹۱

آیتِ کریمہ میں جن بندگانِ خدا کا ذکر ہے انہیں کارخانہ قدرت کی ہر چیز میں اسی محبوب کا جلوہ حُسن نظر آتا ہے۔ ان کا دل اللہ کی یاد کا مسکن بن جاتا ہے۔ انہیں محبوب کا ذکر سننے میں وہ راحت اور اس کا نام جپنے میں وہ تسکین حاصل ہوتی ہے جو کسی اور میں کہاں، آہستہ آہستہ ان کی کیفیت ذکرِ لسانی سے ذکرِ قلبی کی طرف منتقل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

۲۔ ذکرِ قلبی

قلبی ذکر سے مراد وہ ذکر ہے جو پوشیدہ ہو یعنی دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے۔ اس ذکر میں زبان خاموش رہتی ہے جبکہ دل بیدار اور متحرک ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک قلبی ذکر سے مراد براہِ راست یادِ الٰہی کے تصور کو اپنے دل میں جگہ دینا ہے اس کیفیت میں ان کے نزدیک استقامت نہایت ضروری ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ذکرِ قلبی کی اس طرح تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۝ (1)

’’اور اپنے رب کا اپنے دل میں ذکر کیا کرو، عاجزی و زاری اور خوف و خستگی سے اور میانہ آواز سے پکار کر بھی، صبح و شام (یادِ حق جاری رکھو) اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۝‘‘

’’صحیح ابن حبان‘‘ میں روایت ہے:

خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ۔ (2)

’’بہترین ذکر (ذکرِ) خفی ہے۔‘‘

---

(۱) الاعراف، ۷: ۲۰۵

(۲) ابن حبان، الصحیح، ۳: ۹۱، رقم: ۸۰۹

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ان کے حساب کے لئے جمع فرمائے گا اور اعمال لکھنے والے فرشتے جو کچھ انہوں نے لکھا ہوگا پیش کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو کوئی چیز اس کے اعمال میں سے رہ تو نہیں گئی؟ فرشتے جواب دیں گے اے ہمارے رب! ہم نے کوئی چیز جو ہمارے علم میں آئی نہیں چھوڑی۔ اور ہم نے اسے محفوظ کر لیا ہے اور لکھ لیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس شخص کو فرمائیں گے کہ میرے علم میں تیرا خفیہ عمل ہے۔ جسے تو نہیں جانتا اور میں تجھے اس کی خبر دوں گا اور وہ (عمل) ذکرِ خفی ہے۔‘‘(۱)

ذِکرِ قلبی کے فوائد و اَثرات

ذکرِ قلبی کے فوائد و اثرات میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دل کی بیماریوں جیسے حسد، بغض، دنیا کی محبت وغیرہ سے چھٹکارہ مل جاتا ہے اور دل کی صفائی کا عمل بھی شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے شیطان ذکرِ قلبی میں مصروف ذاکر پر زیادہ حملے کرتا ہے اور اس کے دل پر وسوسے، شکوک وشبہات، دنیوی خیالات کی بھرمار سے یلغار شروع کر دیتا ہے۔ اسی لئے ذکرِ قلبی کرنے والوں کو شروع میں دقت پیش آتی ہے۔ کیونکہ ان کے دل و دماغ میں ذکر کا ارتکاز نہیں ہو پاتا۔ لیکن اگر وہ مسلسل کوشش میں لگے رہیں تو جلد ہی ان کو اس ذکر میں یکسوئی اور استقامت حاصل ہونا شروع ہو جائے گی۔

ذِکرِ اِلٰہی کے آداب اور تقاضے

اسلام میں ہر شے کے کچھ نہ کچھ آداب ہوتے ہیں۔ جس طرح ہر کام کی

(۱) ۱۔ ہیثمی، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، ۱۰: ۶۳، رقم: ۱۶۷۹۶
۲۔ أبو یعلی، المسند، ۸: ۱۸۲، رقم: ۴۷۳۸

نوعیت مختلف ہوتی ہے اس طرح اس کے آداب بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی کا تعلق چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ اس لئے یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ ذکرِ الٰہی کے وہ کون سے آداب ہیں جنہیں اپنا کر ذکر سے فیوض و برکات اور انوار وتجلیات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ کتبِ تصوف میں صوفیاء کرام علیھم الرحمۃ کے نزدیک آدابِ ذکر کی تین اقسام بیان ہوئی ہیں:

۱۔ ذکر سے پہلے کے آداب

۲۔ دورانِ ذکر آداب

۳۔ بعد الذکر آداب

۱۔ قبل الذکر آداب

ذکر کرنے سے پہلے درج ذیل آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہیں:

(۱) جسمانی وقلبی طہارت

طہارت ایمان کا حصّہ ہے، اس کے معانی بدن، روح اور قلب کو ظاہری نجاستوں اور باطنی آلائشوں سے پاک وصاف کرنے کے ہیں۔[۱]

اسی لیے طہارت و پاکیزگی پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ○[۲]

’’اللہ طہارت شعار لوگوں سے محبت فرماتا ہے○‘‘

---

(۱) ۱۔ ابنِ منظور، لسان العرب، ۴: ۵۰۴

۲۔ ابراہیم أنیس، معجم الوسیط، ۲: ۵۶۸

(۲) التوبہ، ۹: ۱۰۸

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الإِيْمَانِ۔(۱)

’’طہارت ایمان کا حصہ ہے۔‘‘

کتبِ تصوف میں طہارت کی درج ذیل چار اقسام بیان کی گئی ہیں:

۱۔ ظاہری بدن کو ہر قسم کی نجاست و غلاظت وغیرہ سے پاک کرنا۔

۲۔ اعضائے بدن کو تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں اور خطاؤں سے پاک کرنا۔

۳۔ دل کو ہر قسم کے بُرے خیال، مذموم اخلاق مثلاً تکبّر، حسد، ریا کاری، کینہ اور ناپسندیدہ خصائل سے پاک کرنا۔

۴۔ اپنے باطن کو ما سوا اللہ سے پاک کرنا۔

جسمانی طہارت دراصل باطنی طہارت کا ایک ذریعہ ہے۔ جب انسان اپنے بدن اور اعضاء کو ظاہری طہارت کا پابند بناتا ہے۔ تو یہی طہارت آہستہ آہستہ اس کے قلب و روح پر اثر ڈال کر انہیں بھی پاکیزہ بنا دیتی ہے۔ ظاہری طہارت کے لئے جس طرح پانی کی ضرورت ہے اس طرح ندامت اور توبہ کے آنسوؤں سے قلبی اور باطنی طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ انسان جب ظاہری و باطنی آلائشوں سے پاک ہو کر عبادت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے دل میں عبادت کے نور سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور یاد جاگزیں ہو جاتی ہے۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ یاد نہیں رہتا، اس کا ہر کام اسی کی رضا کے لئے ہوتا ہے اور اس کا عکس اس کے قول و فعل میں نظر آتا ہے۔ جبکہ نجاست اور ناپاکی میں لتھڑا شخص شیطان کا ساتھی ہوتا ہے۔ اور ظلمت و تاریکی کی غاروں میں گم ہو جاتا ہے۔

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الطهارة، باب فضل الوضوء، ۱: ۲۰۳، رقم: ۲۲۳

(۲) خوشبو لگانا

خوشبو لگانا سنت نبوی ﷺ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ خوشبو لگانا بہت پسند فرماتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ خوشبو میرے لئے محبوب بنا دی گئی ہے۔(۱)

ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! میری بیٹی کا نکاح ہے اور میرے پاس خوشبو نہیں ہے، آپ کچھ عنایت فرما دیں۔ تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کل ایک کھلے منہ والی شیشی لے آنا، دوسرے روز وہ شخص شیشی لے کر حاضر ہوا۔ تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں نورانی بازوؤں سے اس میں پسینہ مبارک ڈالنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بھر گئی۔ پھر فرمایا: اسے لے جا اور بیٹی سے کہہ دینا کہ اسے لگا لیا کرے۔ پس جب وہ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو لگاتی تو تمام اہل مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچتی یہاں تک کہ اس کے گھر کا نام بیت المُطَیِّبِیْنَ (خوشبو والوں کا گھر) مشہور ہوگیا۔''(۲)

(۳) توبہ و استغفار کرنا

لفظ ''توبہ'' کا لغوی معنی ''نافرمانی سے لوٹ آنا ہے۔''(۳)

مگر شریعت میں توبہ سے مراد یہ ہے کہ انسان گناہ کو گناہ سمجھ کر ترک کردے،

---

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۸۵، رقم: ۱۴۰۸۳

(۲) ۱۔ أبو یعلی، المسند، ۱۱: ۸۲، رقم: ۶۲۹۵

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۳: ۱۹۰، ۱۹۱، رقم: ۲۸۹۵

(۳) فیروز آبادي، القاموس المحیط، ۱: ۴۱

اس کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ بھی کرے۔ اگر توبہ کے بعد ندامت وشرمندگی کا احساس باقی نہیں اور آئندہ کے لئے بھی گناہ سے باز نہیں رہتا تو وہ توبہ نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ (۱)

’’اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور رجوع کامل سے خالص توبہ کرلو۔‘‘

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلتَّوْبَةُ مِنَ الذَّنْبِ: أَنْ یَتُوْبَ مِنْهُ، ثُمَّ لَا یَعُوْدَ فِیْهِ (۲)

’’گناہ سے توبہ یہ ہے کہ (تائب) اس (گناہ) سے ایسی توبہ کرے کہ دوبارہ اس کی طرف نہ لوٹے۔‘‘

لہٰذا بندے پر لازم ہے کہ اپنے سابقہ گناہوں سے خلوصِ دل سے تائب ہو اور اپنے اعمال وافعال بھی ایسے کر لے کہ دوبارہ گناہوں کی طرف رجوع نہ کرے۔

(۴) خاموشی وسکون

ذکرِ الٰہی سے قبل اس چیز کا خیال رکھنا چاہئے کہ جہاں ذکر کیا جائے وہاں خاموشی، سکون ہو تاکہ دورانِ ذکر کسی قسم کا خلل پیدا نہ ہو اور مکمل یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاسکے۔

(۵) کم بولنا

ذاکر کے لئے کم بولنا بہت ضروری ہے کیونکہ زیادہ گفتگو دل کو یادِ الٰہی سے غافل

(۱) التحریم، ۶۶: ۸

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۴۶، رقم: ۴۲۶۴

۲۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۵: ۳۸۷، رقم: ۷۰۳۶

کر دیتی ہے۔ حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ قوت گویائی جتنی بڑی نعمت ہے اتنی بڑی خرابی کا سرچشمہ بھی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيمِ اللِّسَانِ۔ (۱)

''میں اپنی اُمت پر سب سے زیادہ خوف زدہ ہر اس منافق سے ہوں جس کی زبان عالم ہو۔''

(۶) کم کھانا

ذاکر کے لئے کم کھانا بہت ضروری ہے کیونکہ سیر ہو کر کھانے سے نیند کا غلبہ اور غنودگی چھا جاتی ہے۔ اس لئے ذکرِ الٰہی سے قبل کھانا پیٹ بھر کر کھانے سے اجتناب کیا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غذا بہت سادہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت کم مقدار میں کھانا تناول فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

إِنْ كُنَّا آلَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَنَمْكُثُ شَهْرًا مَا نُوْقِدُ فِيْهِ بِنَارٍ مَا هُوَ إِلَّا التَّمْرُ وَ الْمَاءُ۔ (۲)

''ہم آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک مہینہ اس طرح سے گزارتے کہ گھر میں آگ نہ سلگائی جاتی (کیونکہ کھانا پکانے کے لئے کچھ نہ ہوتا) اور ہمارا کھانا یہی ہوتا کھجور اور پانی۔''

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۲، رقم: ۱۴۳

۲۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۲: ۲۸۴، رقم: ۱۷۷۵

(۲) ابن ماجة، السنن، کتاب الزهد، باب معیشة آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۴: ۴۸۵، رقم: ۴۱۴۴

علاوہ ازیں ذکر سے قبل آدابِ ذکر کے لئے جو شرائط ضروری شمار ہوتی ہیں ان میں سے فراغت، خلوت، (بند حجرہ اور نیم تاریک کمرہ) پاکیزہ مقام، اجلا لباس، قبلہ رخ، دو زانو یا چار زانو (دو زانو زیادہ بہتر ہے) بیٹھنا اور اپنے شیخ کا تصور کرنا وغیرہ۔

۲۔ دورانِ ذکر آداب

بحالتِ ذکر درج ذیل آداب بجا لانا ضروری ہیں:

۱۔ دو زانو قبلہ رخ بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا۔

۲۔ آنکھیں بند کرنا۔

۳۔ اس ذکر کے ذریعے حصولِ مقصد پر کلی اعتماد رکھنا

۴۔ اپنے دل سے خطرات و خیالات کو دور کرنا۔

۵۔ ''**لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ**'' کے معانی پر خیال مرکوز رکھنا۔

۶۔ اعتدال کے پہلوں کو ملحوظ خاطر رکھنا

۷۔ تسلسل و دوام کا ہونا۔

۸۔ خشوع وخضوع کا اظہار کرنا۔

چونکہ ذکر اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تعلق استوار کرتا ہے۔ اس لیے بندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس تعلق میں خشوع و خضوع کا اظہار کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور لطف و کرم سے فیض یاب ہوسکے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً۔(۱)

''تم اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ (دونوں طریقوں سے) دُعا کیا کرو۔''

---

(۱) الاعراف، ۷: ۵۵

اس آیتِ مبارکہ میں بھی خشوع وخضوع کی تلقین کی گئی ہے۔ کیونکہ جب ذاکر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خشوع وخضوع اور عجز و نیاز مندی کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ تو اس کی کیفیت ایسی ہوجاتی ہے جیسے ایک غلام اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ یا ایک دہقان بادشاہ کے روبرو حاضر ہوتا ہے۔ یا جس طرح ایک محتاج سائل ایک فیاض آدمی کے در پر کھڑا ہو۔ ایسی کیفیت میں اس شخص کے نفس اور ملاء اعلیٰ کے درمیان ایک دروازہ کھل جاتا ہے، اس پر اللہ رب العزت کی طرف سے جلیل القدر علوم و معارف کا نزول شروع ہوجاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ انور وتجلیات سے فیض یاب ہونے لگتا ہے۔

۳۔ بعد الذکر آداب

ذکر کے بعد تین چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ خاموشی اور آرام

۲۔ تصورِ شیخ میں اپنے نفس کو کمتر اور حقیر سمجھنا، اور بُرا جاننا۔

۳۔ ذکر کے بعد پانی نہ پینا، کیونکہ پانی شوق کی گرمی کو کم کر دیتا ہے اور وہ طبعی طور پر بھی انسانی صحت کے لئے مضر ہے اس لئے ذکر کے کم از کم آدھ گھنٹے بعد پانی پینا چاہئے۔

سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ مذکورہ آداب ملحوظ رکھنے کے ساتھ اپنے دل سے جاہ و مال کی محبت بالکل ختم کردے۔ اس احساس کو دل میں جاگزیں کرنے کی خاطر وہ اس دنیا اور دنیوی مال و اسباب کی بے ثباتی کا تصور کرے تاکہ اس کی توجہ جاہ و مال سے اس قدر ہٹ جائے کہ دورانِ ذکر اس کا تصور بھی اس کے شغل میں حائل نہ ہوسکے نیز اس ضمن میں اسے اپنے اوپر اتنا قابو ہونا چاہیے کہ جب سالک اس بات کا دعویٰ کرے کہ اس کو محبت صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اور اس کا مقصود و مطلوب صرف اسی کی ذات ہے تو

ضروری ہے کہ اس وقت سالک کا دل اس دعوے کی تکذیب نہیں بلکہ مکمل تائید کر رہا ہو۔ اگر یہ نہیں تو محض وظائف سے اسے کبھی بھی حلاوتِ ایمان نصیب نہ ہوگی۔

ذکر کرنے کے طریقے

صوفیاء کرام لگاتار ذکر کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک سالک کے لئے ضروری ہے وہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا ذکر مسلسل اور بآواز بلند کرے۔ دورانِ ذکر اپنی آنکھیں بند کرلے ''لا'' کو اپنی ناف کے اوپر اور دل کے نیچے سے کھینچے حتی کہ اسے دائیں شانے تک لے آئے۔ یہاں ''اِلٰهَ'' کہہ کر فوراً ''اِلَّا اللّٰه'' کی ضرب زور سے دل پر لگائے یہ ضرب اس قدر شدید ہو کہ دل پر ضرب لگنے کا احساس ہو۔ ذکر کا آغاز آواز خفی سے کرے۔ پھر بتدریج اپنی آواز میں شدت پیدا کرے۔ اسی آواز کی شدت کے ساتھ سر تیزی سے گردش میں لاتا رہے یہاں تک کہ حالت ایک مجنون کی سی ہو جائے۔ اگر ایسے میں لوگ اسے دیکھیں تو دیوانہ یا پاگل سمجھیں۔ ''لَا'' کی مدّ کا اور اللہ کی شدّ کا خاص خیال رکھنا، ''اِلٰه'' میں ''ل'' کو لمبا کرنا اور ''ہ'' کو چھوٹا کرنا نہایت ضروری ہے۔ غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ (۴۷۰۔۵۶۱ھ) فرماتے ہیں:

> ''ذاکر کو مکمل وضو کے ساتھ ضرب شدید اور بھرپور آواز کے ساتھ ذکر کرنا چاہئے حتی کہ ذاکر کے (ذکر سے پیدا ہونے والے) انوار دوسرے ذاکرین کے باطن پر اثر انداز ہوں اور ان کے دل انوارِ الٰہیہ سے ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جائیں۔''(۱)

طریقہ ذکر کے بیان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے چند چیزیں نہایت اہم قرار دی ہیں:

''جمہور اہلِ طریقت ذکر کے وقت سر پھرانے اور دل پر اس کیفیت کے نزول

---

(۱) عبد القادر جیلانی، سر الأسرار: ۱۰۴

اور شدومد کی رعایت کرنے پر متفق ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل اور کیفیت محبت کو ابھارنے اور خطرات کو روکنے کا سبب ہے۔‘‘(۱)

ضرب لگانے کی تلقین شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

و الا اللّٰہ را بہ تمام قوت بر دل ضرب کند۔(۲)

’’(ذکر کے دوران) ’’اِلَّا اللہ‘‘ کی ضرب تمام قوت کے ساتھ دل پر لگائیں۔‘‘

ایک اور مقام پر شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: ’’دورانِ ذکر وجد میں آئے ہوئے اس شخص کی طرح ہو جو اپنے دل کے رازوں کو چھپانے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور اگر یہ حالت آسانی سے نہ بن سکے تو اس حال کو اپنے آپ پر طاری کرنے کی کوشش کرے اور ہرصورت میں اپنے آپ کو اس کیفیت میں دیکھے اور اتنا بلند لے جائے کہ وجد کا اظہار ہو جتنی وجد کی گرمی زیادہ ہو گی اتنی آواز بلند و متواتر ہو اور ضربوں کی شدت بڑھتی جائے گی۔‘‘(۳)

پس یہ بات ذہن میں رہے کہ سر پھرانا، قلب پر ضربیں لگانا اور لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ میں شد و مد کی رعایت کرنا دورانِ ذکر نہایت ضروری ہے۔

۱۔ چار کلماتِ ذکر

ذاکرین کے لئے ذکر کرنے کے چار طریقے بیان کئے گئے ہیں یہی کلماتِ ذکر بھی ہیں۔

۱۔ ذکر ناسوتی (لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ)
۲۔ ذکر ملکوتی (اِلَّا اللہ)

(۱) شاہ ولی اللہ، ہمعات: ۲۸
(۲) شاہ ولی اللہ، ہمعات: ۲۸
(۳) شاہ ولی اللہ، ہمعات: ۲۸

۳۔ ذکر جبروتی (اللہ)

۴۔ ذکر لاہوتی (ھُوْ ھُوْ)

(۱) ذکر ناسوتی (لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ)

ان سب اقسامِ ذکر میں اعلیٰ مرتبہ ذکر ناسوتی کا ہے جسے حضور نبی اکرم ﷺ نے زیادہ پسند فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ۔ [1]

''افضل ترین ذکر لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ ہے۔''

(۲) ذکر ملکوتی (اِلَّا اللہ)

جب ذکر ناسوتی میں وجدانی کیفیت حاصل ہو جائے تو ذکر ملکوتی ''اِلَّا اللہ'' پر اکتفا کرنا چاہیے اور ضربیں شدید سے شدید کر دینی چاہیں۔ جس وقت دل ذکر کرنے لگے تو خاموش ہو جائیں اور دل کا ذکر سنیں۔ اس طریقے پر مداومت اختیار کرنے سے دل کو ذکر کا عادی بنایا جائے یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد اسے دورانِ ذکر نور نظر آنے لگے۔ اس نور کو پہنچانے اور اس کیفیت کی حفاظت اس طرح کرے کہ اس سے کم نہ ہونے دے۔

(۳،۴) ذکر جبروتی و لاہوتی (اللہ ھُو)

جب ذکر ناسوتی اور ذکر ملکوتی دونوں میں وجدانی کیفیات حاصل ہو جائیں تو ذکر جبروتی اور ذکر لاہوتی کو بھی ساتھ جمع کرکے اس طریقہ سے ذکر کیا جائے کہ جب

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة، ۵: ۳۹۳، رقم: ۳۳۸۳

۲۔ ابنِ ماجة، السنن، کتاب الأدب، باب فضل الحامدین، ۴: ۵۵، رقم: ۳۸۰۰

ذاکر سانس اوپر کھینچے تو ’’لَا اِلٰہ‘‘ کہے اور جب نیچے لائے تو ’’اِلَّا اللہ ‘‘ کہے اس میں بھی شدت سے سانس کے ذریعے ضرب لگانا ضروری ہے مگر زبان کو قطعًا جنبش نہ دی جائے، اس کے بعد ’’ اللہ ‘‘سانس اوپر کھینچتے وقت کہے اور’’ ھو ‘‘سانس نیچے لاتے وقت کہے، ’’ھو ‘‘ سے دل پر ضرب لگائے یہاں تک کہ دل خود ذکر کرنے لگ جائے۔

چند مسنون اَذکار و تسبیحات

احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں چند اذکار و تسبیحات درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضي اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’بہترین ذکر ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ﴾ ہے، اور بہترین دعا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ ہے۔‘‘(۱)

۲۔ ’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’دو کلمات زبان پر ہلکے پھلکے ہیں، ترازو میں وزنی ہیں، رحمان کو بہت پیارے ہیں (وہ یہ ہیں:) ﴿سُبْحَانَ اللهِ و بِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ﴾ (اللہ تعالیٰ پاک ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور نہایت عظمت والا ہے)۔‘‘(۲)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، کتاب الدعوات عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة، ۵: ۳۹۳، رقم: ۳۳۸۳

۲۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الأدب، باب: فضل الحامدين، ۲: ۲۸۴، رقم: ۳۸۰۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الدعوات، باب فضل التسبيح، ۵: ۲۳۵۲، رقم: ۶۰۴۳

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب: الذكر و الدعاء و التوبة و الاستغفار، باب: فضل التهليل و التسبيح و الدعاء، ۴: ۲۰۷۲، رقم: ۲۶۹۴

۳۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کہا: ﴿سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَ بِحَمْدِهِ﴾ اس کے لئے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا گیا۔''(۱)

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ایک دن میں سو دفعہ ﴿سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهِ﴾ پڑھتا ہے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں۔''(۲)

۵۔ حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم کہو ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ﴾ اللہ تعالیٰ (کی توفیق) کے بغیر نہ برائی سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی استطاعت۔ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ یا فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے کلمہ کی خبر نہ دوں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے؟ (وہ کلمہ) ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ﴾ ہے۔''(۳)

---

(۱) ۱۔ ترمذي، جامع الصحيح، أبواب الدعوات عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء في فضل التسبيح و التكبير والتهليل والتحميد، ۵: ۵۱۱، رقم: ۳۴۶۴۔ ۳۴۶۵

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۳: ۱۰۹، رقم: ۸۲۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الدعوات، باب فضلِ التسبيح، ۵: ۲۳۵۲، رقم: ۶۰۴۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الذكر و الدعاء و التوبة و الاستغفار، باب فضل التهليل و التسبيح و الدعاء، ۴: ۲۰۷۱، رقم: ۲۶۹۱

(۳) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الدعوات، باب الدُّعَاءِ إِذَا عَلاَ عَقَبَةً، ۵: ۲۳۴۶، رقم: ۶۰۲۱

←

۶۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص صبح اور شام سات دفعہ یہ دعا پڑھتا ہے وہ سچا ہو یا جھوٹا اللہ تعالیٰ اس کے لئے (ہر فکر مند کرنے والے کام کے لئے) کافی ہوجاتا ہے ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ (مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں اُسی پر میں نے توکل کیا اور وہ عرش عظیم کا رب ہے)۔"[1]

۷۔ "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "باقیات صالحات (باقی رہنے والی نیکیاں) زیادہ سے زیادہ جمع کرو۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون سی ہیں؟ فرمایا: ﴿اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، الحَمْدُ لِلّٰهِ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ کہنا۔"[2]

۸۔ "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب کوئی شخص کہتا ہے ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ﴾ (اللہ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ تعالیٰ (کی توفیق) کے بغیر نہ برائی سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی استطاعت)۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ میرا مطیع اور فرماں بردار

.........۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر و الدعاء و التوبة و الاستغفار، باب استحباب خفض الصوت بالذکر، ۴: ۲۰۷۶، الرقم: ۲۷۰۴

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب ما یقول إذا أصبح، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۰۸۱،

(۲) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۳: ۱۲۱، رقم: ۸۴۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۷۵، رقم: ۱۱۷۳۱

ہوگیا ہے۔‘‘(۱)

۹۔ حضرت کعب بن عجرہ ﷛ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’فرض نمازوں کے بعد کئے جانے والے کچھ ذکر ایسے ہیں جنہیں پڑھنے والا یا کرنے والا ناکام نہیں ہوتا (جن میں سے) تینتیس (۳۳) دفعہ سبحان اللہ، تینتیس (۳۳) دفعہ الحمد للہ اور چونتیس (۳۴) دفعہ اللہ اکبر۔‘‘(۲)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’کیا میں تمہیں حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو کی گئی وصیت نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: ضرور بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کی: اے میرے پیارے بیٹے! میں تمہیں دو کاموں کا حکم دیتا ہوں اور دو کاموں سے روکتا ہوں۔ میں تمہیں ﴿لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ﴾ کے ذکر کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ کلمہ اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور آسمان و زمین دوسرے پلڑے میں رکھ دیئے جائیں تو یہ ان سے وزنی ہو جائے گا اور اگر (یہ آسمان و زمین) گول دائرے کی طرح بھی ہوں تو یہ انہیں چیرتا ہوا سیدھا اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جائے گا۔‘‘ اس کے بعد پوری حدیث ذکر کی۔‘‘(۳)

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۶۸۱، رقم: ۱۸۵۰
۲۔ ابن الجعد، المسند، ۱: ۲۵۷، رقم: ۱۷۰۷

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب استحباب الذکر بهذا الصلاة وبیان صفته، ۱: ۴۱۸، رقم: ۵۹۶
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب: ما جاء فی التسبیح والتکبیر والتحمید عند المنام، ۵: ۴۱۵، رقم: ۳۴۱۲

(۳) أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۶۹، رقم: ۶۵۸۳

ذکر کے درجات

جب ذاکر مذکورہ بالا طرق پر ذکر کرے گا تو مرحلہ وار اس کے درجات میں ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ اسے انوار وتجلیات کی غذا ملے گی اور دل کو مسرت وطمانیت حاصل ہوگی۔

حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰۔۵۰۵ھ) نے ذکر کے چار درجات بیان فرمائے ہیں:

۱۔ ذکر کا پہلا درجہ یہ ہے محض زبانی ذکر ہو دل اس سے غافل اور بےفکر ہو۔ گو کہ اس کا اثر کم ہوتا ہے۔ لیکن بالکل بے اثر نہیں ہوتا اس لئے وہ زبان جو ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو اس سے بہر حال بہتر ہے جو بیہودہ باتوں میں مصروف ہو یا بالکل بے کار اور معطل ہو۔

۲۔ ذکر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر دل سے ہو لیکن اس میں قرار نہ ہو اور وہ گھر نہ کرے بلکہ دل کو تکلیف کے ساتھ مشغول رکھنا پڑے اگر یہ جدوجہد اور تکلیف نہ ہو تو دل غفلت یا نفس کے خطرات سے اپنی طبیعت کے مطابق ہو جائے گا۔

۳۔ ذکر کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر دل میں قرار پکڑے اور غالب آ جائے کہ دوسرے کاموں میں اسے تکلف سے مشغول کرنا پڑے یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔

۴۔ ذکر کا چوتھا اور آخری درجہ یہ ہے کہ جس کا ذکر ہے وہ دل میں بس جائے۔ ذاکر کو اپنے آپ کی خبر نہ رہے صوفیاء کرام علیہم الرحمۃ کی اصطلاح میں اس کا نام استغراق ہے اس حالت میں بندہ اپنے رب سے واصل ہو جاتا ہے۔ اس درجے کا کمال یہ ہے کہ ذکر کا خیال بھی بالکل دل سے محو ہو جائے فقط اللہ ہی اللہ رہ جائے۔

ذاکرین کے لئے ضروری ہدایات

راہِ سلوک میں قدم رکھنے والوں کو چند نکات اچھی طرح ذہن نشین کر لینے چاہئیں:

۱۔ نماز، ذکر یا دیگر نفلی عبادات، ریاضت، مجاہدات میں حلاوت و لذات مقصود بالذات نہیں اور نہ ہی دوزخ سے پناہ یا جنت کا حصول مقصود ہے۔ بلکہ مقصود رب تعالیٰ کی ذات ہے۔ جس کے حصول کے لئے یہ تمام چیزیں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔

۲۔ شروع شروع میں شیطان ذاکرین کے دل میں شکوک وشبہات اور دنیوی خیالات کی بھرمار کرکے یہ سوال ابھار دیتا ہے۔ دل تو ذکر کی طرف مائل نہیں یا خشوع و خضوع سے نماز نہیں پڑھی جاتی تو ایسی عبادت کا کیا فائدہ؟ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ اصل میں وہ تو چاہتا ہی نہیں کہ کوئی اللہ سے تعلق استوار کرے اور اس کے راستے پر چلے۔ اسی لئے شیطان پہلے مرحلے ہی میں اسے ورغلاتا ہے اور آخر تک ورغلاتا رہتا ہے۔ آگے جاکر اس کے عیارانہ حربے اور طرح کے ہوتے ہیں اس لئے ذہن میں یہ بات رہے کہ ہمارا مقصد تو ہر حال میں رب کو پانا ہے۔

۳۔ ذاکر کو چاہئے کہ وہ ذکرِ الٰہی سے حاصل ہونے والے انوار وتجلیات کو زیادہ اہمیت نہ دے، کہیں وہ غرور کا شکار ہو کر پستی کے گڑھوں میں نہ جا گرے۔ اور یہ کیفیات لوگوں سے بیان نہ کرے کیونکہ یہ چھپانے کی چیزیں ہیں۔ اگر ایک ذاکر ان ابتدائی انعامات پر اکتفا کر بیٹھا تو اس پر آگے بڑھنے کی راہیں مسدود ہو جائیں گی کیونکہ پہلا مرحلہ طے ہونے کے بعد جب سالک کا دل اس کی یاد میں لگنا شروع ہو جاتا ہے تو اس کو ذکر میں ایسی لذت حاصل ہونے لگتی ہے جس کے سامنے سب لذتیں ہیچ ہیں۔ اکثر سالکین اسی مرحلے کے ہو کر رہ جاتے ہیں تو وہ

انعامات واکرام کے چکر میں ایسا پھنستے ہیں کہ ان کا دھیان اصل ذات سے ہٹ جاتا ہے، پھر اسی مرحلہ میں وہ اپنے مقام سے گر جاتے ہیں اور اس صورت میں فیوض و برکات کے دروازے ان پر بند ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

اگر ذاکر ان طریقوں پر ذکر کرتا رہے گا تو اسے کیف وسرور کی حالت نصیب ہو جائے گی، انوار کی غذا ملے گی اور دل کو مسرت وطمانیت حاصل ہوگی۔ اس کی مزید بڑی نشانی یہ ہے کہ اسے خاموشی سے انس ہو جائے گا اور بولنے سے وحشت ہونے لگے گی۔ پھر جب ذاکر خلوت میں خاموشی کے ساتھ دل کی طرف توجہ مرکوز رکھے گا تو اندر سے ایسا لطف وسرور محسوس ہوگا جسے بیان نہ کر سکے گا اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شاندار غذا یا پھل کھائے جسکے ذائقے سے سرور حاصل ہو مگر اسے جو مزہ اور لطف غذا کھانے کے دوران آیا تھا وہ لوگوں کے سامنے بیان نہ کر سکے۔ وہ بڑی کوشش کرے کہ وہ اس کیفیتِ سرور کو الفاظ کے قالب میں ڈھالے مگر بے بس ہوحتیٰ کہ ایسے میں یہ کہنا پڑے کہ جس کا جی وہ مزہ چکھنے کا ہو وہ خود ہی اس غذا یا پھل کو کھا کر دیکھ لے۔

اس لئے سالک کے لئے مذکورہ بالا ہدایات پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ ان پر عمل کئے بغیر منزلِ مقصود کا حصول ممکن نہیں۔

حاصلِ کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کا ذکر ہی ایسا عمل ہے جو جسمانی وقلبی، روحانی و اخلاقی، ظاہری و باطنی برائیوں کا واحد علاج، تمام عبادات کا خلاصہ، عبادات کی اصل روح، افضل ایمان کی علامت، افضل ترین عمل، اطاعتِ الٰہی اور قربِ الٰہی کا ذریعہ، رحمتوں کا نزول، دنیوی و اخروی اور دائمی سکون کا باعث ہے۔ انسان کا دل سارنگی یا گٹار کے ساز کی مانند ہے جس کے کئی تار ہوتے ہیں۔ کوئی تار تلاوت اور ذکر سے چھڑ جاتا ہے، کوئی صلوۃ وسلام سے چھڑتا ہے، کوئی نعت سن کر چھڑتا ہے اور کوئی کثرت نوافل سے چھڑتا ہے۔

تار کوئی بھی چھڑے، ہمارا مقصد تو روح میں ساز پیدا کرنا ہے کیونکہ ہر تار کی آواز جدا ہوتی ہے اور جب اسے مسلسل بجانا شروع کردیں تو ساز بن جاتا ہے اور جب ساز بن جائے تو پھر اسی سے سوز پیدا ہوجاتا ہے اور سوز سے تمام تار بیک وقت چھڑ جاتے ہیں۔ جب تمام تار چھڑتے ہیں تو صدا بنتی ہے اور پھر صدا سے ترنگ پیدا ہوتی ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس ترنگ کے ذریعے قلب و باطن میں اس کی محبت کا ساز بج اٹھے اور وہ کیفیتِ سوز و ساز طاری ہوجائے جو حسن محبوب سے اقبال کی ہم نوا ہوکر یوں محو تقاضا ہوجائے:

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر

اے مردِ مومن! اگر تو چاہے کہ تیرے ٹوٹے ہوئے تعلق کی ڈوری پھر اللہ سے جڑ جائے تو کثرتِ ذکرِ الٰہی سے دل کے تاروں کو روزانہ چھیڑتا رہ، اس کی محبت میں ڈوب کر اس کا ذکر کرتا رہ پھر تو دیکھے گا کہ تعلق کی کٹی ہوئی ڈوری خود بخود جڑتی چلی جائے گی۔

باب سوُم

نماز کی اَہمیت و فضیلت

صلوٰۃ کا معنی و مفہوم

لفظِ صلوٰۃ اسم ہے جو فعل صلّی کے مصدر کی جگہ آتا ہے۔ عربی لغت میں یہ لفظ کئی معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن محاورۂ عرب کی رو سے اصطلاح کے قریب تر معنی دعا، نماز اور تسبیح کا ہے۔ (۱)

اس اعتبار سے ذاتِ باری تعالیٰ کی بارگاہِ صمدیّت میں اس کے بے پایاں جود و کرم اور فضل و رحمت کی خیرات طلب کرنے کے لئے کمالِ خشوع و خضوع کے ساتھ سراپا التجا بنے رہنے اور اس کے حقِ بندگی بجا لانے کو صلوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو کائناتِ ارضی و سماوی کی ہر مخلوق اپنے اپنے حسبِ حال بارگاہِ خداوندی میں صلوٰۃ اور تسبیح و تحمید میں مصروف نظر آتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ط كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ۔ (۲)

’’کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ (سب) اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں اور پرندے (بھی فضاؤں میں) پر پھیلائے ہوئے (اسی کی تسبیح کرتے ہیں)، ہر ایک (اللہ کے حضور) اپنی نماز اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے۔‘‘

لفظِ صلوٰۃ کے متعدد معانی میں سے ایک معنی کسی چیز کو آگ کی تپش میں رکھ کر سیدھا کرنا بھی ہے۔ (۳)

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۴: ۴۶۴، ۴۶۵

(۲) النور، ۲۴: ۴۱

(۳) ابن منظور، لسان العرب، ۱۴: ۴۶۸

یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کسی ٹیڑھی لکڑی کو سیدھا کرنا ہوتا ہے تو اسے آگ کے قریب لے جاتے ہیں اور وہ اس کی تپش سے نرم اور لچکدار ہو جاتی ہے جس کے بعد اسے سیدھا کرنا آسان ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان میں اس کے نفسِ امّارہ کے سبب کجی ہوتی ہے۔ اگر انسان دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و نیاز بجا لاتا رہے تو اس کے نفس کی کجی آتشِ قربِ الٰہی کی حدّت سے دور ہو جاتی ہے اور قربت بندگی کی انتہاؤں کو پہنچ کر بندے کے لئے معراج بن جاتی ہے جہاں انسان دنیا و مافیہا کو بھول کر مشاہدہ حق کی لذت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ ایسا عبادت گزار بندہ جہنم کی آگ سے بھی محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

نماز کی معنوی حقیقت یہ تقاضا کرتی ہے کہ بندہ زبان و دل اور ہاتھ پاؤں وغیرہ سے ربِ کائنات کی گونا گوں نعمتوں کا شکریہ ادا کرے، اس کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرے اور اس خدائے رحمٰن و رحیم کی یاد کو عملاً دل میں بسا لے۔ گویا حسنِ مطلق کی حمد و ثنا، اس کی یکتائی اور بڑائی کا اقرار کرنا نماز ہے۔

نماز کی فرضیت و اَہمیت

نماز دینِ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کے بعد اہم ترین رکن ہے۔ اس کی فرضیت قرآن و سنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ یہ شبِ معراج کے موقع پر فرض کی گئی۔ قرآن و سنت اور اجماع کی رو سے اس کی ادائیگی کے پانچ اوقات ہیں۔ نمازِ مغرب کے علاوہ اصلاً ہر نماز کی دو دو رکعتیں فرض تھیں بعد ازاں نمازِ فجر کے علاوہ دیگر نمازوں کی تعدادِ رکعات میں اضافہ کر دیا گیا۔ سفر میں اصل کو برقرار رکھا گیا اور دو رکعتیں ہی فرض رہیں۔ نمازِ مغرب کی ابتدا سے ہی تین رکعتیں فرض ہوئیں۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں اَسّی (۸۰) مقامات پر اس کا حکم وارد ہوا ہے۔

۱۔ قرآنِ حکیم میں نماز کا حکم

اسلامی نظامِ عبادات میں نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآنِ حکیم میں کم و بیش سات سو مقامات پر نماز کا ذکر آیا ہے۔ جن میں سے اَسّی (۸۰) مقامات پر صریحًا نماز کا حکم وارد ہوا ہے۔ چند مقامات درج ذیل ہیں:

۱۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوْا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○[۱]

’’اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ (مل کر) رکوع کیا کروo‘‘

۲۔ سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ج اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا ○[۲]

’’تو نماز کو (حسبِ دستور) قائم کرو، بیشک نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہےo‘‘

۳۔ سورۃ الروم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○[۳]

’’اسی کی طرف رجوع و اِنابت کا حال رکھو اور اس کا تقویٰ اختیار کرو اور نماز

(۱) البقرہ، ۲: ۴۳

(۲) النساء، ۴: ۱۰۳

(۳) الروم، ۳۰: ۳۱

قائم کرو اور مشرکوں میں سے مت ہو جاؤ o‘‘

۴۔ سورہ طٰہٰ میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔(۱)

’’اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم فرمائیں اور اس پر ثابت قدم رہیں۔‘‘

۵۔ سورہ طٰہٰ میں ہی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ o(۲)

’’اور میری یاد کی خاطر نماز قائم کیا کرو o‘‘

۶۔ اقامتِ فریضۂ صلوٰۃ اسلامی ریاست کے حکمرانوں اور صاحبان اختیار و اقتدار کی ذمہ داری اور ان کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ان پر لازم ہے کہ وہ نماز کے نظام کو حکماً نافذ کریں۔اس سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ o(۳)

’’(یہ اہلِ حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے o‘‘

اسلامی حکومت پر اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ جو دیگر فرائض عائد کئے گئے ہیں، ان

(۱) طٰہٰ، ۲۰: ۱۳۲

(۲) طہ، ۲۰: ۱۴

(۳) الحج، ۲۲: ۴۱

میں ایتائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پابندی کے احکام خاص طور پر قرآن میں مذکور ہیں۔

۷۔ اللہ ﷻ نے اپنے نہایت برگزیدہ پیغمبر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ○(۱)

’’اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے حضور مقامِ مرضیّہ پر (فائز) تھے (یعنی ان کا رب ان سے راضی تھا)○‘‘

اس آیتِ کریمہ سے ظاہر ہے کہ فریضۂ نماز کی بجا آوری کا حکم صرف لازم ہی نہیں بلکہ متعدی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کوئی شخص خود نماز پڑھ لینے کے مجرد عمل سے اس فریضے کی بجا آوری سے سبکدوش نہیں ہوجاتا بلکہ اس کے لئے لازم ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال، متوسّلین اور ان سب کو جن کی پرورش اور کفالت کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، نماز ادا کرنے کا حکم دے اور انہیں اس طرف راغب کرتا رہے۔ اس ضمن میں جملہ اہلِ ایمان کو خصوصیت کے ساتھ متنبہ فرمایا گیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○(۲)

’’اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت مزاج طاقتور فرشتے (مقرر) ہیں جو کسی بھی امر میں جس کا وہ انہیں حکم دیتا ہے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی

---

(۱) مریم، ۱۹: ۵۵

(۲) التحریم، ۶۶: ۶

کام انجام دیتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہےo‘‘

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ بات بغیر کسی شک و شبہ اور ابہام کے حتمی طور پر ثابت ہوگئی کہ تمام شرائع سابقہ اور شریعت محمدیہ ﷺ میں نماز کا حکم بطور جزوِ اعظم کے ہمیشہ موجود رہا ہے اور نماز کی اسی فرضیت کی بناء پر ترکِ نماز کا عمل کفر کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اَحادیثِ نبوی ﷺ میں نماز کی تاکید

اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے شہادت توحید و رسالت کے بعد جس فریضہ کی بجا آوری کا حکم قرآن و سنت میں تاکید کے ساتھ آیا ہے وہ نماز ہی ہے۔ نماز کی اہمیت جاننے کے لیے درج ذیل احادیث مبارکہ کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے واضح ہوگا کہ اسلام میں نماز کو کیا مقام حاصل ہے؟

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ. عَلَى أَنْ يُعْبَدَ اللهُ وَ يُكْفَرَ بِمَا دُوْنَهُ. وَإِقَامِ الصَّلَاةِ. وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ. وَحَجِّ الْبَيْتِ. وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (۱)

’’اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کے سوا سب کی عبادت کا انکار کرنا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔‘‘

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب: بيان أركان الإسلام ودعائمه العظام، ۱: ۴۵، رقم: ۱۶

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بُني الإسلام على خمس، ۱: ۱۲، رقم: ۸

۲۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ عزوجل، مَنْ أَحْسَنَ وُضُوءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ، كَانَ لَهُ عَلَى اللهِ عَهْد أَنْ يَغْفِرَ لَهُ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ۔(۱)

’’اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جس نے ان نمازوں کے لئے بہترین وضو کیا اور ان کے وقت پر ان کو ادا کیا، کاملاً ان کے رکوع کئے اور ان کے اندر خشوع سے کام لیا تو اللہ عزوجل نے اس کی بخشش کا عہد فرمایا ہے، اور جس نے یہ سب کچھ نہ کیا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی ذمہ نہیں، چاہے تو اسے بخش دے، چاہے تو اسے عذاب دے۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ الْمَكْتُوبَةُ فَإِنْ أَتَمَّهَا وَ إِلَّا قِيلَ: انْظُرُوا هَلْ لَهُ مِنْ تَطَوُّعٍ؟ فَإِن كَانَ لَهُ تَطَوُّعٌ أُكْمِلَتِ الْفَرِيضَةُ مِنْ تَطَوُّعِهِ ثُمَّ يُفْعَلُ بِسَائِرِ الْأَعْمَالِ الْمَفْرُوضَةِ۔(۲)

’’قیامت کے دن مسلم بندے کا سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ اگر پوری ہوئیں تو ٹھیک ورنہ کہا جائے گا: اس کے نوافل دیکھو اگر نوافل ہوئے تو ان

(۱) أبو داود، السنن، کتاب الصلاة، باب في المحافظة في وقت الصلوات، ۱: ۱۷۵، رقم: ۴۲۵

(۲) ابن ماجة، السنن، کتاب إقامة الصّلاة والسنة فيها، باب: ماجاء فی أول ما يحاسب به العبد، ۲: ۲۰۲، رقم: ۱۴۲۵

سے فرض پورے کئے جائیں گے۔ اسی طرح تمام فرض اعمال میں کیا جائے گا۔‘‘

لہٰذا یہ بات ذہن نشین رہے کہ توحید و رسالت کی شہادت اور اس کی عملی تصدیق کی طرف پہلا قدم نماز ہی ہے۔ نماز کا عمل ہی بندۂ مومن کو ایمان کے اعلیٰ درجے پر فائز کرتا ہے۔

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی نہ دیں اور نماز اور زکوٰۃ ادا نہ کریں۔ اس کے بعد میری طرف سے ان کی جانیں اور اموال محفوظ ہیں، البتہ اسلامی احکام کی خلاف ورزی پر ان سے مواخذہ ہوگا اور ان کے باطن کا حال اللہ کے سپرد ہے۔ (۱)

۴۔ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہہ دے اور جو عمر میں بڑا ہو وہ تمہیں نماز پڑھائے۔‘‘ (۲)

۵۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب: الأمرِ بِقتال النَّاسِ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، ۱: ۵۳، رقم: ۲۲

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاة، باب وجوب الزکاة، ۲: ۵۰۷، رقم: ۱۳۳۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب من قا ل لیؤذِّن في السَّفرِ مؤذّن واحد ۱: ۲۲۶، رقم: ۶۰۲

۲۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۱۵۷، رقم: ۷۲

مِفْتاحُ الجَنةِ الصَّلاۃ، و مفْتاحُ الصلاۃ الوضوء۔(۱)

''جنت کی چابی نماز ہے اور نماز کی چابی وضو ہے۔''

یعنی جنت کے دروازے کا تالا نمازی کے لئے ہی کھلے گا، بے نمازی کے لئے جنت کا دروازہ نہیں کھل سکتا کیونکہ اس کے پاس نماز کی صورت میں دروازۂ جنت کھولنے والی چابی نہیں ہے۔

۶۔ حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَلِّمُوْا الصبيَّ الصلاۃَ ابْنَ سَبْعِ سنِیْنَ، وَاضْرِبُوْهُ عَلَیْهَا ابْنَ عَشْرٍ۔(۲)

''بچے کو سات سال کی عمر میں نماز سکھاؤ اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارو۔''

۷۔ نماز کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال کے وقت امت کو جن چیزوں کی وصیت فرمائی ان میں سے سب سے زیادہ تاکید نماز کی فرمائی، بلکہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ صحیح کے مطابق آخری الفاظ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر بار بار آتے تھے وہ یہی تھے:

الصَّلَاۃَ الصَّلَاۃَ، اتَّقُوا اللّٰہ فِیْمَا مَلَکَتْ أَیْمَانُکُمْ۔(۳)

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الطھارۃ، باب ماجاء أن مفتاح الصّلاۃ الطّھور، ۱: ۵۵، رقم: ۴

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الصّلاۃ، باب ماجاء متی یؤمر الصبيّ بالصّلاۃ، ۱: ۴۳۲، رقم: ۴۰۷

(۳) أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب في حق المملوك، ۴: ۳۷۸، رقم: ۵۱۵۶

”نماز کو لازم پکڑو اور اپنے غلام، لونڈی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔“

۳۔ اِقامتِ صلوٰۃ سے مراد

قرآن حکیم میں جن مقامات پر ادائیگی نماز کا حکم وارد ہوا ہے وہاں اکثر و بیشتر نماز کی تلقین وَاَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ (اور نماز قائم کرو) کے کلمات سے کی گئی ہے۔ یہاں ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے اور نماز قائم کرنے میں کون سا بنیادی فرق ہے؟ قرآن صرف نماز پڑھنے کے حکم پر کیوں اکتفا نہیں کرتا بلکہ بالتاکید نماز قائم کرنے پر اصرار کررہا ہے۔ اس کے پس پردہ کارفرما حکمت یہ ہے کہ اگر نماز پڑھنے کا حکم ہوتا تو زندگی بھر کے لئے ایک آدھ بار نماز ادا کرلینا ہی کافی ہوتا۔لیکن قرآن حکیم میں اقامتِ صلوٰۃ کا حکم بے شمار حکمتوں کا حامل ہونے کی بناء پر متعدد مفاہیم پر دلالت کرتا ہے۔

اولاً: اقامتِ صلوٰۃ کے حکم میں مداومت پائی جاتی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ نماز اس طرح ادا کی جائے کہ اسے ترک کرنے کا تصور بھی باقی نہ رہے۔ قرآن اسے محافظت علی الصلوٰۃ سے تعبیر کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○ (۱)

”سب نمازوں کی محافظت کیا کرو اور بالخصوص درمیانی نماز کی، اور اللہ کے حضور سراپا ادب و نیاز بن کر قیام کیا کرو○“

نماز کی مداومت اور محافظت اس امر کی متقاضی ہے کہ نماز پوری زندگی کا مستقل وظیفہ اور شعارِ حیات بن جائے۔ جس طرح شبانہ روز مصروفیات میں آرام نہ کرنے اور کھانا نہ کھانے کا تصور بھی محال ہے۔ اسی طرح ترکِ نماز کا تصور بھی خارج از امکان ہو جائے۔ گویا نماز کی محافظت کا عالم یہ ہو کہ زندگی کے نازک ترین لمحات میں خطرہ جان کے پیش نظر بھی فریضہ نماز نہ چھوٹنے پائے اور دل و دماغ پر نماز کا احساس یوں غالب اور

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۳۸

حاوی ہو جائے کہ ترک نماز میں گزرنے والا ہر لمحہ حالتِ کفر میں متصور ہو۔

ثانیاً: اقامتِ صلوٰۃ کے حکم کا معنی یہ ہے کہ نماز کو تمام تر ظاہری اور باطنی آداب ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کیا جائے یعنی اسے محض رسم نہیں بلکہ جملہ تقاضوں کو لفظاً اور معناً ملحوظ رکھتے ہوئے بطریق احسن بجا لایا جائے تاکہ اس کی روح بہر حال اس عمل کے اندر جاری و ساری رہے۔

ثالثاً: نماز قائم کرنے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ پورے اسلامی معاشرے میں نظامِ صلوٰۃ بپا کیا جائے اور اس کے ذریعے ہر شعبے کو ایسے ہمہ گیر انقلاب سے آشنا کیا جائے کہ معاشرے کی ہمہ جہت ترقی، اصلاحِ احوال اور فلاحِ دارین کے امکانات پیدا ہوتے رہیں۔

قرآن حکیم میں اَوقاتِ نماز کا ذکر

قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر اوقات نماز کا تذکرہ ہے:

۱۔ **فَسُبْحٰنَ اللهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ○**(۱)

’’پس تم اللہ کی تسبیح کیا کرو جب تم شام کرو (یعنی مغرب اور عشاء کے وقت) اور جب تم صبح کرو (یعنی فجر کے وقت)○‘‘

۲۔ **وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ○**(۲)

’’اور ساری تعریفیں آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے ہیں اور (تم تسبیح کیا کرو) سہ پہر کو بھی (یعنی عصر کے وقت) اور جب تم دوپہر کرو (یعنی ظہر کے

(۱) الروم، ۳۰: ۱۷

(۲) الروم، ۳۰: ۱۸

وقت)o‘‘

۳۔ وَمِنْ م بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَآءِ قف ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ۔ (۱)

’’اور (تیسرے) نمازِ عشاء کے بعد (جب تم خوابگاہوں میں چلے جاتے ہو)، (یہ) تین (وقت) تمہارے پردے کے ہیں‘‘

نمازِ پنجگانہ کی فضیلت

نمازِ پنجگانہ مسلمانوں کے لئے ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اسلامی عبادات میں سب سے افضل عبادت نماز ہے۔ قرآن و حدیث میں نماز کے بے شمار فضائل اور فوائد بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا۔ (۲)

’’نماز کو اس کے مقررہ وقت پر پڑھنا۔‘‘

۱۔ نمازِ فجر، ظہر و عصر کی فضیلت

حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) النور، ۲۴: ۵۸

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ أفضل الأعمال، ۱: ۸۹، رقم: ۸۵

مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللهِ. فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ فَيُدْرِكَهُ فَيَكُبَّهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ۔(۱)

’’جس شخص نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں خلل ڈالا، اللہ تعالیٰ اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے گا۔‘‘

حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے:

لَنْ يَلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصَرَ۔(۲)

’’جس شخص نے طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے نماز پڑھی یعنی فجر اور عصر، وہ ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا۔‘‘

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے والد بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔(۳)

’’جس نے دو ٹھنڈی نمازیں (عصر اور فجر) پڑھیں وہ جنت میں جائے گا۔‘‘

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب فضل صلاتی الصبح، ۱: ۴۵۴، رقم: ۶۵۷

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب فضل صلاتی الصبح و العصر، ۱: ۴۴۰، رقم: ۶۳۴

(۳) مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب فضل صلاتی الصبح و العصر، ۱: ۴۴۰، رقم: ۶۳۵

حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام محض میں ہمارے ساتھ عصر کی نماز پڑھی اور فرمایا: ''تم سے پہلی امتوں پر بھی یہ نماز پیش کی گئی تھی لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا لہٰذا جو اس کی حفاظت کرے گا اس کو دوگنا اجر ملے گا۔''(۱)

۲۔ نمازِ مغرب وعشاء کی فضیلت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إن أفضل الصلاة عند الله صلاة المغرب، و من صلّى بعدها ركعتينِ بَنَى الله له بيتاً في الجنة، يغدو فيه و يروح۔(۲)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل نماز، نماز مغرب ہے اور جو اسکے بعد دو رکعت پڑھے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک گھر بنا دے گا (جس میں) وہ صبح کرے گا اور راحت پائے گا۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ۔(۳)

''جس شخص نے عشاء کی نماز باجماعت پڑھی تو گویا اس نے نصف رات قیام کیا۔''

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب صلاة المسافرین و قصرھا، باب مایتعلق بالقراء ات، ۱: ۵۶۸، رقم: ۸۳۰

(۲) طبرانی، المعجم الأوسط، ۷: ۲۳۰، رقم: ۷۴۴۵

(۳) مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب فضل صلاة العشاء و الصبح فی جماعة، ۱: ۴۵۴، رقم: ۶۵۶

۳۔ نماز بے راہروی سے بچاتی ہے

قرآنِ حکیم میں ان تمام عقائد و اعمال اور معاملات کا تفصیلاً ذکر ہے جن پر عمل پیرا ہو کر انسان راہِ ہدایت پر گامزن ہو سکتا ہے۔ انہی اعمالِ خیر میں سے ایک نماز بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَo [1]

’’اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کر سکتا ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا (کسی سے) نہ ڈرا۔ سو امید ہے کہ یہی لوگ ہدایت پانے والوں میں ہو جائیں گے۔‘‘

۴۔ نماز گناہوں کی آلائشیں دور کرتی ہے

انسان خطا کا پتلا ہے، اس سے قدم قدم پر گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات رحمٰن ورحیم ہے، وہ اس کی بخشش کے راستے تلاش کرتی رہتی ہے۔ بندۂ خطا کار کی مغفرت و بخشش کے بے شمار ذرائع میں سے ایک اہم ترین ذریعہ نماز ہے۔ نماز ان تمام برائیوں کے اثرات کا ازالہ کرتی ہے جو انسان سے وقتاً فوقتاً صادر ہوتی رہتی ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز کو گناہوں کے میل سے صفائی اور ان کی معافی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ فرماتے سنا: ’’بتاؤ! اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر ایک

(۱) التوبہ، ۹: ۱۸

نہر ہو جس میں وہ ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس (کے بدن) میں کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا: اس میں بالکل میل نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا پانچ نمازوں کی ایسی ہی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے سبب گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔‘‘(۱)

۲۔ حضرت ابو ذر غفاری ﷺ سے منقول ہے: ’’حضور نبی اکرم ﷺ ایک دن موسم خزاں میں باہر نکلے، درختوں کے پتے جھڑ رہے تھے، آپ ﷺ نے ایک درخت کی ٹہنیوں کو پکڑا (اور ہلایا) تو اس سے پتے جھڑنے لگے، پھر آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: اے ابو ذر! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں آپ ﷺ نے فرمایا بلا شبہ مومن جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ان پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔‘‘(۲)

۳۔ حضرت سعید بن العاص ﷺ روایت کرتے ہیں کہ میرے سامنے حضرت عثمان ﷺ نے وضو کے لئے پانی منگوا کر فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنِ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوءَ هَا وَخُشُوعَهَا وَ رُكُوعَهَا. إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ۔(۳)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب مواقیت الصّلاۃ، باب: الصَّلَوَاتُ الخَمْسُ كَفَّارَةٌ، ۱: ۱۹۷، رقم: ۵۰۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصّلاۃ، باب المسی إلی الصلاۃ تمحی بہ الخطایا وترفع بہ الدرجات، ۱: ۴۶۲، رقم: ۶۶۷

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الأمثال، باب مثل الصلوات الخمسِ، ۴: ۵۴۸، ۵۴۹، رقم: ۲۸۶۸

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۸۰، رقم: ۲۱۸۸۹

(۳) مسلم، الصحیح، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء والصلاۃ عقبہ، ۱: ۲۰۶، رقم: ۲۲۸

’’جس مسلمان نے بھی فرض نماز کا وقت پایا، اچھی طرح وضو کیا پھر خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ نماز اس کے پچھلے تمام گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔‘‘

۴۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا یا رسول اللہ! مجھ سے ایک ایسا جرم ہوگیا ہے جس پر حد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر حد جاری فرما دیں، اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب اس نے نماز پڑھ لی تو عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے حد لگنے والا کام کیا ہے۔ آپ کتاب اللہ کے مطابق حد قائم کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ اس نے عرض کی: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہوں کو (اس نماز کے صدقے) معاف کر دیا ہے۔‘‘(۱)

۵۔ نمازی کے لئے اَجرِ عظیم کا وعدہ

نمازی کے لئے آخرت میں اجرِ عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اجر کے معنی اچھی جزا کے ہیں، خواہ وہ جزا دنیوی نعمتوں کی صورت میں ہو یا آخرت میں دخولِ جنت کی صورت میں، لیکن اس اجرِ عظیم کے لئے ایمان اور عملِ صالح بنیادی شرط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب التوبة، باب قوله تعالىٰ: إن الحسنات يذهبن السيئات، ۴: ۲۱۱۷، رقم: ۲۷۶۴

وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا○[۱]

’’لیکن ان میں سے پختہ علم والے اور مومن لوگ اس (وحی) پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور اس (وحی) پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی (برابر) ایمان لاتے ہیں، اور وہ (کتنے اچھے ہیں کہ) نماز قائم کرنے والے (ہیں) اور زکوٰۃ دینے والے (ہیں) اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے (ہیں)۔ ایسے ہی لوگوں کو ہم عنقریب بڑا اجر عطا فرمائیں گے○‘‘

اس آیتِ کریمہ میں جن دو باتوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے، ان میں پہلی بات ایمان اور دوسری نیک اعمال ہیں۔

قرآن حکیم ایک اور مقام پر نماز قائم کرنے والوں کے لئے اجرِ عظیم کا اعلان فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○۔[۲]

’’بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے، اور ان پر (آخرت میں) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے○‘‘

موت کے بعد گنہگار مختلف سزاؤں کے ڈر اور خوف میں مبتلا ہوں گے جیسے عذابِ قبر کا ڈر، روزِ قیامت کی ہولناکیوں کا خوف، روزِ محشر حساب و کتاب میں ناکامی اور سزا ملنے پر عذاب جہنم کا خوف وغیرہ۔ اگر ان تمام مراحل میں کامیابی کی امید ہو تو ہر قسم کے خوف اور غم کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں واضح فرما دیا کہ جو

(۱) النساء، ۴: ۱۶۲

(۲) البقرة، ۲: ۲۷۷

صاحبانِ ایمان نیک اعمال (جن میں نماز بھی شامل ہے) پر کار بند ہوں گے وہ آخرت میں انہیں کامیاب و کامران کرے گا اور ان کو کسی قسم کا خوف لاحق نہ ہوگا۔ قرآنِ حکیم نمازقائم کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری دیتے ہوئے ارشادفرماتا ہے:

۶۔ نمازی کے لئے جنت کے مخصوص دروازے

جب کوئی بندہ نماز میں داخل ہو کر اسے پورے تقاضوں کے ساتھ ادا کرتا ہے تو اس پر ایک حدیث کے مطابق جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان العبد اذ قام في الصلاة فتحت له الجنان و كشفت له الحجب بينه، وبين ربه واستقبلته الحور العين۔(۱)

''جب بندہ نماز میں قیام کرتا ہے تو اس کے لیے جنتیں کھول دی جاتی ہیں اور اللہ اور اس کے درمیان پردے ہٹا دیے جاتے ہیں اور حور العین اس کا استقبال کرتی ہے۔''

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی شرح میں جو تفصیل بیان کی گئی اس میں درج ذیل آٹھ دروازوں کا ذکر کیا گیا ہے:

پہلا دروازہ - باب المعرفة

نماز میں داخل ہوتے ہی جب بندہ کلماتِ ثناء اپنی زبان سے ادا کرتا ہے تو اس پر پہلا دروازہ **باب المعرفة** کھول دیا جاتا ہے، جس سے اسے معرفتِ الٰہی کا خزانہ عطا کردیا جاتا ہے۔

---

(۱) ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۲: ۴۹

دوسرا دروازہ - باب الذّکر

جب بندہ زبان سے تسمیہ کے کلمات - ﴿بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ - ادا کرتا ہے تو جنت کا دوسرا دروازہ جو باب الذّکر سے موسوم ہے کھل جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ بندہ ذکرِ الٰہی کی نعمتوں کا حق دار بن جاتا ہے۔

تیسرا دروازہ - باب الشّکر

بندہ جب اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ[1] کے کلمات پر پہنچتا ہے تو اس کا دل احساسِ تشکر و امتنان سے مغلوب ہوجاتا ہے اور وہ بارگاہِ ایزدی میں اس بات کا اعتراف و اقرار کرلیتا ہے کہ وہی ذات تمام تعریفوں کے لائق ہے، تو اس بندے پر باب الشّکر کھول دیا جاتا ہے۔

چوتھا دروازہ - باب الرّجاء

جب بندہ اَلۡحَمۡد کے بعد الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم[2] کے کلمات زبان پر لاتا ہے تو اللہ رب العزت اپنے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ میرا بندہ میری بے پایاں رحمتوں کا ذکر کر رہا ہے، اس لئے اس پر باب الرجاء کھول دیا جائے۔

پانچواں دروازہ - باب الخوف

جب بندہ قلب و روح کی گہرائیوں میں ڈوب کر مَالِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ[3] کے الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے تو گویا وہ خود کو ایک ملزم کی طرح سب سے بڑے بادشاہ کے دربار میں پیش کردیتا ہے، وہ خوفِ خدا سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ جب وہ احساسِ جرم

(۱) الفاتحة، ۱:۱

(۲) الفاتحة، ۱:۲

(۳) الفاتحة، ۱:۳

سے مغلوب ہوجاتا ہے تو رحمتِ پروردگار فرشتوں کو ندا دیتی ہے کہ میرے اس بندے پر باب الخوف کھول دیا جائے تاکہ خشیتِ الٰہی کی وجہ سے وہ میری رحمتوں سے نوازا جاسکے۔

چھٹا دروازہ - باب الإخلاص

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (۱) کہہ کرجب بندہ خدا کی بندگی کا اقرار کرتے ہوئے اس سے استعانت کرتا ہے تو اس پرباب الاخلاص کھول دیا جاتا ہے، جس سے اسے خالق حقیقی کی معرفت میں اخلاص نصیب ہوجاتا ہے۔

چوتھا دروازہ - باب الدّعاء

جب بندہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۲) پر پہنچ کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت کا خواستگار ہوتا ہے تو فرشتوں کو جنت کا ساتواں دروازہ ''باب الدعا'' کھول دینے کا حکم دے دیا جاتا ہے۔

پانچواں دروازہ - باب الاقتداء

آخر میں جب بندہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (۳) تک پہنچتا ہے اورمنعم حقیقی سے اس کے انعام یافتہ بندوں کے زمرے میں شریک ہونے کا طلب گار ہوتا ہے اور ان لوگوں سے بریت کا اظہار کرتا ہے جو ضلالت وگمراہی کی وجہ سے اس کے غیظ وغضب کا نشانہ بنے، تو فرشتوں کو جنت کے آخری دروازے باب الاقتداء کو کھولنے کا حکم دے دیا جاتا ہے اور اس طرح اس کی نماز معراج کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔

---

(۱) الفاتحه، ۱: ۴

(۲) الفاتحة، ۱: ۵

(۳) الفاتحة، ۱: ۷

نماز کے آداب

اہلِ صفا اور سالکینِ طریقت نماز ہی کے ذریعے قربِ الٰہی کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ نماز کے بغیر ان روحانی مہمات کو سر کرنا نہ صرف ناممکن ہے بلکہ اس کا تصور ہی سرے سے محال ہے۔ لہٰذا نماز کی اس اہمیت کے پیشِ نظر جس نکتہ کی خصوصیت کے ساتھ وضاحت مقصود ہے اس کا تعلق نماز کے ان آداب سے ہے جن کو بجا لانے سے نماز روحانی لذت اور معراج کے ثمرات کے حصول کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰىO وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰىO[1]

’’بیشک وہی بامراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہ کی آلودگیوں سے) پاک ہوگیاO اور وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور (کثرت و پابندی سے) نماز پڑھتا رہاO‘‘

اس آیتِ مبارکہ کا مفہوم اس امر پر دلالت کررہا ہے کہ وہ نماز جو انسان کو دنیوی و اخروی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے کا باعث بنتی ہے اس کے لئے نفس کو تمام مذموم خواہشات، اخلاقِ رذائلہ اور ہر قسم کے میل کچیل سے پاک و صاف کرنا بنیادی شرط ہے اور یہی نماز کے روحانی معراج کی طرف پہلا قدم ہے۔ وہ شرائط اور آداب جن کی بجا آوری کو نماز ادا کرنے کے لئے لازمی و لابدی قرار دیا گیا ہے پانچ ہیں (ان میں سے ہر ادب گونا گوں ظاہری و باطنی پہلوؤں کو محیط ہے) اس ضمن میں اولاً ظاہری آداب پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک ظواہر کے تقاضے پورے نہ کئے جائیں تب تک باطنی آداب کی بجا آوری محال ہے۔

---

(۱) الاعلی، ۸۷: ۱۴۔۱۵

۱۔ ظاہری آداب

پہلا ادب - طہارت

نماز کا سب سے پہلا ادب پاکیزگی و طہارت ہے جو اس بات کا متقاضی ہے کہ حالتِ نماز میں داخل ہونے سے پہلے جسم، لباس اور جگہ اچھی طرح سے پاک و صاف ہوں، کیونکہ اس کے بغیر نماز کی ادائیگی کے شرعی تقاضے پورے نہیں کئے جاسکتے۔

دوسرا ادب - جسم کا ڈھانپنا

نماز کا دوسرا ادب ستر ہے فقہی اصطلاح میں اسے ''سترِ عورت'' کہا جاتا ہے۔اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو عضو بدن میں باعث شرم و عار ہے اسے مخلوق کی نگاہ سے چھپایا جائے، کیونکہ ستر کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے کی صورت میں نماز نہیں ہوگی۔

تیسرا ادب - پابندئ وقت

تیسرا ادب نماز کو مقررہ حدود کے اندر ادا کرنا ہے۔ نماز ادا کرنے کی دو حدیں ہیں ایک شروع کرنے کی ابتدائی حد اور دوسری ختم کرنے کی انتہائی حد۔ ان حدود کے اندر رہ کر نماز ادا کرنا شرط ہے مثلاً ظہر کی نماز کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اگر اس سے قبل ادا کرلی تو وہ ظہر کی نماز تصور نہیں ہوگی۔

اسی طرح نمازِ ظہر کی آخری حد اس وقت تک ہے جب سایہ سوا دو ہاتھ دراز ہو جائے۔ اس کے بعد چونکہ نمازِ عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اس لئے ظہر کی نماز ادا نہیں ہوسکتی۔ نمازِ عصر کی آخری حد غروب آفتاب سے قبل تک ہے۔ اسی طرح نمازِ مغرب غروبِ آفتاب کے بعد ہوگی۔ اس کی بھی ایک آخری حد ہے جس کے گزر جانے کے بعد نمازِ عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے جو طلوع فجر سے پہلے تک رہتا ہے۔

نمازِ پنجگانہ کے اوقات کی مقررہ حدود کی پابندی ہر مسلمان پر فرض کردی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا○[1]

''بیشک نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہے○''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''ایک آدمی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اسلام میں اللہ تبارک و تعالیٰ کو کون سی شے محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا۔[2]

''وقت پر نماز ادا کرنا''

لٰہذا وہ نماز جو مقررہ اوقات کے بعد ادا کی جائے قضاء نماز تصور ہوگی۔

چوتھا ادب - اِستقبالِ قبلہ

چوتھا ادب نماز میں داخل ہونے سے پہلے اپنے چہرے اور پورے جسم کو قبلہ رُخ کرنا ہے۔ تاہم حالتِ سفر میں اگر سمتِ قبلہ کا تعین کرنا ممکن نہ ہو تو انسان کو مجبوری کی بنا پر اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس صورت میں کسی بھی سمت رخ کر کے کھڑے ہونے سے نماز ادا ہو جائے گی۔ بصورت دیگر معمول کے حالات میں استقبالِ قبلہ کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

پانچواں ادب - نیّت

پانچواں ادب زبان یا دل سے نماز کی نیّت ہے۔ نیّت دل کے ارادے کا نام

(۱) النساء، ۴: ۱۰۳

(۲) بيهقي، شعب الإيمان، ۳: ۳۹، رقم: ۲۸۰۷

ہے۔اس کو بصورتِ الفاظ زبان سے ادا کرنا لازم نہیں بلکہ مستحب ہے۔

مذکورہ بالا پانچ ظاہری آداب کی پابندی شرعی تقاضا ہے اور اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ اب ہم نماز کے باطنی آداب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۲۔ نماز کے باطنی آداب

نماز کے ظاہری آداب کی تکمیل کے بعد باطنی آداب کا بجا لانا لازمی اور ضروری ہے۔ باطنی آداب کی کما حقہ بجا آوری سے ہی نماز روحانی اعتبار سے بالیدگی اور تقویت پاتی ہے۔ وہ نماز جو باطنی احوال میں کسی قسم کا انقلاب اور تغیر پیدا نہ کر سکے بے روح رہتی ہے۔ حقیقی نماز وہی ہے جو فواحش و منکرات کا سد باب اور تمام نفسانی برائیوں کا خاتمہ کر سکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ۔(۱)

’’بیشک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔‘‘

یہ بات غور طلب اور لمحۂ فکریہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہماری نماز سے مطلوبہ نتائج پیدا نہیں ہو رہے اور اس کے اثرات عملی طور پر ہماری زندگی پر مرتب ہوتے نظر نہیں آتے باوجود اس کے کہ ہم پنجگانہ نماز بھی باہتمام ادا کرتے ہیں لیکن برائی اور فحاشی کا ایک سیلاب ہمیں چاروں طرف سے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ اس ناگفتہ بہ صورتِ حال کا سبب یہ ہے کہ ہم نماز کے باطنی آداب پورے کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ ذیل میں ہم قدرے تفصیل کے ساتھ ان آداب کا جائزہ لیں گے۔

ا۔ تکبیر تحریمہ - غیر اﷲ سے بیزاری کا اِعلان

تکبیر تحریمہ نماز میں داخل ہونے کا دروازہ ہے اس کے باطنی ادب کو سمجھنے کے

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۴۵

لئے ان حکمتوں کو جان لینا ضروری ہے۔ جو داخلِ نماز ہونے کے لئے ہاتھ اٹھانے کے عمل میں کارفرما ہیں ورنہ بغیر ہاتھ اٹھائے بھی محض اللہ اکبر کہہ کر نماز کا آغاز کیا جاسکتا تھا۔ ہم اپنے رب کے حضور ہاتھ اٹھا کر گویا اللہ کے حکم کے آگے دنیا کی ہر شے کی محبت، رغبت اور خیال سے بریت و بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ اس امر کا اعلان ہے کہ ہمارے دل کے کسی گوشہ میں سوائے یادِ الٰہی کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ پس تکبیرِ تحریمہ کا باطنی ادب اس بات کا متقاضی ہے کہ بندہ مادی چیزوں کی کشش ورعنائی اور چکا چوند سے اپنا دھیان ہٹالے اور جھوٹی آرزوؤں، تمناؤں کے سراب سے باہر نکل کر اپنا قلبی تعلق محبوبِ حقیقی کی ذات سے اس حد تک استوار کرے کہ دنیا کی محبت اور لذت کی کوئی رمق بھی اس کے دل میں باقی نہ رہے۔ اس باطنی ادب کا حق اس وقت تک ادا نہ ہوگا جب تک قرآن حکیم کے اس ارشاد کے مطابق بندے کی طبیعت کا میلان ما سوا سے کٹ کر سراسر باری تعالیٰ کی طرف نہ ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًاo[1]

''اور آپ اپنے رب کے نام کا ذِکر کرتے رہیں اور (اپنے قلب و باطن میں) ہر ایک سے ٹوٹ کر اُسی کے ہو رہیںo''

اس آیت کریمہ میں اس امر کی تلقین کی گئی ہے کہ اللہ رب العزت کا ذکر اس قدر کثرت و تواتر کے ساتھ کیا جائے کہ وہ وظیفۂ حیات بن جائے اور تھکن، درماندگی اور بیزاری کے آثار ایک لمحہ کے لئے بھی طبیعت میں پیدا نہ ہوں بلکہ مولا کی یاد بندے کے دل میں اس حد تک جاگزیں ہو جائے کہ پھر کبھی بھولے سے بھی غیر اللہ کا خیال اس میں نہ آسکے۔

دنیا کی تمام محبتوں، رغبتوں اور مکروہات سے کنارہ کشی کر کے اللہ کی عظمت و کبریائی اور حاکمیت اعلیٰ کا برملا اعتراف اور اقرار کرنا تکبیر تحریمہ کا دوسرا باطنی ادب ہے

(۱) المزّمّل، ۷۳:۸

جس کا لازمی تقاضا ہے کہ ذات کبریا کی عظمت اور بڑائی کے زبانی اقرار کے بعد بندے کے دل سے غیر اللہ کا خوف کلیتًا نکل جائے اور وہ اس کی تصدیق اپنے عمل سے اس طرح کرے کہ ذاتِ خداوندی کی کبریائی پر ایمان لانے کے بعد کسی اور کی بڑائی، بزرگی یا عظمت کا ذرہ بھر تصور اس کے وہم و گمان میں نہ رہے۔ جب تک بندہ اس بات کو دل و جان سے تسلیم نہیں کرے گا کہ سب عظمتوں اور کبریائیوں کی مستحق صرف ایک ہی ذات ہے اور اس کے مقابلے میں باقی ہر چیز ہیچ، ادنیٰ اور مہمل (فضول، بے معنی) ہے تب تک اس کا دل غیر اللہ کے خوف کی آماجگاہ بنا رہے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو منصبِ نبوت پر فائز فرمانے کے ساتھ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو اپنی پیغمبرانہ جدوجہد کے آغاز ہی میں بنی نوع انسان کو غیر اللہ کے خوف سے نجات دلانے اور ان کے دل میں خوفِ الٰہی جاگزیں کرانے کا حکم دیا۔ ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○[1]

”اے چادر اوڑھنے والے (حبیب!)○ اُٹھیں اور (لوگوں کو اللہ کا) ڈر سنائیں○“

تکبیر تحریمہ کا باطنی ادب اس بات کا متقاضی ہے کہ بندہ اپنے رب کی کبریائی کے تصور میں ڈوب کر نماز میں داخل ہو۔ چنانچہ بعض اہل اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ اکبر کہتے ہی اپنی آنکھوں سے اللہ کی کبریائی کا نظارہ کر لیتے ہیں۔

حضرت شیخ ذوالنّون مصری علیہ الرحمۃ کا واقعہ

کسی نے حضرت شیخ ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ سے نماز کی امامت کے لئے کہا انہوں نے بہت پس و پیش کیا لیکن جب لوگوں کا اصرار بڑھ گیا تو مصلّے پر کھڑے ہوگئے۔ ابھی تکبیر تحریمہ کے لئے اللہ اکبر کہا ہی تھا کہ غش کھا کر گر پڑے اور کافی دیر تک

(۱) المدثر، ۷۴: ۱، ۲

اس حال میں پڑے رہے گویا اللہ کی کبریائی کا زبان سے اقرار کرنے کی دیر تھی کہ شیخ نے الوہی عظمت و جبروت کا نظارہ بچشم سر کر لیا اور خرمن ہوش جل کر رہ گیا۔[1]

صد افسوس کہ ہماری قلبی و ایمانی حالت اس قدر بگاڑ کا شکار ہو چکی ہے کہ ہماری نمازیں نتیجہ خیزی کے اعتبار سے احوال حیات میں کوئی انقلاب بپا نہیں کرتیں، فی الحقیقت ایک سجدہ بھی اگر صحیح ادا ہو جائے تو وہ پوری زندگی کے احوال کو بدل سکتا ہے۔

۲۔ قیام - مجاہدہ

قیام کے لغوی معنی کھڑے ہونے کے ہیں اور یہ نماز کا دوسرا (فرض) رکن ہے۔ حالتِ قیام میں بندہ سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور دست بستہ کھڑا ہوتا ہے۔ قیام کا باطنی ادب مجاہدہ ہے جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں یوں ارشاد فرمایا:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ○[2]

''اور اللہ کے حضور سراپا ادب و نیاز بن کر قیام کیا کرو○''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا اشارہ اپنے ان بندوں کی طرف ہے جو اس کے حضور سراپا عجز و نیاز اور پیکر ادب بن کر اس غلام کی طرح کھڑے ہوتے ہیں جو اپنے آقا کے رو برو فرط ادب و نیاز سے اپنی نگاہیں اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ قیام کا باطنی ادب یہ ہے کہ ہاتھ باندھتے ہی بندہ اس تصور میں کھو جائے کہ وہ بہت بڑے دربار میں حاضر ہے جہاں بڑے بڑے صاحب جبروت بادشاہ بھی سائل کی طرح کھڑے پیکر عجز و نیاز بنے رہتے ہیں۔ اس کیفیت میں سرشاری کی دولت خال خال خوش بختوں کو نصیب ہوتی ہے اور اس سے محرومی کو سوائے بدنصیبی کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ قیام کے باطنی ادب کا

(۱) سہروردی، عوارف المعارف: ۴۷۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۳۸

تقاضا ہے کہ غلامی اور اطاعت صرف ایک ہی ذات کی ہونی چاہئے۔ جب بندہ ایک عظیم و برتر شہنشاہ اور کائنات کے خالق و مالک کا تصور اپنے اوپر حاوی کر لیتا ہے تو اس کے دل میں رقت اور سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں، خودسپردگی کی کیفیت دل میں گھر کر لیتی ہے، دنیا کے ہر خوف کا کانٹا اس کے دل سے نکل جاتا ہے اور دھیان میں باری تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے سوا اور کسی کے تصور کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

۳۔ قراءت - دوامِ ذکر کا ذریعہ

نماز کا تیسرا رکن قراءت ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔(۱)

’’پس جتنا آسانی سے ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو۔‘‘

دورانِ نماز قرأت میں آسانی کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یعنی صرف اس قدر قرآن پڑھا جائے جو طبیعت پر بوجھ اور گرانی کا باعث نہ بنے۔ یہ خدا کا اپنے بندوں پر بڑا احسان، شفقت اور مہربانی ہے کہ اس نے اتنا قرآن پڑھنے کی اجازت دی ہے جتنا آسانی سے یاد ہو سکے۔ قرآن کلامِ ربی ہے اور اس کا پڑھنا گویا اللہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرنا ہے جو بڑی فضیلت کی بات ہے۔ اس میں ایسے ایسے مقامات آتے ہیں کہ کہیں بندہ اپنے مولا سے کچھ طلب کر رہا ہوتا ہے تو کہیں التجا اور دعا و مناجات میں محو اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر اس کی حمد و ثنا بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اسلوب اور انداز کلام بدلتا رہتا ہے نجات، فوز و فلاح اور جنت کی بشارتوں کا ذکر آتے ہی دل میں غنچہ امید کھل اٹھتا ہے، عذاب نار، عقوبت سقر (جہنم کی سزا) اور ہاویہ (دوزخ کا سب سے نیچے کا طبقہ) کا بیان خشیتِ الٰہی سے جسم کے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ دراصل قرآن سارے کا سارا

(۱) المزمل، ۷۳:۲۰

ذکرِ الٰہی ہے جس سے دلوں کا حزن و ملال راحت و اطمینان میں بدل جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ○(۱)

''جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے○''

قرأت کا باطنی ادب دوامِ ذکر ہے جس کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ قرآن پڑھتے ہوئے بندہ اس کی گہرائیوں میں ڈوب کر اپنے اوپر ایسی کیفیت طاری کرے کہ جیسے وہ خدا سے ہم کلام ہو رہا ہے۔ بندے کے دل و دماغ میں یہ تصور جاگزیں ہو کہ وہ ذاتِ کبریا کی بارگاہ میں حاضر ہے اور اس کی زبان سے نکلا ہوا قرآن کا ایک ایک لفظ لوح دل پر ثبت ہو رہا ہے۔ جسے قرأت کے باطنی ادب کی شناسائی نصیب ہو جاتی ہے اسے محبوب حقیقی کے کلام میں وہ قرار ملتا ہے کہ دنیا کا ہر کلام اس کے مقابلے میں ہیچ اور بے مایہ نظر آتا ہے۔ اس کی طبیعت کو کسی اور ذکر سے لطف نصیب ہی نہیں ہوتا وہ بے نصیب جو لذتِ قرأت کی دولت سے محروم ہیں انہوں نے گویا قرآن کو سمجھا ہی نہیں۔ پس قرأت کا باطنی ادب ذکرِ دوام سے محبوب کی یاد کو دل میں تازہ اور اس تصور کو پختہ کرنا وہ کیفیت پیدا کر دیتا ہے کہ زندگی کا کوئی لمحہ بھی اس کی یاد سے خالی بسر نہ ہو۔

۴۔ رکوع - اِظہارِ عجز و انکساری

رکوع کا معنی ''جھکنا'' ہے جو حالت عجز و انکساری کا آئینہ دار ہے۔ رکوع میں بندہ اپنی زبان سے **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم** کہہ کر اس کی عظمت کے مقابلے میں خود کو نہایت عاجز، بے کس اور ادنیٰ تصور کرتا ہے، رکوع کا باطنی ادب انسان میں یہ احساس جاگزیں کرنا چاہتا ہے کہ وہ خلقت کے اعتبار سے تواضع و انکسار اور عاجزی وفروتنی کا مرقع ہے اسے قطعاً زیب نہیں دیتا کہ وہ تکبر، غرور، رعونت اور برتری کا مظاہرہ کرتے ہوئے

(۱) الرعد، ۱۳: ۲۸

دوسروں کو ہیچ وکم تر سمجھے۔ اگر کوئی نمازی اس روش سے باز نہیں آتا تو گویا وہ اپنے عمل سے رکوع کے اس باطنی ادب کی نفی کر رہا ہے، جو انسان کو سرتا پا متواضع ومنکسر المزاج دیکھنا چاہتا ہے۔ رکوع کا باطنی ادب ہر ایک کے لئے یہ امر لازم ٹھہراتا ہے کہ وہ عزمِ صمیم کے ساتھ اس بات کا عہد کرے کہ زندگی بھر تکبر، جھوٹے فخر وغرور کے بت کے آگے اپنی جبین نیاز خم نہیں کرے گا اور تواضع وانکسار کو اپنا مستقل وتیرہ اور شعار بنا رہے گا۔

۵۔ سجدہ - غایت درجہ عجز و اِنکساری

رکوع کے بعد قومہ سے فارغ ہوتے ہی نماز کا اگلا رکن سجدہ ہے جس میں بندہ اپنے جسم کے آٹھ اعضا زمین کو اس طرح چھونے لگتے ہیں کہ اس حالت میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رخ پھیلاتے ہوئے اپنی ناک اور پیشانی زمین پر ٹکا دیتا ہے۔ حالتِ سجدہ انسان کی غایت درجہ عاجزی، تذلّل، تضرّع اور کمال خشوع وخضوع کی آئینہ دار ہے جس میں وہ اپنے رب سے **سبحان ربّی الأعلی** کہہ کر ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ ذات باری تعالیٰ کے روبرو اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ مولا تو ہر نقص، عیب اور خامی سے پاک ہے۔ اس حالت میں وہ اپنے مولا سے براہِ راست اپنا تعلق جوڑ لیتا ہے اور اسے وہ کیفیت نصیب ہو جاتی ہے جسے معرفت نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ حقیقت انسان پر صرف اس وقت منکشف ہوتی ہے جب وہ خدا کو خالق و مالک، یگانہ، ہر چیز پر غالب اور قابض و محیط تسلیم کرلے۔ سجدہ انسان کو معرفت نفس عطا کرتا ہے جس سے اسے بارگاہ ایزدی میں انتہائی قرب نصیب ہوتا ہے۔ سجدہ سے بندہ کس طرح اللہ کا قرب حاصل کرے اس کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَاسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ○ السجدة(۱)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) آپ سربسجود رہیے اور (ہم سے مزید) قریب ہوتے جایئے○‘‘

---

(۱) العلق، ۹۶: ۱۹

سجود کا اثر اور ثمر یہ ہونا چاہئے کہ انسان کو اس سے معرفت نفس نصیب ہو اور اسے اللہ کی جلالت و بزرگی کے سامنے اپنی ہستی کا اندازہ ہوجائے کہ وہ اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ سجدہ وہی مقبول ہے جو نفس کے اندر چھپے ہوئے کبر و نخوت اور ''اَنا'' کے بت کو توڑ دے اور انسان اپنے جھوٹے وقار اور عزت و تمکنت کے تفاخر سے نجات پالے۔ میل ملاپ اور رہن سہن میں عجز و انکساری کا پیدا ہو جانا بھی سجدے کے فلسفۂ بندگی کا عکس ہے۔ سجدے میں انسان کو جب یہ احساس ہوجائے کہ وہ اصل میں خاک ہے اور خاک سے وجود میں آیا ہے اور اس کا انجام بھی اسی میں ہونا ہے تو لامحالہ اس کی بندگی میں چاشنی حلاوت اور لگن پیدا ہوگی اور بالآخر اس کا ادا کیا ہوا سجدہ بقول علامہ اقبالؒ اسے مقبولِ بارگاہِ ایزدی بنا دے گا۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

۶۔ قعدہ اخیرہ - خود سپردگی

نماز کا چھٹا رکن قعدہ اخیرہ ہے تکبیر تحریمہ سے لے کر سجدہ کی تک سارے عمل میں انسان نماز کے ذریعے اپنا روحانی سفر طے کرتا ہے۔ قعدہ اخیرہ سے قبل تکبیر، قیام، قرأت، رکوع اور سجود میں اس پر اللہ کی بے شمار رحمتوں اور نعمتوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ اب وہ قعدے میں اپنے دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھ کر حالتِ تشہد میں بیٹھ کر حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام پڑھتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھتے اور السّلام علی اللہ، السّلام علی فلان کہتے، ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بذات خود ''سلام'' ہے جب تم سے کوئی شخص نماز میں بیٹھے تو یوں کہے:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ، والصَّلَوَاتُ وَالطِّیِّبَاتُ، السَّـلَامُ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلَی عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِیْنَ،

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔(۱)

’’تمام زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں سلام ہو آپ پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔‘‘

اس طرح نمازی جب صدق دل سے سب کچھ اللہ کے سپرد کر دیتا ہے تو اس پر عالمِ ملکوت کے بعد عالم لاہوت کے پردے اٹھتے ہیں اور اس سے کہا جاتا ہے کہ جس کی خاطر تو نے قیام، رکوع، سجود اور قرأت غرض یہ کہ اپنی عقیدتوں اور نیاز مندیوں کا جو نذرانہ بھی نماز کی حالت میں پیش کیا، اس رب کی بارگاہ نیاز کی طرف نگاہ اٹھا۔ وہ اسی حالت میں جب اپنی باطنی نظر سے حریم بارگاہ الٰہی کی طرف نگاہ اٹھاتا ہے تو اسے وہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی نظر آتی ہے اس طرح قعدہ اخیرہ میں بندے کو یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ تجھے جو کچھ عطا ہوا وہ اسی ہستی کے طفیل عطا کیا گیا ہے۔

جب بندے کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ کائنات میں سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کے احسانات و عنایات کی صورت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصدق سے نصیب ہو رہا ہے تو وہ اپنے آقا و مولا کا تصور کر کے عرض کرتا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صفة الصّلاة، باب التشهّد في الآخرة، ۱: ۲۸۶، رقم: ۷۹۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصّلاة، باب التشهّد فی الصّلاة، ۱: ۳۰۱، ۳۰۲، رقم: ۴۰۲

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب صفة الصلاة، باب التشهد في الآخرة، ۱: ۲۸۶، رقم: ۷۹۷

’’یا رسول اللہ! آپ پر سلامتی اور اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو۔‘‘

اس لحاظ سے تشہد اور قعدہ اخیرہ کا باطنی ادب نمازی کو یہ باور کرانا ہے کہ بارگاہِ خداوندی سے مجھے جو کچھ نصیب ہوتا ہے وہ میرے آقا حضور نبی اکرم ﷺ کے ذریعے سے ہے۔ یہ سب عطائیں اللہ جل مجدہ کی ہیں جبکہ تقسیم اس کے حبیب مکرم ﷺ کے ذریعے ہو رہی ہیں، پس جب انسان پر تشہد کی حالت میں یہ حقیقت کھلتی ہے تو وہ شکرانے کے طور پر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں زبانِ حال سے اپنے سلام کا تحفہ پیش کرتا ہے۔

سلام گزار بندے کو چاہیے کہ وہ دل میں یہ یقین رکھے کہ یہ سلام ان کو پہنچے گا اور وہ اس کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ کوئی مسلمان بھی شرق سے لے کر غرب تک جب بھی مجھ پر سلام پڑھتا ہے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ یہ سلسلہ ہر دور میں جاری و ساری رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِن أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔(۱)

’’کوئی مسلمان ایسا نہیں جو مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح میری طرف واپس لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں۔‘‘

جس طرح ہر آنکھ جمال محمدی ﷺ کے دیدار کی اہل نہیں اسی طرح ہر کان حضور نبی اکرم ﷺ کے اس جواب کے سننے کا اہل نہیں، حضور نبی اکرم ﷺ سب کو برابر

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ۲: ۱۷۵، رقم: ۲۰۴۱

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۲۱۷، رقم: ۱۵۸۱۔

جواب دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کی چادرِ رحمت تا قیامت سارے جہاں پر محیط ہے۔ لیکن ہر کسی کو سماعت و بصارت کی توفیق اس وقت تک نصیب نہیں ہوتی جب تک وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے عشق و محبت میں اپنے آپ کو فنا نہ کرلے جب وہ آپ ﷺ کی محبت و اطاعت میں مست و بے خود ہوگا تو اسے یہ باطنی شعور اور روحانی قوت نصیب ہوجائے گی جو براہِ راست حضور نبی اکرم ﷺ کے جلوؤں کا نظارہ کر سکے ورنہ جس طرح کان کے سوا جسم کے دوسرے اعضاء زبان سے کہی ہوئی بات سمجھنے اور سننے سے قاصر ہیں ہماری طرح کے عام انسان بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔

بعض خوش نصیب ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں ہر سلام پر حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے جواب ملتا ہے اور وہ اسے سنتے بھی ہیں اسی طرح تشہد میں اللہ والوں کے سلام کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ اس وقت تک نماز سے فارغ نہیں ہوتے جب تک حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے سلام کا جواب اپنے کانوں سے نہ سن لیں۔

بلا شبہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے جواب ہر کسی کو اس کے حال کے مطابق ملتا ہے، کسی کو اس کی خبر ہوتی ہے کسی کو نہیں، کوئی سنتا ہے اور کوئی بچشمِ سر مشاہدہ بھی کر لیتا ہے۔ بس ہم ہی کوتاہ نظر اور نابینا ہیں کہ محبوب کے جلوے ہمہ وقت موجود ہونے کے باوجود ان کا ادراک نہیں کر پاتے۔ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گوش و چشم کو بھی اس نعمتِ عظمیٰ کا اہل بنادے۔

قعدہ اخیرہ اور درود وسلام

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قعدہ اخیرہ میں خروج عن الصلوٰۃ سے پہلے ہم درود و سلام کیوں پڑھتے ہیں جبکہ سلام اس سے قبل پیش کر چکے ہیں؟ اس کا جواب ہے کہ جب ہم تشہد میں اپنی ساری عبادتیں اللہ کے حضور بطور نذرانہ پیش کر چکتے ہیں اور اللہ کے فضل

وکرم اور عنایت خاص سے اس کے حبیب ﷺ کے طفیل اپنا حصہ لیتے ہیں تو یہ تصور کر کے کہ ہمیں بارگاہِ خداوندی سے یہ سب مہربانیاں اور بخششیں، عنایتیں حضور نبی اکرم ﷺ کے تصدق سے عطا ہوئی ہیں، ہم حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام کا ہدیہ پیش کرتے ہوئے آپ ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں اظہار تشکر کرتے ہیں۔

۷۔ خروج عن الصّلوٰۃ

نماز کا ساتواں رکن خروج عن الصلوٰۃ یعنی نماز سے باہر آنا ہے۔ نماز کے پچھلے چھ ارکان کے ذریعے جب انسان اللہ کی رحمت سے سب مرحلے طے کرتا چلا جاتا ہے اور قعدہ اخیرہ میں ہدیہ درودوسلام بھی پیش کرتا ہے تو حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے تعلیم دی جاتی ہے کہ اے میرے امتی تو نے یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے کیا، مجھ پر اور میری آل پر صلوٰۃ و سلام بھی بھیجا۔ اب اس نعمت کے حصول پر رحمت و برکت کی دعا میں دوسروں کو بھی شریک کرلے کہ اگر میری ساری امت شامل نہ ہوئی تو مجھے خوشی نہیں ہوگی۔

ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں دعا مانگ رہا تھا **اللّٰھمّ ارحمنی** ''اے اللہ مجھ پر رحم فرما'' حضور نبی اکرم ﷺ میرے پاس سے گزرے اور میرے دعائیہ کلمات سماعت فرما کر مجھے قریب آ کر تھپکی دی۔ اور فرمایا ''اے علی! اللہ کی رحمت کو تنگ کیوں کرتے ہو؟ یوں کیوں نہیں کہتے : اے اللہ! حضور نبی اکرم ﷺ کی ساری امت پر رحم فرما ،اس لئے کہ سب کے لئے دعا مانگنے میں اپنی ذات تو خود بخود آ جاتی ہے۔ مزید فرمایا:

مَا بَیْنَ الْعُمُوْمِ والْخُصُوْصِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔(۱)

''بے شک دعا کو سب کے لئے عام کرنے اور اپنے لئے خاص کرنے میں اتنا

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۱۳۰، رقم: ۵۱۳۴

۲۔ أبو داود، کتاب المراسیل، ۱: ۱۱۵

فرق ہے جتنا آسمان اور زمین کی وسعتوں میں۔‘‘

درود کے بعد امت مصطفوی ﷺ کے لئے بالعموم اور اپنے خویش و اقارب کے لئے بالخصوص دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور اللہ کی اس نعمت کے حصول پر اظہار شکر خاتمہ نماز پر یوں ادا کیا جائے کہ نمازی اپنے دائیں بائیں ’’السّلام علیکم ورحمة اللہ‘‘ کہتا ہے۔ ایک طرف کہنے سے دائیں طرف کی ساری امت اور دوسری طرف کہنے سے بائیں طرف کی ساری امت اس دعا میں شامل ہو جاتی ہے۔

خروج عَنِ الصَّلٰوۃ میں سلام کا ادب

مندرجہ بالا وضاحت کے بعد سلام کے دو آداب معلوم ہوئے ایک یہ کہ اس سلامتی کی دعا میں حضور نبی اکرم ﷺ کی پوری امت شامل کر لی جائے اور جب تک ایسا نہیں ہوگا عبادت اپنے کمال کو نہیں پہنچے گی۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ بندہ جب تک دوسروں کے لئے سراسر پیکرِ رحمت نہ بن جائے اس وقت تک اس کی بندگی کمال کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔ بندے کا تو کام ہی دوسروں کی بھلائی چاہنا ہے لہٰذا دوسروں کے لئے برا چاہنا، ان کو اذیت دینا، تکلیف پہنچانا یا کسی کی مجبوری سے بے جا فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی کو پریشان کرنا کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہونا چاہئے۔

لمحۂ فکریہ

اس ساری بحث سے پتا چلا کہ نماز سے خارج ہونے کا سبق بندے کے لئے یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر جب وہ عملی زندگی کی طرف پلٹ کر آئے تو خود اپنے آپ سے مکالمہ کرے کہ ابھی تُو اللہ کے گھر میں بیٹھ کر پوری امت کے لئے رحمت مانگ کر آیا ہے اور اگر تو اس کے بعد بھی کلمہ گو مسلمان بھائی کو اپنے عمل سے تکلیف، دھوکا یا فریب دے گا تو قول و فعل کے تضاد کے باعث تیری وہ نماز تیرے منہ پر مار دی جائے گی جس

کا اختتام تو نے **السّلامُ علیکم ورحمۃُ اللہ** کے ذریعے جمیع امت کے لئے سلامتی کی دعاؤں پر کیا کیونکہ اس طرح تو اپنی زبان سے دعا اور عمل سے تکلیف کا موجب بن رہا ہے۔ قول و عمل میں اس قدر تضاد ساری عبادات قیام، رکوع، سجود وغیرہ کے اثرات کو ختم کر دیتا ہے۔ ایسی نمازیں منکرات سے ہمیں کس طرح بچائیں گی اور ہمارے قلب و باطن کس طرح انقلاب آشنا ہوسکیں گے اور ہم اپنے معاشرے میں کیونکر تبدیلی پیدا کر سکیں گے؟

اگر ہم نماز کے مندرجہ بالا باطنی آداب سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنی نمازوں کو ان کے مطابق ادا کریں تو ان آداب کی بجا آوری ہماری زندگی کے جملہ امور کو اپنے دائرہ کار میں لا کر ان کی سمت درست کر دے گی۔

نماز میں خشوع و خضوع

ہر شے کی ایک ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک باطنی حقیقت، نماز بھی ایک ظاہری صورت رکھتی ہے اور ایک باطنی حقیقت۔ نماز کی اس باطنی حقیقت کا نام قرآن و سنت کی زبان میں ’’خشوع و خضوع‘‘ ہے۔

ا۔ خشوع کا لغوی معنی

لفظ خشوع کے معانی اطاعت کرنا، جھکنا اور عجز و انکسار کا اظہار کرنا ہیں۔ اس کیفیت کا تعلق دل اور جسم دونوں سے ہوتا ہے۔ دل کا خشوع یہ ہے کہ بندے کا دل رب ذوالجلال کی عظمت و کبریائی اور اس کی ہیبت و جلال سے مغلوب ہو اور اپنے منعمِ حقیقی کی بے پایاں بخششوں اور احسانات کے شکریہ میں مصروف ہونے کے ساتھ عجز و انکساری اور بے چارگی کا اعتراف بھی کرے۔ جسم کا خشوع یہ ہے کہ اس مقدس بارگاہ میں کھڑے ہوتے ہی سر جھک جائے، نگاہ نیچی ہو جائے، آواز پست ہو، جسم پر کپکپی اور لرزہ طاری ہو اور ان تمام آثارِ بندگی کو اپنے جسم پر طاری کرنے کے بعد اپنی حرکات و سکنات میں ادب و احترام کا پیکر بن جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ[1]

’’جس سے اُن لوگوں کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔‘‘

نماز میں خشوع سے مراد وہ کیفیت ہے کہ دل خوف اور شوق الٰہی میں تڑپ رہا ہو اس میں ماسوااللہ کی یاد کے کچھ باقی نہ رہے، اعضا و جوارح پر سکون ہوں، پوری نماز میں جسم کعبہ کی طرف اور دل رب کعبہ کی طرف متوجہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ’’درمیانے انداز کی دو رکعتیں جن میں غور وفکر کا غلبہ ہو پوری رات یوں ہی کھڑا رہنے سے بہتر ہیں کہ دل سیاہ ہو۔‘‘[2]

۲۔ خشوع نماز کا مغز ہے

مومن کا شعارصرف نمازی ہونا ہی نہیں بلکہ نماز میں خشوع اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ خشوع نماز کا مغز ہے اور اس کے بغیر اقامتِ صلوٰۃ کا تصور بھی ممکن نہیں۔اور اگر نماز میں آداب کی رعایت اور لحاظ نہ ہوتو پھر مثال یوں ہوگی جیسے کسی کی آنکھیں تو ہوں لیکن بصارت نہ ہو، کان تو ہوں مگر سماعت نہ ہو لہٰذا نماز کی روح یہ ہے کہ ابتدا سے آخر تک خشوع کا غلبہ ہو اور حضورِ قلب قائم رہے کیونکہ دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و ہیبت کی کیفیات کو اپنے اوپر طاری رکھنا ہی نماز کا اصل مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشادفرمایا:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ○[3]

’’اور میری یاد کی خاطر نماز قائم کیا کروہ○‘‘

(۱) الزمر، ۳۹: ۲۳

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۱: ۱۵۱

(۳) طه، ۲۰: ۱۴

اس آیۂ کریمہ کی رو سے جو شخص پوری نماز میں یادِ الٰہی سے غافل رہا وہ کیسے ذکرِ خداوندی کے لئے نماز کو قائم کرنے والا ہوگا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۝(۱)

’’اور اپنے رب کا اپنے دل میں ذکر کیا کرو عاجزی و زاری اور خوف و خستگی سے اور میانہ آواز سے پکار کر بھی، صبح و شام (یادِ حق جاری رکھو) اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۝‘‘

۳۔ نماز میں خشوع کے عملی نمونے

حضرت عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیتِ نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَتيتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهو يُصَلِّي وَلِجَوْفِهِ أَزِيرٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ۔(۲)

’’آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ انور سے رونے کی آوازیں اس طرح آرہی تھیں جیسے ہنڈیا کے ابلنے کی آواز آتی ہے۔‘‘

امام غزالی علیہ الرحمۃ ’’إحیاء علوم الدّین‘‘ میں چند صلحائے امت کے نماز میں خشوع و خضوع کے بارے درج ذیل اقوال نقل کرتے ہیں:

۱۔ حضرت علی بن حسین علیہ الرحمۃ کے بارے میں مذکور ہے کہ جب آپ وضو کرتے تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا۔ گھر والے پوچھتے آپ کو وضو کے وقت یہ کیا ہو جاتا

(۱) الأعراف، ۷: ۲۰۵

(۲) ترمذی، الشمائل المحمدیۃ: ۵۲۷، رقم: ۳۲۲

ہے؟ وہ فرماتے: ’’کیا تمہیں معلوم ہے میں کس کے سامنے کھڑے ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں؟‘‘

۲۔ حضرت حاتم علیہ الرحمۃ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ’’جب نماز کا وقت ہوجاتا ہے تو میں مکمل وضو کرتا ہوں، پھر اس جگہ آ جاتا ہوں، جہاں نماز پڑھنے کا ارادہ ہوتا ہے وہاں بیٹھ جاتا ہوں یہاں تک کہ میرے اعضاء مطمئن ہوجاتے ہیں، پھر نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں کعبہ کو ابرو کے سامنے، پل صراط کو قدموں کے نیچے، جنت کو دائیں اور جہنم کو بائیں طرف، موت کے فرشتے کو پیچھے خیال کرتا ہوں اور اس نماز کو اپنی آخری نماز سمجھتا ہوں، پھر امید وخوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کھڑا ہو کر حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان کرتا ہوں، قرآن حکیم ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہوں، رکوع تواضع کے ساتھ اور سجدہ خشوع کے ساتھ کرتا ہوں، بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتا ہوں، دائیں پاؤں کو انگوٹھے پر کھڑا کرتا ہوں، اس کے بعد اخلاص سے کام لیتا ہوں پھر بھی مجھے معلوم نہیں کہ میری نماز قبول ہوئی یا نہیں۔‘‘

۳۔ حضرت مسلم بن یسار علیہ الرحمۃ کے بارے میں منقول ہے کہ ’’جب وہ نماز کا ارادہ فرماتے تو اپنے گھر والوں سے فرماتے، گفتگو کرو میں تمہاری باتیں نہیں سنتا انہی کے بارے میں مروی ہے کہ ایک دن بصرہ کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کا ایک کونہ گر گیا لوگ وہاں جمع ہوگئے لیکن آپ کو نماز سے فارغ ہونے تک پتا نہ چل سکا۔‘‘[۱]

مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں درست نماز وہی ہے جس میں از آغاز تا اختتام تک دل بارگاہِ الٰہی میں حاضر رہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نماز میں اللہ ﷻ کی

(۱) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۱۵۱

جس جس صفت کا بیان زبان پر آئے اس کی معنویت کا نقش دل پر بیٹھتا چلا جائے۔ اگر نماز کو اس کے معانی کے ساتھ اور ان کیفیات و لذّات کے ساتھ پڑھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ بندہ خیالات کی پراگندگی، ذہنی انتشار اور شیطانی وساوس سے نجات نہ پاسکے۔

۴۔ نماز میں حضورِ قلبی کی تدابیر

نماز میں داخل ہوتے ہی ایسے وسوسے اور خیالات آنے لگتے ہیں جن سے توجہ منتشر ہوجاتی ہے اور نماز میں یکسوئی نصیب نہیں ہوتی۔ لوگ اکثر پوچھتے ہیں کہ اس صورت حال کا ازالہ کیسے کیا جائے؟

امام غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰۔۵۰۵) نے نماز میں شیطانی خیالات، وسوسوں سے بچنے، خشوع و خضوع اور حضورِ قلبی برقرار رکھنے کے لئے درج ذیل تدابیر بیان فرمائی ہیں:

۱۔ جیسے ہی انسان اذان کی آواز سنے تو دِل میں تصور کرے کہ مجھے میرے خالق و مالک اور غفور رحیم کی بارگاہ میں حاضری کا بلاوا آ گیا ہے اب میں ہر کام پر اس حاضری کو ترجیح دیتا ہوں لہٰذا جس کام میں بھی مشغول ہو اسے چھوڑ کر نماز کی تیاری کرے۔ اس بات کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ (۱)

’’اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لئے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ و نماز) کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید و فروخت (یعنی کاروبار) چھوڑ دو۔‘‘

دوسرے مقام پر فرمایا:

(۱) الجمعۃ، ۶۲: ۹

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ۔(۱)

’’(اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے۔‘‘

خشوع وخضوع کے لئے ضروری ہے کہ مؤذن کی صدا سننے کے بعد نماز کے علاوہ کوئی کام اسے بھلانہ لگے۔ دل بار بار اپنے مالک کی حاضری کی طرف متوجہ ہو اور خوش ہو کہ مالک نے یاد فرمایا ہے اور میں حاضر ہو کر اپنی تمام روداد عرض کروں گا۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگوں گا، شوق و محبت سے قیام، رکوع اور سجود کے ذریعے دلی راحت و سکون حاصل کرکے اپنے تمام غموں اور صدماتِ ہجر و فراق کا ازالہ کروں گا۔ میں محبوبِ حقیقی کی حاضری کے لئے طہارت کرتا، اچھے کپڑے پہنتا اور خوشبو لگا کر حاضر ہوتا ہوں کیونکہ میرے مالک کا حکم ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔(۲)

’’اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو۔‘‘

بندے کو چاہئے کہ بارگاہِ خداوندی کی عظمت کا بار بار تصور کرتے ہوئے سوچے کہ اتنی بڑی بارگاہ میں کیسے حاضری دوں گا؟

۲۔ نماز کے معانی ذہن نشین کر لئے جائیں اور اس کا مفہوم لفظاً لفظاً ازبر کرلیا جائے۔ مثلاً جیسے ہی لفظ ’’سبحان‘‘ زبان سے ادا ہو خدا کی بڑائی، پاکیزگی اور تقدس کا تصوّر دل و دماغ میں گھر کر جائے اور نمازی پر یہ خیال حاوی ہوجائے کہ وہ سب سے بڑے بادشاہ کے دربار میں دست بستہ حاضر ہے جو ہر عیب اور نقص سے اس طرح پاک ہے کہ اس سے زیادہ پاکیزگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

---

(۱) النور، ۲۴: ۳۷

(۲) الاعراف، ۷: ۳۱

۳۔ جب اس کی کبریائی کا ذکر آئے تو آسمانی اور ارضی کائنات کی ہر شے سے اسے بڑا جانے اور ساری مخلوق اس کی عظمت کے آگے بے مایہ ہیچ اور حقیر نظر آنے لگے۔

۴۔ نماز شروع کرنے سے پہلے نمازی کا دل باقی چیزوں سے اجنبی و بیگانہ ہوکر اپنے رب کریم کی طرف متوجہ ہوجائے۔

۵۔ نماز میں غفلت کے اسباب

نماز میں غفلت کے دو اسباب ہیں۔ ایک ظاہری سبب اور ایک باطنی سبب۔

(۱) ظاہری سبب

ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں شور و ہنگامہ ہو اس کی تدبیر یہ ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھی جائے جہاں دنیاوی آواز سنائی نہ دے اور وہ جگہ تاریک ہو اگر نمازی آنکھیں بند کرے تو زیادہ بہتر ہے، اکثر عباد عبادت کے لئے چھوٹا سا الگ مکان بنا لیتے ہیں کیونکہ کشادہ مکان میں دل پراگندہ ہوجاتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز ادا کرتے تھے تو قرآن حکیم، تلوار اور تمام اشیاء کو جدا کر لیتے تھے تاکہ ان کی طرف مشغولیت نہ ہو۔(۱)

(۲) باطنی سبب

دوسرا سبب پریشان خیالات اور خطرات و وساوس کا دل میں آنا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم میں ایسا کسی کام کے سبب سے ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے اس کام کو نمٹا لیا جائے پھر نماز پڑھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) غزالی، کیمیائے سعادت: ۱۳۵

إِذَا حَضَرَا لعشَاءُ و أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَءُوْا بِالْعشَاءِ۔[1]

’’جب (مغرب کی) نماز کھڑی ہونے لگے اور شام کا کھانا تیار ہو تو پہلے کھانا کھا لو، کھانے سے پہلے نماز نہ پڑھو۔‘‘

اگر کوئی ضروری بات کہنی سننی ہو تو پہلے وہ کہہ دے پھر نماز میں مشغول ہو۔ دوسری قسم اپنے کاموں کا خیال اور اندیشہ ہے جو ایک ساعت میں پورے نہ ہوں یا برے خیالات و عادت کے موافق خود بخود دل پر غالب ہوگئے ہوں اس کی تدبیر یہ ہے کہ جس چیز کا خیال توجہ کھینچتا ہے اسے ترک کرنے کی فکر کرے اور اس سے نجات پالے اگر ترک نہیں کرے گا تو اس کا دل پراگندہ خیالی سے ہرگز محفوظ نہیں ہوگا اور اس کی نماز انہی خیالاتِ کی نذر ہو جائے گی اس نمازی کی مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی شخص درخت کے نیچے بیٹھ کر یہ چاہے کہ چڑیوں کا چہچہانہ نہ سنے اور لاٹھی اٹھا کر انہیں اڑا دے ظاہر ہے کہ وہ اسی وقت پھر آ بیٹھیں گی اگر ان کی چہچاہٹ سے نجات چاہتا ہے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس درخت سے اپنے آپ کو دور لے جائے اس لئے کہ جب تک وہ درخت کے پاس رہے گا چڑیاں اس پر ضرور بیٹھ کر چہچہائیں گی اور وہ چہچاہٹ سنے بغیر نہیں رہے گا اسی طرح جب تک کسی کام کی خواہش اس کے دل پر غالب رہے گی تو وہ خیالات کی آماجگاہ بنا رہے گا۔ جب نماز سے پہلے اللہ کا ذکر دل پر غالب نہ ہوگا تو دل نماز میں نہیں لگے گا اور جو خیال دل میں پہلے سے جما ہوا ہے وہ نماز پڑھنے سے دور نہیں ہوگا لہٰذا پہلے اپنے دل کا علاج کیا جائے اور دل کو خیالات اور وسوسوں سے پاک کیا جائے ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا کی چیزوں پر ضروری حد تک قناعت کی جائے تاکہ دل کو فراغت نصیب ہوجائے جب تک یہ بات نہیں ہوگی اس وقت تک نماز میں حضوریٔ قلب نصیب نہیں ہوگی۔ نیز نوافل کی مقدار کو بتدریج بڑھایا جائے تاکہ دل حاضر اور متوجہ ہو جائے کیونکہ نوافل فرائض کے نقصان کی تلافی کرتے ہیں۔

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام، ۱: ۳۹۲، رقم: ۵۵۷

ترکِ نماز پر سزا

نماز اسلام کا بنیادی ستون اور وہ امتیازی عمل ہے جو ایک مومن کو کافر سے ممتاز کرتا ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات میں جہاں فریضہ نماز کی بجا آوری کو دین کی تعمیر قرار دیا گیا ہے۔ وہاں اسکا ترک کردینا دین کی بربادی اور انہدام کا موجب سمجھا گیا ہے لہٰذا جس نے اسے قائم کرلیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے گرا دیا وہ ناکام و نامراد ہوگیا۔

ا۔ قرآنِ حکیم میں وعید

سورۃ مدثر میں اللہ تعالیٰ نے اہل دوزخ کے بارے میں ارشادفرمایا کہ جب ان سے پوچھا جائے گا تمہیں دوزخ میں لے جانے کے باعث کونسی چیز بنی تو وہ جواباً کہیں گے۔

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ○(۱)

’’وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے○ اور ہم محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے○ اور بے ہودہ مشاغل والوں کے ساتھ (مل کر) ہم بھی بے ہودہ مشغلوں میں پڑے رہتے تھے○‘‘

سورۃ الماعون میں ارشادفرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ○(۲)

’’پس افسوس (اورخرابی) ہے ان نمازیوں کے لئے○ جو اپنی نماز (کی روح)

---

(۱) المدثر، ۷۴: ۴۳۔۴۵

(۲) الماعون، ۱۰۷: ۴، ۵

سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)o‘‘

یومِ حشر ہر شخص اپنے کئے کی سزا بھگت رہا ہوگا صرف وہ لوگ باعزت اور جنت میں ہوں گے، جن کے اعمال اچھے ہوں گے ان کی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں ہوں گے۔ یہ اچھے لوگ مجرموں سے سوال کریں گے کہ کون سے عمل نے تمہیں رسوا کیا؟ ان کا جواب ہوگا کہ وہ دنیا میں نماز نہیں پڑھتے تھے اس لئے آج وہ اس ہولناک انجام کو پہنچے ہیں لہٰذا جان لینا چاہئے کہ نماز نہ پڑھنے کا انجام اچھا نہ ہوگا ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے میدانِ حشر میں ان کو زبردست رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَo(۱)

’’جس دن ساق (یعنی اَحوالِ قیامت کی ہولناک شدت) سے پردہ اٹھایا جائے گا اور وہ (نافرمان) لوگ سجدہ کے لئے بلائے جائیں گے تو وہ (سجدہ) نہ کرسکیں گےo‘‘

قرآن حکیم میں ایک مقام پر ترکِ نماز کو مشرکین کا عمل قرار دیا گیا ہے:

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَo(۲)

’’اسی کی طرف رجوع و اِنابت کا حال رکھو اور اس کا تقویٰ اختیار کرو اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے مت ہو جاؤo‘‘

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نماز چھوڑنے سے کفر و شرک میں گرفتار ہونے کا اندیشہ لاحق رہتا ہے کیونکہ جب تک دل کی باطنی کیفیت کو ہم بیرونی نیک اعمال

(۱) القلم، ۶۸: ۴۲

(۲) الروم، ۳۰: ۳۱

کے ذریعے سے سنوارتے نہ رہیں تب تک اس کیفیت کے زائل ہونے کا خطرہ سر پر منڈلاتا رہے گا۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا کہ نماز مکمل طور پر ترک کرنے والے تو درکنار نماز کو مؤخر کرنے والے بھی عذابِ دوزخ سے بچ نہ سکیں گے۔

۲۔ احادیثِ نبوی ﷺ میں وعید

احادیثِ مبارکہ میں متعدد مقامات پر نماز چھوڑ نے پر وعید سنائی گئی ہے۔
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ ۔(۱)

''انسان اور اس کے کفر و شرک کے درمیان نماز نہ پڑھنے کا فرق ہے۔''

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے محبوب نبی اکرم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی:

وَ لَا تَتْرُكْ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ۔(۲)

''کوئی فرض نماز جان بوجھ کر ترک نہ کرنا پس جس نے ارادۃً نماز چھوڑی اس نے کفر کیا اور اس سے (اللہ) بری الذمہ ہوگیا۔''

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان إطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ، ۱: ۸۸، رقم: ۸۲

(۲) ابن ماجۃ، السنن، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء، ۴: ۴۱۷، رقم: ۴۰۳۴

مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَاناً وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُوْرٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ، وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ بنِ خَلَفٍ۔(۱)

''جس نے نماز کی حفاظت کی اس کے لئے روزِ قیامت نور، روشن دلیل اور نجات ہوگی اور جس نے نماز کی حفاظت نہ کی اس کے لئے نہ نور ہوگا، نہ دلیل اور نہ نجات اور قیامت کے دن وہ قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔''

۳۔ نماز میں سستی کرنے پر پندرہ سزائیں

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ (۴۷۰۔ ۵۶۱ھ) ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نماز کی ادائیگی میں سستی کرنے والے کو پندرہ (۱۵) سزائیں دے گا۔ چھ موت سے قبل، تین موت کے وقت، تین قبر میں اور تین قبر سے نکالے جانے کے بعد۔

(ا) دنیوی زندگی میں سزائیں

موت سے پہلے کی چھ سزائیں درج ذیل ہیں:

۱۔ ایسے شخص کو صالح نہیں کہا جاتا۔

۲۔ اس کی زندگی سے برکت اٹھا لی جاتی ہے۔

۳۔ اس کی روزی میں بھی برکت نہیں ہوتی۔

۴۔ اس کی کوئی نیکی قبول نہیں کی جاتی۔

۵۔ اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔

۶۔ نیک حضرات کی دعاؤں میں اس کے لئے حصہ نہیں ہوتا۔

---

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۶۹، رقم: ۶۵۷۶

(۲) موت کے وقت کی سزائیں

۱۔ ایسا شخص پیاسا مرتا ہے اگر اس کے حلق میں سات دریا بھی انڈیل دیئے جائیں تو وہ سیراب نہیں ہوتا۔

۲۔ اچانک مرتا ہے۔

۳۔ دنیا کی لکڑیوں، مٹی اور پتھروں کو اس کی گردن اور دونوں کندھوں پر لاد دیا جاتا ہے۔

(۳) قبر کی سزائیں

۱۔ اس پر قبر تنگ کر دی جاتی ہے۔

۲۔ قبر میں گھپ اندھیرا ہوتا ہے۔

۳۔ منکر نکیر کے سوالات کے جواب دینے سے لاجواب رہتا ہے۔

(۴) اُخروی زندگی میں سزائیں

۱۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہوگا۔

۲۔ اس سے حساب لیا جائے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے سے واپس ہو کر سیدھا جہنم میں جائے گا، یہ الگ بات ہے کہ اللہ کسی مصلحت کے تحت اسے معاف فرما دے۔[۱]

حضور نبی اکرم ﷺ کا طریقۂ نماز

حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت واتباع ہر اہلِ ایمان پر واجب ہے۔ آپ ﷺ کے نقوش قدم پر چلنا تکمیلِ ایمان کی لازمی شرط ہے۔آپ ﷺ نے بطور

(۱) عبد القادر جيلاني، غنية الطالبين: ۳۴

شارعِ اسلام یا شارحِ قرآن جو بھی حکم فرمایا یا عمل کیا وہ سنت قرار پایا۔ قرآن کی رو سے آپ ﷺ کی ذات میں ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (۱)

’’فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے۔‘‘

حضور ﷺ نے جہاں اسلام کے دوسرے ارکان کی عملی مثال پیش فرمائی اسی طرح آپ ﷺ نے نماز کا عملی نمونہ عطا فرما دیا۔ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِي أُصَلِّي۔ (۲)

’’نماز پڑھو اسی طرح جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔‘‘

لہٰذا نماز کی ادئیگی کا وہی طریقِ نبوی ﷺ مستند اور معتبر ہے جو احادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی طریقہ پر نماز ادا کرتے رہے اور یہی ہمارے لئے سنت ہے۔

ا۔ قبلہ رُو ہونا

نماز پڑھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ نمازی پاک صاف ہو کر تمام تر تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے، کامل وضو کے ساتھ جائے نماز پر قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۲۱

(۲) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۴: ۵۴۱، رقم: ۱۶۵۸

۲۔ دار قطني، السنن، ۱: ۲۷۳، رقم: ۱

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝۔(۱)

’’(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا رخ ابھی مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجئے، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو پس اپنے چہرے اسی کی طرف پھیر لو، اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے ضرور جانتے ہیں کہ یہ (تحویلِ قبلہ کا حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اور اللہ ان کاموں سے بے خبر نہیں جو وہ انجام دے رہے ہیں۝‘‘

سفر ہو یا حضر ہر جگہ، نماز میں قبلہ رو ہونا شرط ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝(۲)

’’اور تم جدھر سے بھی (سفر پر) نکلو اپنا چہرہ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی طرف پھیر لو، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو سو اپنے چہرے اسی کی سمت پھیر لیا کرو تاکہ لوگوں کے پاس تم پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے

(۱) البقرہ، ۲: ۱۴۴

(۲) البقرہ، ۲: ۱۵۰

سوائے ان لوگوں کے جو ان میں حد سے بڑھنے والے ہیں، پس تم ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرا کرو، اس لئے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کردوں اور تا کہ تم کامل ہدایت پا جاؤo‘‘

۲۔ نیت

نماز میں داخل ہونے سے پہلے نیت کرنا واجب ہے ۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ (۱)

’’بیشک اَعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔‘‘

نیت دل کے ارادے کا نام ہے البتہ زبان سے بھی نیت کے الفاظ کہنا بہتر ہے۔ تا کہ دل اور زبان دونوں میں موافقت ہوجائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الرَّجُلَ لَا يَكُوْنُ مُؤْمِنًا حَتَّى يَكُوْنَ قَلْبُهُ مَعَ لِسَانِهِ سَوَاءً، وَيَكُوْنُ لِسَانُهُ مَعَ قَلْبِهِ سَوَاءً۔ (۲)

’’آدمی مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کا دل زبان کے ساتھ اور زبان دل کے ساتھ برابر کی شریک ہو۔‘‘

مثلاً ظہر کی نماز ہے تو نیت کرے کہ چار رکعت نماز فرض ظہر یا سنت، منہ قبلہ کی طرف، بندگی اللہ تعالیٰ کی اور اگر جماعت کے ساتھ ہو تو یہ بھی کہے، پیچھے امام کے۔ اور یہ

(۱) بخاری، الصحیح، بدء الوحي، باب کیف کان بدءُ الوَحيِ إِلی رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، ۱: ۳، رقم: ۱

(۲) منذری، الترغيب والترهيب، ۱: ۱۲۸، رقم: ۱۹

کلمات کہتے ہوئے تکبیر کہے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ○[۱]

’’بیشک میں نے اپنا رُخ (ہر سمت سے ہٹا کر) یکسوئی سے اس (ذات) کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا فرمایا ہے اور (جان لو کہ) میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں○‘‘

حضرت رافع بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز شروع کرتے تو (سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۷۹ کی تلاوت) فرماتے:

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰت وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔[۲]

’’میں اپنا رخ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جو آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے والی ہے، اس حال میں کہ میں یک سو مسلمان ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔‘‘

۳۔ تکبیرِ تحریمہ

نمازی نماز کی نیت کر کے تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر اللہ سب سے بڑا ہے) کہے اور کانوں تک دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ کانوں کی لو کے برابر ہوجائیں اور دونوں انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپر والے حصوں کے برابر ہو جائیں۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) الانعام، ۶: ۷۹

(۲) ابن حبان، الصحیح، ۵: ۷۴، رقم: ۱۷۷۴

(بوقتِ تکبیرِ تحریمہ) دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے یہاں تک کہ کانوں کی لو تک برابر ہو جاتے۔ (۱)

تکبیر تحریمہ سے فارغ ہوتے ہوئے ہی ناف کے نیچے دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر اس طرح رکھیں کہ دائیں ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پشت پر ہو اور چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر گٹّے کو پکڑیں اور باقی تین انگلیاں کلائی پر رکھیں۔

امام بخاری (۱۹۴۔ ۲۵۶ھ) **الصحیح** کی **کتاب صفة الصلاة** میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں:

كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ۔ (۲)

”لوگوں سے کہا جاتا تھا کہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو نماز میں اپنی بائیں کلائی پر رکھے۔“

حضرت قبیصہ بن ھلب رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَؤُمُّنَا فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ (۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب استحباب رفع الیدین خذو المنکبین مع تکبیرة الإحرام، ۱: ۲۹۳، رقم: ۳۹۱

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة، والسنة فیها، باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا رَكَعَ، ۱: ۲۶۵، رقم: ۸۵۹

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب صفة الصلاة، باب وضع اليُمْنٰى عَلَى اليُسْرٰى، ۱: ۲۵۹، رقم: ۷۰۷

(۳) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الصلاة، باب ماجاء في وضع اليمين على الشّمال في الصّلاة، ۱: ۲۹۲، رقم: ۲۵۲

''حضور نبی اکرم ﷺ ہماری امامت فرماتے اور بائیں ہاتھ کو دائیں سے پکڑتے۔''

۴۔ ثناء

نمازی ہاتھ باندھنے کے بعد ثناء یعنی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَ وَبِحَمْدِ کَ پڑھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نماز شروع کرتے وقت پڑھتے:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ، وَتَبارَکَ اسْمُکَ، وَتَعَالٰی جَدُّکَ، وَلَا إِلٰـهَ غَيْرُکَ ۔(۱)

''اے اللہ! ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں اور تیرا نام بہت برکت والا ہے۔ اور تیری شان بہت بلند ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

۵۔ تَعوُّذ و تسمیّہ

ثناء پڑھنے کے بعد تعوّذ یعنی أَعُوْذُ باللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ اور تسمیہ یعنی بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ آہستہ آواز میں پڑھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم ﷺ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی:

فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔(۲)

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الصلاة، باب ما يقول عند افتتاحِ الصلاة، ۱: ۲۸۳، رقم: ۲۴۳

(۲) مسلم، الصحيح، کتاب الصلاة، باب حجة من قال لا يجهر بالبَسْملة، ۱: ۲۹۹، رقم: ۳۹۹

’’مگر میں نے ان میں سے کسی کو (بلند آواز کے ساتھ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔‘‘

٦۔ سورۂ فاتحہ

تسمیہ پڑھنے کے بعد سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝(۱)

’’سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے۝ نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۝ روزِ جزا کا مالک ہے۝ (اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۝ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ ان لوگوں کا نہیں جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ (ہی) گمراہوں کا۝‘‘

اِس کے بعد کوئی اور سورت یا کم از کم کسی بھی سورت کی تین آیات یا ایک ایسی آیت جو تین چھوٹی آیات کے برابر ہو پڑھے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّم يقرأُ بِالْحَمْدِ وَسُوْرَةٍ فِيْ فَرِيْضَةٍ أَوْ غَيْرِهَا (۲)

’’اس شخص کی نماز نہیں ہوگی جس نے سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورہ

(۱) الفاتحة، ۱: ۱-۷

(۲) ترمذي، الجامع الصحيح، أبواب الصلاة، باب ما جاء في تحريم الصلاة و تحليلها، ۱: ۲۷۸، رقم: ۲۳۸

نہ پڑھی ہو خواہ وہ فرض نماز ہو یا اس کے علاوہ۔‘‘

اگر چار رکعت والی فرض نماز ہو تو اخیر کی دو رکعتوں میں اور اگر تین رکعت والی نماز ہو تو اخیر کی ایک رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہئے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ۔ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ ظہر اور عصر کے فرائض کی ابتدائی دو رکعتوں میں ہی سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورۃ ملا کر پڑھتے تھے۔‘‘

۷۔ قراءت

اگر نمازی امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہو تو سورۃ فاتحہ اور ملانے والی سورۃ نہ پڑھے بلکہ امام کی قراءت خاموشی سے سنے۔ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۲)

’’اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔‘‘

یہ آیت کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ نمازی قرآن حکیم کی تلاوت کے وقت، قراءت غور سے سنے اور خاموش رہے۔

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر، ۱: ۳۳۳، رقم: ۴۵۱

(۲) الأعراف، ۷: ۲۰۴

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قَرَأَ الإِمَامُ فَأَنْصِتُوْا.(۱)

’’جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔‘‘

۸۔ رکوع

سورہ فاتحہ اور دوسری سورہ پڑھ لینے کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع کرے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ. ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ.(۲)

’’جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے۔‘‘

رکوع اس طرح کیا جائے کہ دونوں گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے انگلیاں کھول کر مضبوط پکڑ لیں۔ یہی طریقہ صحابہ کرام سے منقول ہے۔

۲۔ حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا: کیا میں تمہارے سامنے اس طرح نماز نہ پڑھوں جس طرح میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کیوں نہیں، حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور جب رکوع کیا تو:

---

(۱) ابن ماجة السنن، کتاب إقامة الصّلاة والسنّة فيها، باب إِذَا قَرَأَ الإِمَامُ فَأَنْصِتُوْا، ۱: ۲۵۹، رقم: ۸۴۷

(۲) ۱۔ مسلم الصحيح، کتاب الصلاة، باب إثبات التکبير، ۱: ۲۹۳، ۲۹۴، رقم: ۳۹۲

وَضَعَ رَاحَتَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَجَعَلَ أَصَابِعَهُ مِنْ وَرَاءِ رُكْبَتَيْهِ[۱]

''انھوں نے اپنے ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھا اور انگلیوں کو کشادہ کر کے اپنے گھٹنوں کو پکڑ لیا۔''

رکوع کی حالت میں سر اور پیٹھ برابر اور ہموار رکھنا چاہیے:

۳۔ حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُصَلِّي فَكَانَ إِذَا رَكَعَ سَوَّى ظَهْرَهُ حَتَّى لَوْصُبَّ عَلَيْهِ الْمَاءُ لَاسْتَقَرَّ۔[۲]

''میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا کہ آپ ﷺ جب نماز پڑھتے تو رکوع میں اپنی پشت ایسی سیدھی رکھتے کہ اگر اس پر پانی ڈالا جاتا تو وہیں رک جاتا۔''

۴۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَقَالَ فِي رُكُوعِهِ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ: ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: فَقَد تَمَّ رُكُوعُهُ، وَذَلِكَ أَدْنَاهُ ۔[۳]

''تم میں سے جب کوئی رکوع کرے اور اس میں تین مرتبہ ''سبحان ربی العظیم کہے تو اس کا رکوع مکمل ہوگیا۔''

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، كتاب التطبيق، باب مواضع أصابع اليدين في الركوع، ۲: ۱۳۴، رقم: ۱۰۳۷

۲۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۷، ۲۴۱، رقم: ۶۷۰

(۲) ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصّلاة والسنّة فيها، باب الركوع في الصلاة، ۱: ۴۷۱۔ ۴۷۲، رقم: ۸۷۲

(۳) ترمذی، الجامع الصّحيح، أبواب الصّلاة، باب ماجاء في التّسبيح في الركوع والسجود، ۱: ۳۰۰، رقم، ۲۶۱

۹۔ قومہ

پھر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ (اللہ تعالیٰ سنتا ہے جو اس کی تعریف کرتا ہے) کہتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے اور ہاتھ باندھے بغیر رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان فرماتے ہیں:

يَقُولُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ حِينَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ الرُّكُوعِ. ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ۔(۱)

''جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے پھر کھڑے ہو کر رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہتے۔''

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے:

فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ۔(۲)

''جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع الله لمن حمده کہے تو تم ربنا لك الحمد کہو۔''

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الصّلاة، باب إثبات التكبير فی كل خفض ورفع فی الصّلاة، ۱: ۲۹۳۔ ۲۹۴، رقم: ۳۹۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجماعة و الإمامة، باب إقامة الصّف من تمام الصّلاة، ۱: ۲۵۳، ۲۵۴، رقم: ۶۸۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصّلاة، باب التشهد فی الصّلاة، ۱: ۳۰۳، رقم: ۴۰۴

قومہ کی دعا

حضور نبی اکرم ﷺ نے قومہ میں درج ذیل دعا پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اسے بہت پسند فرمایا: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آ کر صف میں شامل ہوگیا، اس کا سانس پھول رہا تھا اس نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا کَثِیْراً طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْهِ (۱)

’’جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے تو فرمایا: تم میں سے ان کلمات کا کہنے والا کون ہے؟ لوگ چپ رہے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: تم میں سے ان کلمات کا کہنے والا کون ہے؟ اس نے کوئی بری بات نہیں کہی، تب ایک شخص نے کہا: میں جب آیا تو میرا سانس پھول رہا تھا تو میں نے یہ کلمات کہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا جو ان کلمات کو اوپر لے جانے کے لئے جھپٹ رہے تھے۔‘‘

۱۰۔ سجدہ

پھر نمازی اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں گر جائے اس طرح کہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے اور پھر پیشانی زمین پر رکھے۔

۱۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رأیتُ رسولَ اللهِ ﷺ إذَا سَجَدَ یَضَعُ رُکْبَتَیْهِ قَبْلَ یَدَیْهِ، وَإذَا نَهَضَ رَفَعَ یَدَیْهِ قَبْلَ رُکْبَتَیْهِ۔ (۲)

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب ما یقال بین تکبیرة الإحرام، والقراءة، ۱: ۴۱۹، رقم: ۶۰۰

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الصّلاة، باب ماجاء في وضع الرّکبتین قبل الُیدین في السّجود، ۱: ۳۰۶، رقم: ۲۶۸

’’میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ سجدہ فرماتے وقت ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھتے اور اٹھتے وقت پہلے ہاتھ اٹھاتے۔‘‘

چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اس طرح رکھے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل آ جائیں۔

۲۔ حضرت ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: حضور نبی اکرم ﷺ سجدہ میں چہرہ مبارک کہاں رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا:

بَيْنَ كَفَّيْهِ(۱)

’’آپ ﷺ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان چہرہ مبارک رکھتے۔‘‘

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، عَلَى الْجَبْهَةِ وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ وَالْيَدَيْنِ، وَالرُّكْبَتَيْنِ، وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ، وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعَرَ۔(۲)

’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں یعنی پیشانی اور ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا اور دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں اور پیروں کی انگلیوں پر اور یہ کہ ہم کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹا کریں۔‘‘

اور اس چیز کا خیال رکھا جائے کہ بازو بغل سے، پیٹ رانوں سے، ران پنڈلی

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الصلاة، باب ماجاء أین یضع الرجل وجهه إذا سجد؟، ۱: ۳۰۸، رقم: ۲۷۱

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب صفة الصلاة، باب السجود علی الأنف، ۱: ۲۸۰، رقم: ۷۷۹

سے، کہنیاں زمین سے علیحدہ رہیں۔

۴۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ ۔[(۱)]

''جب تو سجدہ کرے تو ہتھیلیوں کو (زمین پر) رکھ اور کہنیوں کو اٹھا۔''

یعنی بازوں پہلوؤں سے الگ رہیں۔

۵۔ حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا، وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ[(۲)]

''جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بچھائے بغیر اور قریب کئے بغیر زمین پر رکھا اور اپنی انگلیوں کو قبلہ رخ کیا۔''

نمازی حالت سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى** پڑھے ''میرا رب پاک، بلند شان والا ہے۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَإِذَا سَجَدَ فَلْيَقُلْ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثًا، وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ ۔[(۳)]

''جب سجدہ کرے تو **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى** تین مرتبہ کہے اور یہ تعداد کم از کم ہے۔''

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب الاعتدال فى السجود، ۱: ۳۵۶، رقم: ۴۹۴

(۲) بخاری، الصحيح، كتاب صفة الصّلاة، باب سنة الجلوس في التَّشهد، ۱: ۲۸۴۔ ۲۸۵، رقم: ۷۹۴

(۳) أبو داود، السنن، كتاب الصلاة، باب مقدار الركوع والسجود، ۱: ۳۳۷، رقم: ۸۸۶

۱۱۔ جلسہ

تکبیر کہتے ہوئے سجدہ سے اٹھے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں:

كان يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى۔[1]

’’حضور نبی اکرم ﷺ جلسہ کی حالت میں اپنا بایاں پاؤں بچھا دیتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے۔‘‘

جلسہ کی دعا

جلسہ میں پڑھی جانے والی منقول چند دعاؤں میں سے ایک درج ذیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان کہا کرتے تھے۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِى وَعَافِنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي۔[2]

’’اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے عافیت دے، مجھے ہدایت پر قائم رکھ اور مجھے روزی عطا فرما۔‘‘

ہمیں بھی اپنی انفرادی نمازوں میں ان دعاؤں کو پڑھنے کا معمول بنانا چاہیے تاکہ اتباعِ رسول ﷺ سے ہمارے قلب باطن میں نور پیدا ہو۔

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب ما يجمع صفة الصّلاة وما يفتتح به يختم به، ۱: ۳۵۷۔ ۳۵۸، رقم: ۴۹۸

(۲) أبوداؤد، السنن، كتاب الصلاة، باب الدعاء، بين السجدتين، ۱: ۳۲۲، رقم: ۸۵۰

۱۲۔ تعدیلِ اَرکان

تمام ارکانِ نماز کو خصوصًا رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ کو اطمینان سے ادا کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، وَافْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا ۔(۱)

’’جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، پھر قرآن حکیم سے جو تمہیں آتا ہو وہ پڑھو، پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کرو، پھر سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ ، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو، پھر سر اٹھاؤ تو اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور ساری نماز میں اسی طرح کرو۔‘‘

جلسہ کے بعد تکبیر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کرے دوسرا سجدہ بھی پہلے سجدہ کی طرح ہی ہونا چاہئے اور پھر تکبیر کہتے ہوئے فورًا اٹھ کھڑا ہو درمیان میں بیٹھنا نہیں چاہئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كَانَ النبيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ۔(۲)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں (سجدہ سے اٹھتے وقت) اپنے قدموں کے کناروں پر اٹھتے تھے۔‘‘

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب صفۃ الصّلاۃ، باب وجوب القراءۃ للإمام، ۱: ۲۶۳۔ ۲۶۴، رقم: ۷۲۴

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الصّلاۃ، باب کیف النّھوض من السّجود، ۱: ۳۱۹، رقم: ۲۸۸

۱۳۔ دوسری رکعت

نمازی دوسری رکعت کے لئے اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھے اور اٹھتے وقت پہلے ہاتھ پھر گھٹنوں کو اٹھائے۔

۱۔ حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا:

وَ إِذا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ (۱)

’’جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔‘‘

دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح ادا ہوگی لیکن اس میں ثناء اور تَعَوُّذ نہیں پڑھی جائے گی صرف سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ ایک اور سورۃ پڑھے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ ﴿الْحَمْدُ لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ وَلَمْ يَسْكُتْ۔ (۲)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو اَلْحَمْدُ لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ سے قرأت شروع کرتے اور خاموش نہ ہوتے۔‘‘

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الصّلاة، باب ماجاء في وضع الرّكبتين قبل اليدين فى السّجود، ۱: ۳۰۶، رقم: ۲۶۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الصّلاة، باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه، ۱: ۳۱۷، رقم: ۸۳۸

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب المساجد مواضع الصّلاة، باب مايقال بين تكبيرة الإحرام والقراءة، ۱: ۴۱۹، رقم: ۵۹۹

۳۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنَ الْأُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ۔[1]

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ظہر اور عصر کی نماز پڑھاتے تو پہلی دو رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھا کرتے تھے۔‘‘

پھر اسی طرح رکوع اور سجود وغیرہ کو ادا کیا جائے جس طرح کہ پہلی رکعت میں کیا تھا۔

۱۴۔ قعدہ اُولیٰ

دوسری رکعت کے سجدوں کے بعد بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جانا اور دایاں پاؤں کھڑا رکھنا قعدہ اولیٰ کہلاتا ہے۔

۱۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں آیا اور (دل میں) کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز ضرور دیکھوں گا:

فلمَّا جَلَسَ يَعْنِي: لِلتَّشَهُّدِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى. يَعْنِي. عَلَى فَخِذِهِ الْيُسْرَى، وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى۔[2]

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصّلاة، باب القراء ة فى الظهر والعصر، ۱: ۳۳۳، رقم: ۴۵۱

۲۔ أبو داؤد، السنن، كتاب الصّلاة، با ماجاء في القراء ة في الظهر، ۱: ۳۰۳، رقم: ۷۹۸

(۲) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الصّلاة، باب كيف الجلوس في التشهد، ۱: ۳۲۳۔ ۳۲۴، رقم: ۲۹۲

''جب آپ ﷺ تشہد کے لئے بیٹھے تو آپ ﷺ نے بایاں پاؤں بچھا کر ران پر بایاں ہاتھ رکھا اور دایاں پاؤں کھڑا کیا۔''

قعدہ اولیٰ میں اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے۔

۲۔ حضرت عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

إِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ، وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى. وَيَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُسْرَى۔(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ جب تشہد کے لئے بیٹھتے تو اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے۔''

۱۵۔ تشہد

قعدہ میں تشہد پڑھے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصّٰلِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔

''تمام بدنی، زبانی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی، میں گواہی

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساجد و مواضع الصّلاة، باب صفة الجلوس فى الصّلاة، وكيفيّة وضع اليدين على الفخذين، ۱: ۴۰۸، رقم: ۵۷۹

۲۔ ترمذى، الجامع الصحيح، أبواب الدّعوات باب في فَضْلِ لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، ۵: ۵۴۲، رقم: ۳۵۸۷

دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔‘‘

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھتے اور اَلسَّلَامُ عَلَى جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وا لسَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ کہتے، ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بذات خود سلام ہے، جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں بیٹھے تو یوں کہے:

التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ۔

پس نمازی جب یہ کلمہ (علی عباد اللہ الصّالحین) کہے گا تو اس کا سلام ہر صالح بندہ کو پہنچ جائے گا خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں۔ پھر کہے:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔[۱]

اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے۔

۱۶۔ تشہد میں اُنگلی کا اِشارہ

تشہد میں لَا اِلٰهَ کہتے وقت انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہئے اور ایسا أَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰـهَ الّا اللہ کہتے وقت کرنا چاہئے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صفۃ الصّلاۃ، باب التَّشَهُّدِ فِي الاخِرَةِ، ۱: ۲۸۶، رقم: ۷۹۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصّلاۃ، باب التّشہّد فی الصّلاۃ، ۱: ۳۰۲۔ ۳۰۳، رقم: ۴۰۳

رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ حَلَّقَ الإِبْهَامَ وَالْوُسْطٰى وَرَفَعَ الَّتِي تَلِيْهِمَا يَدْعُوْبِهَا فِي التَّشَهُّدِ۔ [1]

’’میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ بنائے اور اس (شہادت کی انگلی کو جو ان دونوں سے ملی ہوئی تھی) کو تشہد میں اشارہ فرماتے ہوئے اٹھاتے۔‘‘

۱۷۔ درودِ ابراہیمی (علیہ السلام)

حضور نبی اکرم ﷺ دو، تین یا چار رکعت والی نماز میں ہمیشہ قعدہ اخیرہ میں درودِ ابراہیمی پڑھتے جو درج ذیل ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ . اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْد.

’’اے اللہ! رحمتیں نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر، جس طرح تو نے رحمتیں نازل کیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر، بے شک تو تعریف کا مستحق بڑی بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! تو برکتیں نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر بے شک تو تعریف کا مستحق بزرگی والا ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کے حوالے ایک حدیث منقول ہے:

---

(۱) ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصّلاة والسنّة فيها، باب الإشارة فى التشهّد، ۱: ۲۹۳، رقم: ۹۱۲

حضرت عبد الرحمٰن بن ابو لیلیٰؒ فرماتے ہیں: مجھے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ ملے، وہ فرمانے لگے: کیا تمہیں ایسا تحفہ نہ دوں جو میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، میں نے عرض کیا: ضرور عطا کیجئے، انہوں نے فرمایا: ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا، یا رسول اللہ! آپ پر آپ کے اہلِ بیت سمیت ہم کیسے درود بھیجا کریں؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر سلام عرض کرنے کا طریقہ تو بتا دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم یوں کہا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ، وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْد. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ ۔(۱)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے مجھے ایسی دعا سکھا دیجئے جس کے ذریعے اپنی نماز میں دعا کیا کروں فرمایا کہ یوں کہا کرو:

اللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيْرًا، وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْلِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِي، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمِ۔(۲)

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الأنبياء، باب: النسلان في المشي إبراهيم خليلا، ۳: ۱۲۳۳، رقم: ۳۱۹۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صفة الصّلاة، باب الدُّعَاءِ قبل السّلام، ۱: ۲۸٦۔ ۲۸۷، رقم: ۷۹۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر والدّعاء والتّوبة والاستغفار، باب استحباب خفض الصوت بالذکر، ۴: ۲۰۷۸، رقم: ۲۷۰۵

’’اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے اور گناہوں کو معاف نہیں کرتا مگر تو، پس اپنے کرم سے مجھے معاف کردے اور مجھ پر رحم فرما کیونکہ تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

۱۸۔ سلام

مذکورہ دعا پڑھنے کے بعد سلام پھیر دے، اس طرح کہ فرشتوں اور پڑھنے والوں کو سلام کرنے کی نیت سے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہتے ہوئے پہلے دائیں طرف منہ پھیر لے پھر اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہتے ہوئے بائیں طرف منہ پھیرے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا يَكْفِي أَحَدَكُمْ أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى فَخِذِهِ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلَى أَخِيهِ مَنْ عَلٰى يَمِيْنِهِ وَشِمَالِهِ (۱)

’’بے شک تم میں سے ہر ایک کے لئے کافی ہے کہ اپنے ہاتھ کو اپنی ران پر رکھے پھر اپنے دائیں اور بائیں طرف اپنے بھائی کو سلام کرے۔‘‘

دوران سلام منہ اس قدر پھیرنا چاہئے کہ پیچھے کھڑے کو رخسار دکھائی دے۔ حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

كُنْتُ أَرَى رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتَّى أَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصّلاة، باب: الأمر بالسكونة فى الصّلاة، والنهى عن الإشارة باليد ورفعها عند السلام، ۱: ۳۲۲، رقم: ۴۳۱

۲۔ أبو داؤد، السنن، كتاب الصلاة، باب الرد على الإمام، ۱: ۳۷۷، رقم: ۹۹۹

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب المساجد ومواضع الصّلاة، باب السّلام للتحليل من الصّلاة عند فراغها، ۱: ۴۰۹، رقم: ۵۸۲

’’میں حضور نبی اکرم ﷺ کو دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے دیکھتا تھا حتی کہ میں آپ ﷺ کے رخساروں کی سفیدی دیکھتا تھا۔‘‘

نمازِ وتر

نماز وتر واجب ہے اور اس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے طلوع فجر تک ہے وتر کی تین رکعت ہیں۔ ان تین رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد چھوٹی سورۃ یا کم از کم تین آیات کی تلاوت واجب ہے۔ احادیث مبارکہ میں اسکی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔

خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو الولید عدوی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَدْ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ وَهِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ وَهِيَ الْوِتْرُ فَجَعَلَها لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلَى طُلوعِ الْفَجْرِ۔ (۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک نماز کے ذریعے تمہاری مدد فرمائی ہے جو تمہارے واسطے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔ وہ نماز وتر ہے پس تمہارے لیے اسے عشاء اور طلوع فجر کے درمیان رکھا ہے۔‘‘

عبیداللہ بن عبداللہ عتکی رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ان کے والد ماجد نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا، الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا، الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (۲)

---

(۱) أبو داؤد، السنن، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب الوتر، ۱: ۵۲۷، رقم: ۱۴۱۸

(۲) أبوداؤد، السنن، كتاب الصلاة باب فيمن لم يوتر، ۱:۵۲۷، رقم: ۱۴۱۹

''نماز وتر حق ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ نماز وتر حق ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔''

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر میں سَبِّحْ أسم رَبِّكَ الأَعْلَی ، قُلْ یَا أَیُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ کی تلاوت فرماتے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام پھیرتے تو تین مرتبہ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ ارشاد فرماتے۔[1]

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور دوسری سورۃ پڑھنے کے بعد رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ یُوتِرُ فَیَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ۔[2]

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر پڑھتے تو رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے۔''

دعائے قنوت پڑھنے کا طریقہ

دعائے قنوت پڑھنے کا طریقہ یہ ہے نمازی تیسری رکعت کے قیام میں سورۃ فاتحہ اور پھر دوسری سورہ پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے تکبیر تحریمہ کی طرح دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر پھر باندھ لے اور دعائے قنوت پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْكَ

---

(۱) نسائی، السنن، کتاب قیام اللیل، باب نوع آخر من القراء ة في الوتر، ۳: ۱۷۰، رقم: ۱۷۲۹

(۲) ابن ماجة، السنن، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب مَاجَاءَ فی الْقُنُوتِ قَبْلَ الرُّكُوعِ، ۲: ۶۷، رقم: ۱۱۸۲

وَنُثْنِي عَلَيْكَ الخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ. اَللّٰهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّي وَنَسْجُدُ وَإِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَك وَنَخْشٰى عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ بِالكُفَّارِ مُلْحِقٌ۔(۱)

’’اے اللہ! بے شک ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں اور تجھی سے بخشش طلب کرتے ہیں اور تجھی پر ایمان لاتے ہیں اور تجھی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور خیر کے ساتھ تیری حمد و ثنا بیان کرتے ہیں اور تیرا شکر بجا لاتے ہیں اور ہم تیری ناشکری نہیں کرتے ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں جو تیری نافرمانی کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تیرے لئے نماز ادا کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف ہم دوڑتے اور جلدی کرتے ہیں اور ہم تیری ہی رحمت کی امید کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بیشک تیرا عذاب کافروں کو ملنے والا ہے۔‘‘

ہر نماز میں خوف و خشیت الٰہی سے حضور نبی اکرم ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہوجاتی کہ آپ ﷺ کے سینۂ اقدس سے ہنڈیا کے جوش مارنے کی سی آواز نکلتی، وہ نماز جو بندگی میں معراج کی آئینہ دار تھی اس کی کیفیت و محویت کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟

حضور نبی اکرم ﷺ کی نماز امت کے لئے ایک مثالی نمونہ ہے۔اس کو سامنے رکھ کر ہم اپنی نمازوں کی اصلاح اور ان میں خشوع و خضوع کی کیفیات پیدا کرسکتے ہیں۔ اگر ہماری نمازیں درست ہوگئیں تو سمجھ لو کہ ہماری دنیا و آخرت سنور گئی۔ فلاحِ دارین ہمارا مقدر بن گئی پھر نہ کسی کے سوال و جواب کا خوف ہوگا اور نہ کسی محشر کا کھٹکا ہوگا۔

---

(۱) ۱۔ أبو داؤد، المراسيل، ۱: ۵۶، رقم: ۸۳

۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۲: ۲۱۰، رقم: ۲۹۶۱

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲: ۹۵، رقم: ۶۸۹۳

باب چہارُم

قیام اللّیل

راہِ سلوک کی منزل کے مسافر کے لئے قیامِ لیل کی اہمیت بہت زیادہ ہے خلوت کی ساعتوں میں اپنے مولا سے عبودیت کا رشتہ استوار کرنے کے لئے قیامِ لیل سے زیادہ اور کوئی مؤثر ذریعہ نہیں۔

قیام اللّیل کا معنی و مفہوم

لفظِ قیام ’’ قَامَ ‘‘ کا مصدر ہے اور اس کے لغوی معنیٰ کھڑا ہونا، ٹھہرنا اور قیام کرنا کے ہیں۔ (1)

قیام اللّیل راتوں کو جاگنے کا عمل ہے جو رضائے الٰہی کی خاطر رات کے کسی حصہ میں نوافل ادا کرنے، تلاوتِ قرآن اور ذکر واذکار میں مشغول رہنے، بارگاہِ الٰہی میں مناجات کرنے، اپنے گناہوں پر نادم وشرمندہ ہوکر آنسو بہانے اوراللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں حصولِ حلاوت کے لئے سرانجام دیا جاتا ہے۔ اسے عرفِ عام میں شب بیداری کہا جاتا ہے۔

قیامُ اللّیل کی اَہمیت وفضیلت

رات کی تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا بڑی اہمیت وفضیلت کا حامل ہے۔ بندہ اس وقت اپنے مالک حقیقی کو پکارتا ہے جب سارا عالم سو رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے مولا کو منانے کے لئے اپنی راحت و آرام قربان کر دیتا ہے۔ وہ کبھی قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو کبھی رکوع اور سجدے میں جا کر اپنے عجز و انکسار کا اظہار کرتا ہے۔ اپنے

---

(1) ابن منظور، لسان العرب، ۱۲: ۴۹۶

بندے کی یہ ادا اللہ رب العزت کو بے حد پسند ہے۔وہ ایسے شب زندہ دار بندوں پر آسمان سے انوار وتجلیّات کی بارش نازل فرماتا ہے اور انہیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرما کر مستجاب الدّعوات بنا دیتا ہے۔قیام اللّیل کا نور دن کو بھی چھایا رہتا ہے اور وہ رات میں قیام کرنے والے کو اس طرح اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھتا ہے کہ بندہ دن بھر نفس اور شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے رات کو اٹھنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشادفرمایا:

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيۡلِ هِيَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّ اَقۡوَمُ قِيۡلًا۝ (۱)

''بیشک رات کا اُٹھنا (نفس کو) سخت پامال کرتا ہے اور (دِل و دِماغ کی یکسوئی کے ساتھ) زبان سے سیدھی بات نکالتا ہے۝''

۱۔قرآنِ حکیم میں قیام اللّیل کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد اور ذکر وعبادت کے حوالے سے جگہ جگہ بغرضِ عبادت رات اٹھنے کا ذکر بطورِ خاص فرمایا ہے۔چند مقامات درج ذیل ہیں

۱۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ۝ (۲)

''اور آپ دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے۔بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۝''

۲۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ

(۱) المزّمّل ۷۳:۶

(۲) ہود، ۱۱: ۱۱۴

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا○ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۔(۱)

''آپ سورج ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک (ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی) نماز قائم فرمایا کریں اور نمازِ فجر کا قرآن پڑھنا بھی (لازم کر لیں)، بیشک نمازِ فجر کے قرآن میں (فرشتوں کی) حاضری ہوتی ہے (اور حضوری بھی نصیب ہوتی ہے)○ اور رات کے کچھ حصہ میں (بھی) قرآن کے ساتھ (شب خیزی کرتے ہوئے) نماز تہجد پڑھا کریں یہ خاص آپ کے لئے زیادہ (کی گئی) ہے۔''

۳۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَـآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ۔(۲)

''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کریں طلوعِ آفتاب سے پہلے (نمازِ فجر میں) اور اس کے غروب سے قبل (نمازِ عصر میں) اور رات کی ابتدائی ساعتوں میں (یعنی مغرب اور عشاء میں) بھی تسبیح کیا کریں۔''

۴۔ فَسُبْحَانَ اللهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ○(۳)

''پس تم اللہ کی تسبیح کیا کرو جب تم شام کرو (یعنی مغرب اور عشاء کے وقت) اور جب تم صبح کرو (یعنی فجر کے وقت)○ اور ساری تعریفیں آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے ہیں اور (تم تسبیح کیا کرو) سہ پہر کو بھی (یعنی عصر کے وقت)

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۸، ۷۹

(۲) طٰہٰ، ۲۰: ۱۳۰

(۳) الروم، ۳۰: ۱۷، ۱۸

اور جب تم دوپہر کرو (یعنی ظہر کے وقت)o''

۵۔ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ o وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِo(1)

''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلےo اور رات کے بعض اوقات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد بھیo''

۶۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُo وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِo۔(2)

''اور آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے جب بھی آپ کھڑے ہوںo اور رات کے اوقات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور (پچھلی رات بھی) جب ستارے چھپتے ہیںo''

۷۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا o وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْلَهٗ وَ سَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًاo(3)

''اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کریںo اور رات کی کچھ گھڑیاں اس کے حضور سجدہ ریزی کیا کریں اور رات کے (بقیہ) طویل حصہ میں اس کی تسبیح کیا کریںo''

مذکورہ بالا قرآنی آیاتِ میں اگرچہ براہِ راست خطاب تاجدارِ کائنات ﷺ سے

---

(۱) قٓ، ۵۰:۳۹۔۴۰

(۲) الطور، ۵۲: ۴۸، ۴۹

(۳) الدھر، ۷۶: ۲۵، ۲۶

ہے مگر تعلیم آپ ﷺ کے واسطہ سے جمیع امت کو دی گئی ہے۔ ان آیات میں فرض نمازِ پنجگانہ کی اوقاتِ مقررہ میں ادائیگی کے ساتھ قیام اللیل کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے۔رات کی نمازیں فرض کا درجہ رکھتی ہیں جبکہ رات کی دیگر عبادات نوافل کے درجہ میں ہیں۔ قیام اللیل کی اہمیت اتنی زیادہ ہے اور اللہ ﷻ کو رات کا قیام اتنا پسند ہے کہ اس نے رات کے تین حصوں میں اسے فرض قرار دے دیا۔ایک آیتِ کریمہ کی رو سے نمازِ تہجد آپ ﷺ کے لئے بطورِ خاص واجب قرار دی گئی جبکہ امت کی آسانی کی خاطر اسے نفل ہی رہنے دیا گیا۔

۲۔ قائم اللّیل بندوں کی صفات

اللہ ﷻ نے اپنے قائم اللّیل (شب زندہ دار) بندوں کا بطورِ خاص ذکر کرتے ہوئے ان پر وارد ہونے والی مختلف کیفیّات کو موضوعِ قرآن بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے شب بیدار ان صاحبان علم کے زمرے میں رکھا ہے جن پر خوف و رجاء کی حالت طاری رہتی ہے، ان خوش نصیبوں کے اعلیٰ انعامات مخفی رکھے گئے ہیں۔اس حوالے سے چند آیاتِ کریمہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ۝[۱]

’’بھلا (یہ مشرک بہتر ہے یا) وہ (مومن) جو رات کی گھڑیوں میں سجود اور قیام کی حالت میں عبادت کرنے والا ہے، آخرت سے ڈرتا رہتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے، فرما دیجئے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہوسکتے ہیں۔ بس نصیحت تو عقل مند لوگ ہی قبول کرتے ہیں۝‘‘

(۱) الزمر، ۳۹: ۹

۲۔ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَّقِيَامًاo(۱)

''اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لئے سجدہ ریزی اور قیامِ (نیاز) میں راتیں بسر کرتے ہیںo''

۳۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔(۲)

''ان کے پہلو اُن کی خوابگاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور امید (کی مِلی جُلی کیفیت) سے پکارتے ہیں۔''

۴۔ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ o وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَo(۳)

''وہ راتوں کو تھوڑی سی دیر سویا کرتے تھےo اور رات کے پچھلے پہروں میں (اٹھ اٹھ کر) مغفرت طلب کرتے تھےo''

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے قائم اللّیل بندوں کی یہ صفات بیان کی ہیں کہ وہ اپنے مالکِ حقیقی کی رضا و خوشنودی کے لئے ساری ساری رات اس کے حضور قیام وقعود اور رکوع وسجود میں گزارتے ہیں، انہیں ایک پل چین نہیں، کبھی اخروی عذاب کے خوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں تو کبھی اخروی نعمتوں کے خیال سے دل امید کی لہر سے جھومنے لگتے ہیں۔ آخرت میں انہیں نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا کہ یہ تو خشیتِ الٰہی کے باعث راتوں کو سوتے ہی بہت کم تھے۔

(۱) الفرقان، ۲۵: ۶۴

(۲) السجدہ، ۳۲: ۱۶

(۳) الذّٰریٰت، ۵۱: ۱۷۔۱۸

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا قیام اللّیل

ہمارے آقا و مولا حضور نبی اکرم ﷺ کی شب بیداری کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے قدمین شریفین متورّم ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْمُ أَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۔(۱)

’’بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی شب کے قریب اور (کبھی) نصف شب اور (کبھی) ایک تہائی شب (نماز میں) قیام کرتے ہیں، اور اُن لوگوں کی ایک جماعت (بھی) جو آپ کے ساتھ ہیں (قیام میں شریک ہوتی ہے)۔‘‘

رحمتِ خداوندی کو آپ ﷺ کی یہ مشقت گوارا نہ ہوئی اور یہ آیت نازل فرمادی:

يٰٓأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُo قُمِ الَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلًاo نِّصْفَهٗٓ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًاo أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًاo(۲)

’’اے کملی کی جھرمٹ والے (حبیب!)o آپ رات کو (نماز میں) قیام فرمایا کریں مگر تھوڑی دیر (کیلئے)o آدھی رات یا اِس سے تھوڑا کم کر دیںo یا اس پر کچھ زیادہ کر دیں اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریںo‘‘

(۱) المزّمّل، ۷۳: ۲۰

(۲) المزّمّل، ۷۳: ۲۔۴

۴۔ احادیثِ مبارکہ میں قیام اللّیل کا بیان

احادیثِ مبارکہ میں قیام اللیل کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ چند احادیث درج ذیل ہیں:

(۱) ہر رات میں قبولیت کی ایک گھڑی ضرور آتی ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''رات کو ایک ایسی ساعت بھی آتی ہے جس میں کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی کوئی چیز مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے وہی عنایت فرما دیتا ہے۔ اور یہ ساعت ہر رات آتی ہے۔''(۱)

(۲) رات کا قیام قربِ خدا کا سبب بنتا ہے

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''رات کا قیام اپنے اوپر لازم کر لو کہ وہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور تمہارے لئے قربِ خداوندی کا باعث ہے، برائیوں کو مٹانے والا اور گناہوں سے روکنے والا ہے۔''(۲)

(۳) رات کی عبادت انسان کو برائیوں سے روک دیتی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

---

(۱) مسلم، الصحیح، صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب فی اللیل ساعة مستجاب فیها الدعاء، ۱: ۵۲۱، رقم: ۷۵۷

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب فی فضل التوبة والاستغفار، ۵: ۵۱۲، رقم: ۳۵۴۹

۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۴۵۱، رقم: ۱۱۵۶

إِنَّ فُلَانًا يُصَلِّي بِاللَّيْلِ، فَإِذَا أَصْبَحَ سَرَقَ.

’’(یا رسول اللہ!) فلاں آدمی رات کو نماز بھی پڑھتا ہے اور جب صبح ہوتی ہے تو چوری (بھی) کرتا ہے۔‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهُ سَيَنْهَاهُ مَا تَقُوْلُ. (۱)

’’جلد ہی یہ (نماز) اسے اس (چوری) سے روک دے گی جو تو کہہ رہا ہے۔‘‘

(۴) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے خواب کی تعبیر

حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ’’حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں جب کوئی خواب دیکھتا تو رسول اللہ ﷺ کے حضور بیان کرتا۔ مجھے بھی تمنا ہوئی کہ میں بھی کوئی خواب دیکھوں اور اسے رسول اللہ ﷺ سے بیا ن کروں۔ میں ان دنوں نوجوان لڑکا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں مسجد کے اندر سویا کرتا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتوں نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے جہنم کی طرف لے گئے، وہ کنوئیں کی طرح پیچ دار تھی اور اس کے دو ستون تھے، اس میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہیں میں جانتا تھا، پس میں کہنے لگا: میں جہنم سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں، پھر ہمیں ایک دوسرا فرشتہ ملا، اس نے مجھ سے کہا: نہ ڈرو! میں نے یہ خواب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا، انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے بیان کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’عبداللہ اچھا آدمی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ وہ رات کو نماز پڑھا کرے۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رات کو بہت

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۴۸، رقم: ۹۷۷۷

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۱۴۵، رقم: ۱۱۳۵۹

تھوڑی دیر سوتے تھے۔‘‘(۱)

(۵) شب زندہ داروں کا حساب و کتاب کے بغیر جنت میں داخلہ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’لوگ قیامت کے دن ایک میدان میں اکٹھے کئے جائیں گے اور ایک منادی اعلان کرے گا: جن لوگوں کی کروٹیں (اپنے رب کی یاد میں) بستروں پر نہ لگتی تھیں، وہ کہاں ہیں؟ وہ کھڑے ہوجائیں! ان کی تعداد بہت کم ہوگی اور جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوجائیں گے، پھر (باقی بچ جانے والے) لوگوں کے حساب و کتاب کا حکم جاری کردیا جائے گا۔‘‘(۲)

قیام اللّیل اور سلفِ صالحین کے اَقوال و اَحوال

قیام اللیل میں بندہ نوافل و مناجات کے ذریعے اپنے رضائے الٰہی کا طالب ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک تعلق بندگی کا یہ بہترین ذریعہ خیال کیا جاتا ہے۔ صوفیاء، عرفا اور اولیاء کے نزدیک رات بہت چھوٹی ہوتی ہے، وہ رات کو اپنے مولا کے حضور پیش ہوتے ہیں اور لذت و سرور میں یوں گم ہوتے ہیں کہ انہیں رات گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوتا، اسی وجہ سے وہ رات کو ایسے کوتاہ (چھوٹی) جانتے ہیں جیسے عاشق شب وصل کو کوتاہ جانتے ہیں۔ ذیل میں ایسے ہی عاشقوں اور شب زندہ داروں کے اقوال و احوال

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ابواب التہجد، باب فضل قیام اللیل، ۱: ۳۷۸، رقم: ۱۰۷۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عبداللہ بن عمر ص، ۴: ۱۹۲۷۔ ۱۹۲۸، رقم: ۲۴۷۹

(۲) ۱۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۱۶۹، رقم: ۳۲۴۴

۲۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۴۳۳، رقم: ۳۵۰۸

بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ قائم اللّیل بندوں پر انعاماتِ الٰہیہ کی بارش

دنیا کی کوئی چیز بہشت کے برابر نہیں البتہ نیاز مندانہ عبادت کرنے والے حضرات اپنی مناجاتِ شب میں جو حلاوت پاتے ہیں وہ جنت کی حلاوت کے مشابہ ہے۔ یہ لذت شب بیداروں کے لئے ایسا انعام ہے جو انہیں دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ (م ۶۳۲ھ) میں ایک بزرگ کا قول نقل کرتے ہیں: ’’اللہ تعالیٰ صبح کے وقت جب شب زندہ داروں کے دلوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ انہیں نور و عرفان سے بھر دیتا ہے اور اس فیض سے مستفیض ہو کر ان کے دل نورانی ہو جاتے ہیں پھر ان کے قلوب کا فیض غافل انسانوں کے دلوں تک پہنچتا ہے۔‘‘[۱]

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی پیغمبر پر وحی نازل فرمائی: میرے کچھ بندے ایسے ہیں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں، انہیں میرا شوق و ذوق ہے اور مجھے بھی ان کا شوق و ذوق ہے، وہ مجھے یاد کرتے ہیں اور میں انہیں یاد کرتا ہوں۔ لہٰذا اگر تم ان کے طریقے پر چلو گے تو میں تم سے محبت کروں گا، اگر تم نے اس راہ سے کنارہ کشی کی تو میں تم سے نفرت کروں گا۔ اس پیغمبر نے اللہ سے دریافت کیا: اے پروردگار! ان لوگوں کی نشانی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ لوگ دن کے وقت سایوں کا ایسے ہی خیال رکھتے ہیں جیسے کوئی چرواہا اپنی بھیڑ بکریوں کا خیال رکھتا ہے، انہیں غروبِ آفتاب کا ایسے ہی انتظار ہوتا ہے جیسے پرندوں کو اپنے آشیانوں کا ہوتا ہے۔ جب رات کی تاریکی چھاجاتی ہے۔ تو ہر ایک اپنے محبوب سے خلوت نشین ہوتا ہے، اس وقت وہ میری عبادت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، میرے کلام کے ذریعے مناجات کرتے ہیں اور گڑ گڑا کر میرے انعام کے طلبگار ہوتے ہیں۔ کوئی چلاتا

(۱) سہروردی، عوارف المعارف: ۵۱۸

ہے اور کوئی روتا ہے، کوئی آہیں بھرتا ہے اور کوئی فریاد کرتا ہے۔ وہ تکالیف میری نظروں کے سامنے ہیں جو وہ میری وجہ سے برداشت کرتے ہیں اور میری محبت میں جو فریاد کرتے ہیں میں اسے سنتا ہوں۔ ان پر میری پہلی لطف وعنایت یہ کہ میں اپنے نور کا ایک حصہ ان کے دلوں میں بھر دیتا ہوں۔ اس نور سے وہ میرے اسرار بتاتے ہیں جس طرح میں ان کے اسرار بتاتا ہوں۔ دوسری بخشش یہ ہے کہ اگر ساتوں زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے اندر ہے ان کے ترازو میں رکھ دیا جائے تو میں ان تمام چیزوں کو ان کے لئے کم سمجھتا ہوں۔ تیسری بخشش یہ ہے کہ میں بذاتِ خود ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، کیا تمہیں معلوم ہے کہ جس کی طرف میری ایسی نظرِ التفات ہوتو میں اسے کیا دونگا؟[۱]

۲۔شب بیداری کی لذّت وحلاوت

۱۔ حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب رات کو تجلی فرماتا ہے تو کہتا ہے: کہاں ہیں وہ جو دن میں میری محبت کا دعویٰ کرتے تھے؟ کیا دوست اپنے دوست سے خلوت کرنا پسند نہیں کرتا دیکھو میں صبح تک اپنے دوستوں کا منتظر ہوں کہ وہ میرے حضور مجھ سے بالمشافہ گفتگو کریں، میں کل جنت میں اپنے دیدار سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کروں گا۔

۲۔ حضرت ابو سلیمان علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ''کھیل کود میں مشغول لوگوں سے زیادہ لذت شب بیداروں کو رات کی عبادت میں حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر انہیں ان کے اعمال کا ثواب صرف شب بیداری کی لذت ہی دیا جائے تو یہ بھی اعمال سے زیادہ اجر ہے۔ مزید فرمایا اگر رات نہ ہوتی تو میں دنیا میں رہنا پسند نہ کرتا۔''

۳۔ بعض صوفیاء کرام فرمایا کرتے کہ دنیا میں کوئی وقت ایسا نہیں جو اہلِ جنت کے

(۱) أبو طالب مكی، قوت القلوب، ۱: ۷۹

مشابہ ہو البتہ مناجات کی شب وہ حلاوت جو عاجزی کرنے والوں کے دلوں کو ہوتی ہے وہ جنت کی نعمتوں کے مشابہ ہے۔ اللہ نے اس وقت کو صرف ان لوگوں پر ظاہر فرما دیا جو شب بیدار ہیں تاکہ انہیں سکون حاصل ہو اور ان کے سوا دوسروں کو اس کا علم نہیں۔

۴۔ حضرت مکدر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دنیا میں نیک اعمال کے بدلے میں ملنے والی لذتوں میں سے تین باقی رہنے والی ہیں: اول رات کا جاگنا، دوم اللہ کے لئے مخلوق سے ملنا، سوم باجماعت نماز پڑھنا۔

۵۔ کسی مرید نے اپنے شیخ سے شکایت کی کہ میں رات بھر جاگتا ہوں کوئی تدبیر فرمایئے جس سے نیند آجائے شیخ نے کہا: بیٹا رات اور دن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی لپٹیں ہو جاگتے دلوں کو لگتی ہیں اور سوتے دلوں کو نہیں لگتیں ان کے لگنے کی تدبیر کر۔ ان لپٹوں کی توقع رات کو زیادہ ہے اس لئے کہ رات کے جاگنے میں دل کی صفائی اور دوسرے کاموں سے علیحدگی ہوتی ہے۔

۶۔ حضرت فضیل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جب رات میرے سامنے آتی ہے تو پہلے مجھے اس کی درازی سے خوف لگتا ہے مگر جب میں قرآن حکیم پڑھنا شروع کرتا ہوں تو تلاوت سے ابھی جی بھی نہیں بھرتا کہ صبح ہو جاتی ہے۔

۳۔ نیند اللہ سے لو لگانے والوں کے قریب نہیں آتی

۱۔ حضرت حسن بن صالح علیہ الرحمۃ کے پاس ایک لونڈی تھی انہوں نے اسے ایک قوم کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ جب آدھی رات ہوئی تو وہ لونڈی اٹھی اور اس نے کہا گھر والو! اٹھو اور نماز پڑھو، انہوں نے پوچھا صبح ہو گئی ہے جو نماز پڑھیں۔ لونڈی نے کہا: تم فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں پڑھتے؟ انہوں نے جواب نہیں دیا، اس کے بعد وہ لونڈی حسن بن صالحؒ کے پاس آگئی اور کہا: آپ!

نے مجھے ایسے لوگوں کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے جو تہجد نہیں پڑھتے لہٰذا مجھے واپس لے لیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور دام لوٹا دیئے۔

۲۔ حضرت ربیع علیه الرحمة فرماتے ہیں کہ میں امام شافعیؒ کے گھر بہت راتیں سویا ہوں، میں نے دیکھا کہ آپ رات کو بہت تھوڑی دیر سوتے تھے۔

۳۔ ایک دفعہ لوگوں نے حضرت بشر حافیؒ سے کہا آپ رات کو ایک گھڑی بھی آرام کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ رات کو اتنا قیام فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے تھے، حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اگلی اور پچھلی زندگی کو گناہوں سے معصوم کر دیا تھا، جبکہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرا ایک گناہ بھی معاف کیا ہے یا نہیں۔

۴۔ حضرت مغیرہ بن حبیب علیه الرحمة کہتے ہیں: ''میں نے حضرت عبدالواحد بن زید علیه الرحمة کو پورا مہینہ دیکھا کہ رات کو ذرا نہ سوتے تھے، ہر وقت گھر والوں کو کہتے اٹھو! یہ سونے کا وقت نہیں عنقریب تمہیں کیڑے کھائیں گے۔''

۵۔ حضرت عتبہ علیه الرحمة فرماتے ہیں: ''میں نے بیس برس رات میں مشقت پائی اور بیس برس تک اس سے محفوظ رہا۔''

۶۔ حضرت ازہر بن مغیث علیه الرحمة فرماتے تھے: ''میں نے ایک رات خواب میں ایک نہایت حسین و جمیل بہشتی حور دیکھی۔ میں نے دریافت کیا کہ تو کس کے لئے ہے؟ اس نے جواب دیا: اس شخص کے لئے جو جاڑوں کی راتوں میں قیامِ لیل کرے۔''

۷۔ حضرت علاء بن زیاد علیه الرحمة تمام رات قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ ان کی بیوی نے کہا: آپ کچھ وقت آرام کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے اس کا کہنا مان لیا

اور سو گئے پس ان کو خواب میں ایک آدمی ملا وہ پیشانی کے بال پکڑ کر کہنے لگا: اٹھ اور نماز پڑھ اور اپنے رب کی عبادت کے لطف کو مت کھو، وہ فی الفور اٹھے اور اپنے بال سیدھے کھڑے دیکھے ان کے یہ بال تادم مرگ سیدھے کھڑے رہے۔

۸۔ حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمۃ ایک رات بیت المقدس میں سوئے تو ایک پتھر سے آواز آئی کہ رات کا قیام جہنم کے شعلہ کو بجھاتا ہے اور پل صراط پر قدموں کو مضبوط رکھتا ہے پس تم قیام لیل میں سستی نہ کیا کرو، اس واقعہ کے بعد انہوں نے تادمِ مرگ قیامِ لیل ترک نہ کیا۔

ان اقوالِ صالحین پر عمل سے ہمیں بھی ان جیسے احوال نصیب ہو سکتے ہیں۔

۴۔ اہل اللہ کے معمولاتِ قیامِ شب

اہل اللہ کی محبت صرف اللہ سے ہوتی ہے۔ وہ اس کے لئے گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہیں، اس سے مناجات کرنے میں لذت پاتے ہیں۔یہی لذت انہیں رات بھر جاگتے رہنے اور اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ذیل میں چند ایسے مقرب اہل اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے اپنی راتوں کو ذوقِ مناجات اور شوقِ ملاقات کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

۱۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السّلام نے ایک دن جو کی روٹی پیٹ بھر کر کھائی، معمول کے مطابق ورد نہ پڑھ سکے اور سو گئے یہاں تک کہ صبح ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی، اے یحییٰ! کیا تم نے میرے گھر سے کوئی اچھا گھر پا لیا ہے یا تجھے میرے ہمسائے سے کوئی اچھا ہمسایہ مل گیا ہے؟ اے یحییٰ! قسم ہے مجھے اپنی ذات کی اگر تو جنت کو ایک مرتبہ جھانک لے تو اشتیاق کے مارے تیری چربی پگھل جائے اور تیری جان نکل

جائے اور اگر تو ایک مرتبہ دوزخ کی طرف جھانک لے تو آنسوؤں کی جگہ پیپ سے روئے اور ٹاٹ کے عوض لوہا پہنے۔

۲۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ قرآن میں جب قیامِ شب کے متعلق کی کوئی آیت دیکھتے تو غش کھا کر گر جاتے یہاں تک کہ کئی دن تک ان کی عیادت کی جاتی وہ اپنے ایامِ خلافت میں نہ رات کو سوتے اور نہ دن کو بلکہ انہیں کبھی بیٹھے بیٹھے غنودگی سی آ جاتی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ''اگر میں رات کو سوتا ہوں تو اپنے آپ کو کھوتا ہوں اور مجھ سے اس کے بارے میں بھی باز پرس ہوگی۔

۳۔ حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو میں اندھیرا چھانے پر خوش ہوتا ہوں کہ اب اپنے پروردگار کے ساتھ خلوت ہوگی اور جب فجر ہوتی ہے تو مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اب لوگ آ جائیں گے۔''(۱)

۴۔ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ جب کبھی ضرورت سے زیادہ کھا لیتے تو تمام رات قیام کرتے اور فرماتے: ''جب گدھے کو چارا زیادہ دیا جاتا ہے تو بھاری بوجھ اٹھانے میں اس سے کام بھی زیادہ لیا جاتا ہے۔''

۵۔ حضرت طاؤس علیہ الرحمۃ رات کو اپنا بستر بچھاتے اور صبح تک اس پر کروٹیں لیتے رہتے اور بالکل نہ سوتے بسا اوقات نمازِ عشاء سے صبح تک ٹکٹکی باندھے کھڑے رہتے اور کئی مرتبہ سر نیچے کیے فجر تک بیٹھے رہتے اور کلام نہ کرتے۔

۶۔ حضرت مغیرہ بن حبیب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمۃ کو دیکھا انہوں نے نمازِ عشاء کے بعد وضو کیا پھر اپنی جائے نماز پر

(۱) أبوطالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۷۸

کھڑے ہو کر اپنی داڑھی پکڑ لی اور آنسوؤں سے گلا والا حصہ خشک ہوگیا پھر کہنے لگے: الٰہی! مالک کے بڑھاپے کو دوزخ پر حرام کر دے، الٰہی تجھے معلوم ہے کہ جنت میں کون رہے گا؟ اور دوزخ میں کون رہے گا، ان دونوں فریقوں میں سے مالک کا فریق کون سا ہے اور ان دونوں گھروں میں سے مالک کا گھر کون سا ہے، اس طرح صبح صادق ہونے تک رہتے۔ کہتے ہیں کہ ایک رات مالک بن دینار علیہ الرحمۃ نے اس آیت کو پڑھ پڑھ کر صبح کر دی:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝[1]

''کیا وہ لوگ جنہوں نے برائیاں کما رکھی ہیں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انہیں اُن لوگوں کی مانند کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے (کہ) اُن کی زندگی اور ان کی موت برابر ہو جائے۔ جو دعویٰ (یہ کفّار) کر رہے ہیں نہایت برا ہے۝''

۷۔ حضرت عبدالعزیز بن ابی داؤد علیہ الرحمۃ کے لئے بستر بچھایا جاتا تو وہ بستر کو ہاتھ لگا کر فرماتے: ''تو نہایت نرم ہے مگر جنت کے بستر تجھ سے بھی زیادہ نرم ہیں، پھر نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو صبح تک پڑھتے رہتے۔''

۸۔ سلف صالحین علیہ الرحمۃ کے اعمال میں سے ایک یہ ہے کہ وہ گرمی ہو یا جاڑا ہر حال میں قیام اللیل میں ناغہ نہ آنے دیتے گویا کہ ان پر یہ فرض کر دیا گیا ہے چنانچہ وہ فرماتے کہ جو فقیر رات کے وقت نیند کے غلبہ کے بغیر سو جائے تو اسے طریقت سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(۱) الجاثیہ، ۴۵: ۲۱

۹۔ میدان شب کے شہسوار بزرگ شیخ محمد بن عنان علیہ الرحمۃ جن کا معمول ہر شب پانچ سو رکعت پڑھنا تھا، قیام اللیل کبھی ترک نہ کرتے اور سردی کے موسم میں بھی تہجد کی نماز چھت پر پڑھتے تھے۔

۱۰۔ حضرت رابعہ عدویہ علیہا الرحمۃ ہر رات کو وضو کر کے خوشبو لگاتیں پھر اپنے خاوند سے کہتیں: کیا آپ کو کچھ ضرورت ہے؟ اگر وہ کہتے کہ نہیں تو پھر صبح تک نماز پڑھتی رہتیں اور اول شب میں دعا کرتیں اے اللہ! تمام آنکھیں سو گئیں ہیں اور ستارے نیچے چلے گئے ہیں اور دنیا کے بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لیے ہیں لیکن ایک تیرا دروازہ ہے جو بند نہیں ہوتا پس تو مجھے بخش دے پھر وہ نماز کے لئے قدم درست کرتیں اور دعا کرتیں: ''مولا! تیری عزت و جلال کی قسم! میں جب تک زندہ ہوں تیرے سامنے ہر شب یوں ہی کھڑی رہوں گی۔''

۱۱۔ حضرت بشر حافی، حضرت یزید رقاشی، حضرت مالک بن دینار، حضرت سفیان ثوری اور حضرت ابراھیم بن ادھم علیھم الرحمۃ کا یہی معمول رہا اور مرتے دم تک ہمیشہ تمام رات قیام کرتے رہے۔

۱۲۔ ایک روز حضرت سلیمان دارانی علیہ الرحمۃ زار و قطار رو رہے تھے۔ کسی نے رونے کا سبب دریافت کیا، انہوں نے فرمایا: میں کیوں نہ روؤں جب رات تاریک ہو جاتی ہے اور لوگ سو جاتے ہیں، ہر حبیب اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں چلا جاتا ہے، اہل محبت اپنے پاؤں پھیلا دیتے ہیں اور محرابوں سے قطرے گرتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے اور جبرئیل علیہ السلام کو پکار کر کہتا ہے اے جبرئیل! جو لوگ میرے کلام سے لذت حاصل کرتے ہیں اور میرے ذکر سے راحت پاتے ہیں وہ میری نگاہ میں ہیں۔ ان کی خلوت گاہوں سے میں ان کو دیکھتا ہوں، ان کی آہ و زاری کو سنتا ہوں اور رونے کو دیکھتا ہوں۔ اے جبرئیل علیہ السلام تو پکار کر کیوں نہیں پوچھتا کہ یہ رونا کیسا؟ کیا کبھی کوئی حبیب اپنے

محبوب کو عذاب دیتا ہے؟ میرے لیے کیا یہ مناسب ہے کہ میں ان لوگوں کی گرفت کروں جو رات ہوتے ہی میری منت سماجت کرتے ہیں؟ مجھے اپنی ذات کی قسم جب یہ لوگ قیامت کے دن میرے پاس آئیں گے تو میں ان کے لئے اپنے چہرے سے پردہ اٹھا دوں گا تا کہ وہ مجھے دیکھ لیں اور میں انہیں دیکھ لوں۔

۱۳۔ حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ (۴۷۰۔ ۵۶۱ھ) کے معمولاتِ شب کے متعلق محمد بن ابو الفتح ہروی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''میں نے چالیس سال حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمۃ کی خدمت کی، اس عرصہ میں آپ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے۔ اگر کبھی وضو ٹوٹ جاتا تو اسی وقت وضو کرتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے، عشاء کی نماز کے بعد خلوت خانہ میں چلے جاتے، کسی دوسرے کو وہاں جانے کی اجازت نہ ہوتی اور فجر سے پہلے باہر تشریف نہ لاتے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ خلیفہ وقت ملاقات کے لئے حاضر ہوا لیکن فجر سے پہلے ملاقات نہ کر سکا۔ ابو الفتح علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ مجھے چند راتیں آپ کے ساتھ گزارنے کا اتفاق ہوا، آپ علیہ الرحمۃ رات کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھتے، پھر ذکر کرتے یہاں تک کہ رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا پھر کھڑے ہو کر نوافل ادا کرتے، یہاں تک کہ رات کا دوسرا تہائی حصہ گزر جاتا۔ آپ علیہ الرحمۃ کا سجدہ طویل ہوتا، پھر طلوع فجر تک مراقبہ کرتے۔(۱)

اگر ہم اپنی زندگیوں میں اپنے اسلاف کے ان معمولات کو پختہ و راسخ کر لیں تو ہم بھی بارگاہِ الٰہیہ سے انوار و تجلیات کے خزانوں سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔

قیامِ شب کی توفیق کیسے نصیب ہوتی ہے؟

رات کے قیامِ اور نیند کے متوازن ہونے کا امتیاز نہ صرف حضور نبی اکرم ﷺ

(۱) عبد القادر جیلانی، الفتح الرّباني والفیض الرحماني: ۴۳

کو ہی حاصل ہے آپ ﷺ کا قلب اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہمیشہ بیدار رہتا مگر عام بندوں کو یہ توفیق چند خاص امور سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ امور سالک کے لئے زادِ راہ ہیں جس کے بغیر سفر طے نہیں ہوسکتا جو شخص اس راہ پر چلنا چاہے وہ اس کی تدابیر اختیار کرے اور اس کا زادِ راہ حاصل کرے۔ شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ (م ۳۸۶ھ) ''قوت القلوب'' میں لکھتے ہیں: قیامِ شب کی توفیق حسب ذیل امور ملحوظ رکھنے سے حاصل ہوسکتی ہے:

۱۔ دل میں ایک دائمی غم داخل ہو جائے جو اسے بے چین کیے رکھے۔

۲۔ دائمی بیداری قلب میں آ جائے جو اسے بیدار رکھے۔

۳۔ عذاب کا خوف ہو یا ثواب کی امید کا شوق ہو۔

۴۔ وہ شخص ملکوت میں فکر کرتا رہے۔

۵۔ حلال کھانا کھائے۔

۶۔ کھانے سے معدہ خالی ہو اور پینے میں بھی کمی ہو۔

۷۔ دن میں قیلولہ کر لیا کرے۔

۸۔ امورِ دنیا میں بدن کو نہ تھکائے۔

۹۔ توبہ پر ثابت قدم رہے۔

۱۰۔ باعثِ قیامِ شب کا پختہ عزم [۱]

ان پابندیوں سے جو کوئی شب بیداری کے عزمِ مصمم کے ساتھ نیند کے غلبہ کے ہونے پر سو جائے تو اس کو قیام اللیل کی توفیق ضرور میسر آئے گی، ورنہ نفس کا کیا ہے۔ اگر اسے نیند کی رغبت دلائی جائے اور سونے کا خُوگر بنا دیا جائے تو وہ خوب آزاد ہو جاتا ہے مگر

---

(۱) أبو طالب مكی، قوت القلوب، ۱: ۸۲

جب پختہ عزم کے ساتھ اس پر قابو پالیا جائے تو گہری نیند میں بھی وہ آزاد نہیں رہتا۔ یہی وہ عمل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ○ (۱)

”ان کے پہلو اُن کی خوابگاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور امید (کی مِلی جُلی کیفیت) سے پکارتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ رِزق میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں○“

بندگانِ خدا کا یہ عزمِ صادق ان کے پہلوؤں اور ان کے بستروں کے درمیان جدائی پیدا کر دیتا ہے اور وہ اپنے بستروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ نفس کی ایک نظر جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے نیچے کی طرف اور دوسری نظر روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے عالمِ بالا کی طرف اربابِ عزم و ہمت اپنے پہلو اپنی خواب گاہوں سے اس لیے جدا رکھتے ہیں کہ ان کی نظریں روحانی مدارج کی تکمیل کرنے کے لئے عالمِ بالا کی طرف ہر وقت لگی رہتی ہیں، وہ ضروری بقدرِ کفایت سو کر نفس کا حق تو ادا کرتے ہیں مگر اسے نیند کی لذت سے محروم رکھتے ہیں۔ ان شب زندہ داروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ إِنَّمَا یَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ○ (۲)

”بھلا (یہ مشرک بہتر ہے) یا وہ (مومن) جو رات کی گھڑیوں میں سجود اور قیام

(۱) السجدة، ۱۶:۳۲

(۲) الزمر، ۹:۳۹

کی حالت میں عبادت کرنے والا ہے، آخرت سے ڈرتا رہتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے، فرما دیجئے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہو سکتے ہیں۔ بس نصیحت تو عقل مند لوگ ہی قبول کرتے ہیںo‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رات کے وقت کھڑے ہو کر عبادت کرنے والوں کو اہل علم قرار دیا ہے اس لئے کہ انہوں نے معرفتِ الٰہی کے علم سے اپنے نفوس کو اپنے پہلے مقام سے جنبش دے کر حقیقت کے اعلیٰ مقام پر پہنچایا اسی وجہ سے ان کے پہلو ان کی خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں، اور وہ روحانی لذت حاصل کرتے رہتے ہیں۔

قیامِ شب سے محرومی کے اَسباب

شب خیزی کی توفیق اللہ رب العزت کی طرف سے عطا ہوتی ہے لیکن اگر توفیق ملنے کے بعد اس کو برقرار رکھنے میں غفلت برتی جائے تو قیامِ شب سے محرومی ہمیشہ کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ (م ۶۳۲ھ) اس محرومی کے حوالے سے صوفیاء کرام کے درج ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

۱۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ سے کسی نے دریافت کیا اے ابو سعید! میں تندرستی کی حالت میں رات بسر کرتا ہوں، عبادت کے لئے رات کو اٹھنا چاہتا ہوں، اپنا سامان طہارت اور وضو بھی تیار رکھتا ہوں، پھر کیا بات ہے کہ میں نہیں اٹھ سکتا۔ انہوں نے فرمایا: ’’تمہارے گناہوں نے تمہیں مقید کر لیا ہے، اس لیے دن کے وقت گناہوں سے بچنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ وہ رات کے وقت کو مقید کر لیں۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو اس کی وجہ سے شب بیداری اور دن کے روزے سے محروم ہو جاتا

ہے۔

۲۔ شیخ نوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے سات مہینے شب بیداری سے محروم رہا۔ ان سے پوچھا گیا وہ کونسا گناہ تھا؟ انہوں نے فرمایا: میں نے ایک آدمی کو روتے دیکھا اور دل میں خیال کیا کہ یہ ریا کاری ہے۔

۳۔ ایک شیخ فرماتے ہیں: میں کرز بن دسرہ علیہ الرحمۃ کے پاس گیا، وہ رو رہے تھے میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کیا کسی قریبی دوست کی وفات ہوگئی ہے؟ انہوں نے فرمایا: اس سے بھی سخت بات ہے، میں نے پوچھا کوئی تکلیف اور درد ہے؟ فرمایا: اس سے بھی سخت بات ہے۔ میں نے پھر پوچھا آخر بات کیا ہے؟ فرمایا کہ میرا دروازہ بند ہے، پردہ لٹک رہا ہے اور گزشتہ رات کو میں اپنا ورد نہیں کر سکا یہ صرف ایک گناہ کے باعث ہوا۔

نیز شب بیداری میں درج ذیل چیزیں بھی حائل ہوتی ہیں۔ دنیا کے بہت سے کاموں میں مشغول رہنا، اعضاء کا تھک جانا، شکم سیر ہونا، بہت زیادہ باتیں کرنا اور شور و غل کرنا نیز دن کا قیلولہ ترک کرنا وغیرہ، بہرحال کامیاب وہی ہے جو اپنے وقت کو غنیمت سمجھے، اپنے درد اور اس کی دوا سے واقف ہو، اس میں غفلت نہ اختیار کرے، اور ان تمام وجوہات کو دور کرکے قیامِ شب کی عادت کو پختہ کرے۔(۱)

۴۔ شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ (م ۳۸٦ھ) نے ''قوت القلوب'' میں قیامِ شب سے محرومی کا ایک سبب مشتبہ چیزوں کا کھانا قرار دیا ہے۔ آپ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بعض علماء کرام کا فرمان ہے ''جب روزہ رکھو تو دیکھو کہ کس کے پاس افطار کر رہے ہو؟ اور کس کھانے پر افطار کر رہے ہو؟ اس لیے کہ کبھی بندہ ایسا کھانا کھا لیتا ہے جس کی نحوست سے اس کی پہلی حالت بگڑ جاتی ہے اور پہلے

(۱) شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف: ۵۳۵

والی اچھی حالت لوٹ کر نہیں آتی۔ ایسے کئی کھانے قیامِ شب میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔(۱)

اَوقاتِ شب کی تقسیم

حضور نبی اکرم ﷺ، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے ایک جماعت کا طریقہ کار یہ تھا کہ رات کا کوئی ایک حصہ عبادت کے لئے اور باقی حصہ آرام کے لئے مقرر فرماتے رات کے اوقات کی تقسیمِ شب کے متعلق دو روایات منقول ہیں جس میں مزید کے لئے دو انتخاب (options) ہیں پہلی روایت کے مطابق اگر کوئی چاہے تو نصف شب قیام کرے اور رات کی ابتداء اور آخر میں سو جائے۔ دوسری روایت کے مطابق نصف رات تک سوتا رہے پھر تیسرا حصہ قیام کرے اور آخری حصہ میں دوبارہ سو جائے، یہی افضل ترین قیامِ شب ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا اور حضور نبی اکرم ﷺ کا بھی یہی معمول رہا۔ سورۃ مزمل کی پہلی دو آیات میں آپ ﷺ کے قیامِ شب کا ذکر ہے۔ ائمہ مفسرین ''وَ نصفه و ثلثهٗ'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نصف شب سے کم یعنی چوتھائی یا تہائی رات قیام فرماتے اور تہائی سے کم یعنی چوتھائی حصہ سے مراد یہ ہے آپ ﷺ رات کا چھٹا حصہ یا بارہواں حصہ قیام فرماتے تھے۔(۲)

حضرت حمید علیه الرحمة بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: اگر تم حضور نبی اکرم ﷺ کو رات کے وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے، اگر تم حضور نبی اکرم ﷺ کو سویا ہوا دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے۔(۳)

---

(۱) أبو طالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۸۵

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۴۳۸

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب التهجد، باب قیام النبی ﷺ باللیل و نومه، ۱: ۳۸۳، رقم: ۱۰۹۰

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول توازن و اعتدال پر مبنی تھا آپ ﷺ کچھ رات آرام فرماتے اور نہ کچھ رات قیام فرماتے۔

شب بیداروں کے چار گروہ اور ان کی عبادات

اہلِ تصوف و روحانیت کے نزدیک شب بیداروں کے چار گروہ ہیں:

۱۔ اول شب میں عبادت کرنے والے

۲۔ نصف شب میں عبادت کرنے والے

۳۔ آخر شب میں عبادت کرنے والے

۴۔ تمام رات عبادت کرنے والے [(۱)]

۱۔ اَوّل شب قیام کرنے والے

اول شب میں عبادت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو تمام رات عبادت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، عبادت انہیں تھکا دیتی ہے اور آخرکار تھکن ان پر غالب آ جاتی ہے۔ یہ محض اول شب تک اوراد و وظائف کرنے والے لوگ ہیں۔اول شب میں عبادت اور وظائف و اوراد کے بارے میں امام غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰۔ ۵۰۵ھ) اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں لکھتے ہیں: سالکِ طریقت کے لئے ضروری ہے کہ غروب آفتاب کے وقت باوضو قبلہ رو بیٹھ کر رات کی آمد اور نماز مغرب کا انتظار کرے۔ اس موقع پر افضل ترین تسبیح ''استغفار'' ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب حضور نبی اکرم ﷺ سے ارشاد فرمایا:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

---

(۱) أبو طالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۳۳

بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ○[1]

’’پس آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے اور اپنی اُمت کے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے اور صبح و شام اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کیجئے۔‘‘

نمازِ مغرب کے فرائض ادا کرنے کے بعد دو رکعت سنتِ فوری ادا کرے کیونکہ یہ سنتیں بھی فریضہ میں شمار ہوتی ہیں۔ نمازِ مغرب کے بعد کسی سے کلام کئے بغیر چھ رکعت نوافل نماز اوابین ادا کرے۔[2]

(ا) نماز اوّابین

یہ مغرب اور عشاء کے درمیان کی نماز ہے جو کم از کم دو (۲) طویل رکعات یا چھ (٦) مختصر رکعات سے لے کر زیادہ سے زیادہ بیس (۲۰) رکعات پر مشتمل ہے۔ یہ اجر میں بارہ سال کی عبادت کے برابر بیان کی گئی ہے۔ اس کی فضیلت اور انوار و برکات نماز تہجد جیسی ہیں۔ ممکن ہو تو اس کا معمول پختگی سے اپنایا جائے خواہ کم سے کم دو رکعات ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ خاص قبولیت، قرب، تجلیات اور انعامات کا وقت ہے اس کے اسرار بے شمار ہیں۔

ا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام سے پوچھا:

هل علمت أن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم کان یأمر بالصلاة بعد المکتوبة قال: نعم بین المغرب والعشاء۔[3]

---

(۱) المؤمن، ۴۰: ۵۵

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۵۲۸

(۳) بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۱۳۲-۱۳۳، رقم: ۳۱۰۶

’’کیا آپ جانتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ فرض نماز کے بعد کسی اور نماز کے پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں آپ ﷺ مغرب اور عشاء کے درمیان (صلوۃ الاوابین) پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔‘‘

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعات نفل اس طرح (مسلسل) پڑھے کہ ان کے درمیان کوئی بری بات نہ کرے تو اس کے لئے یہ نوافل بارہ برس کی عبادت کے برابر شمار ہوں گے۔(۱)

۳۔ امام دیلمی علیہ الرحمۃ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں:

عليكم بالصّلاة فيما بين العشاءين فإنها تذهب بملاغاة أول النهار ومهدنة آخره مهدنة مضعفة۔(۲)

’’تم پر مغرب و عشاء کے درمیان کی نماز (نمازِ اوّابین) ضروری ہے اس لئے کہ یہ نماز ابتدائے دن کی لغویات کو اور آخری حصے کی پر سکون نیند کو ختم کرتی ہے (تاکہ انسان تہجد وغیرہ پڑھ سکے)۔‘‘

۴۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من صلّى بعد المغرب ستّ ركعات غفرت له ذنوبه ولو كانت مثل زبد البحر۔(۳)

’’جو شخص نماز مغرب کے بعد چھ رکعت نوافل ادا کرے تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔‘‘

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الصلاة، باب ما جاء في فضل التطوع و سِتَّ ركعات بعد مغرب، ۱: ۴۵۶، رقم: ۴۳۵

(۲) دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۱۸، رقم: ۴۰۲۹

(۳) ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲: ۴۰۰، ۴۰۱، رقم: ۳۳۸۰

۵۔ نمازِ اوابین کی پہلی دو رکعت میں سورۃ الکافرون اور سورۃ اخلاص پڑھنا افضل ہے۔ حضرت عبد اللہ ﷛ بیان کرتے ہیں:

أن النّبيﷺ كان يقرأ في الركعتين بعد المغرب ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْن﴾ و ﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾۔ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نماز مغرب کے بعد (صلوۃ اوابین) کی دو رکعات میں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔‘‘

اگر عبادت گزار مغرب اور عشاء کے درمیان مسجد میں بیٹھ کر لگاتار عبادت کرتا رہے تو اسے اعتکاف اور دونوں نمازوں کے درمیان لگاتار نماز پڑھنے کا ثواب حاصل ہو گا اور اللہ کی بارگاہ میں اس کے درجات بلند ہوں گے۔

۶۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: ہم میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی (اگلی نماز کے انتظار میں) جو بیٹھنے والے حضرات تھے وہ بیٹھ گئے اور جو جانے والے تھے چلے گئے۔ (تھوڑی دیر بعد) حضور نبی اکرم ﷺ اس تیزی سے تشریف لائے کہ آپ ﷺ کا سانس (مبارک) پھولا ہوا تھا اور آپ ﷺ نے اپنے گھٹنوں کے سہارے بیٹھ کر فرمایا:

أَبْشِرُوْا هَذَا رَبُّكُمْ قَدْ فَتَحَ بَابًا مِنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ، يَقُوْلُ: انْظُرُوْا إِلَى عِبَادِي قَدْ قَضَوْا فَرِيْضَةً وَهُمْ يَنْتَظِرُوْنَ أُخْرَى۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۱۴۱، رقم: ۱۰۲۵۱

۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، باب الصلوۃ قبل المغرب وبعدھا، ۲: ۲۳۰

(۲) ۱۔ ابن ماجۃ، السنن، کتاب المساجد والجماعۃ، باب لزوم المساجد ←

’’تم خوش ہو جاؤ کہ تمہارے رب نے آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا ہے اور تمہارا ذکر فرشتوں سے فخریہ فرما رہا ہے کہ میرے بندوں کی جانب دیکھو ایک فریضہ پورا کر کے دوسرے فریضہ کا انتظار کر رہے ہیں۔‘‘

حدیثِ مبارکہ کے ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود دروازہ کھول کر اور فرشتوں کو مخاطب فرما کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فخر کرتے ہوئے انہیں یہ منظر دکھا رہا ہے وہ اپنے عبادت گزار بندوں پر اتنی خوشی کا اظہار صرف اس لئے فرما رہا ہے کہ وہ عبادت و بندگی میں مصروف ہیں۔

اوراد و وظائف کے بارے میں شب زندہ دار کی اپنی مرضی ہے اگر وہ چاہے نماز کے بعد پڑھے یا اگر چاہے تو سورۃ اخلاص اور سورۃ فاتحہ کے ساتھ ملا کر بیس رکعت نماز میں پڑھ لے اور اگر دو رکعت پڑھے تو طویل قیام کرے اور قیام میں اپنے روزمرہ کے قرآنی اوراد کی تلاوت کرے یا بار بار ایسی دعا پڑھے جس میں دعا اور تلاوت دونوں کا فائدہ ہو۔ اس کے بعد نمازِ عشاء ادا کرے۔

(۲) نمازِ عشاء کے بعد چار رکعت نوافل

نمازِ عشاء کے بعد چار رکعت جو نوافل ادا کئے جائیں ان کو صلوۃ اللیل کہتے ہیں۔ نمازِ ان نوافل کا اجر شبِ قدر کی رات (چار رکعت نوافل) پڑھنے کی طرح ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ عشاء کے بعد گھر میں داخل ہو کر بیٹھنے سے قبل چار رکعت نوافل ادا فرماتے تھے۔ حدیثِ مبارکہ میں ان رکعات کی بہت زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’جو شخص نمازِ عشاء کے بعد چار رکعات اس طرح ادا کرے کہ پہلی دو رکعتوں

.... وانتظار الصلاة، ۱: ۴۳۶، رقم: ۸۰۱

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۸۶، رقم: ۶۷۵۱

میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور سورۃ اخلاص پڑھے اور آخری دو رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ السجدۃ اور تبارك الذی بیده الملك پڑھے تو اس کے لئے یہ چار رکعت ایسے ہی ہوں گی جیسے شبِ قدر میں ادا کی ہوں۔‘‘(۱)

شیخ ابو طالب مکی علیه الرحمة (م ۳۸۶ھ) حضرت سعد بن سعید، حضرت کرز بن بسرہ علیهم الرحمة (جو ابدال میں سے تھے) سے ایک طویل روایت نقل کرتے ہیں:

’’میں نے حضرت خضر علیہ السلام سے عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو رات کو کیا کروں؟ انہوں نے فرمایا: جب تم عشاء کی نماز پڑھ لو تو کوئی کلام کئے بغیر دو رکعت نماز اس طرح ادا کرو کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک بار اور سورۃ اخلاص سات بار پڑھو۔ اس کے بعد کسی سے بات کئے بغیر گھر واپس چلے جاؤ اور دو رکعت گھر میں ادا کرو اور ہر رکعت میں ایک بار سورۃ فاتحہ اور سات بار سورۃ اخلاص پڑھو، پھر سلام پھیر کر سجدہ کرو اور سات بار استغفار کرو، پھر سات بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھو اور سات بار یہ کلمات کہو:

سُبْحَانَ اللهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

’’اللہ پاک ہے اور ساری حمد اللہ کے لئے ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور اللہ بزرگ و برتر کی (توفیق کے) بغیر نہ برائی سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی استطاعت۔‘‘

پھر سجدہ سے سر اٹھالو اور سیدھا بیٹھ کر دونوں ہاتھ (دعا کی طرح) بلند کر کے یوں دعا کرو:

(۱) ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲: ۴۰۲، رقم: ۳۳۸۶

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الإِكْرَامِ يَا إِلٰـهَ الْأَوَّلِيْنَ وَ الْآخِرِيْنَ يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا يَا رَبِّ يَا رَبِّ يَا رَبِّ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ۔

''اے زندہ! اے ہر چیز کو قائم رکھنے والے، اے صاحبِ جلال و اکرام، اے اولین و آخرین کے معبود، اے دنیا و آخرت پر رحم کرنے والے اور ان پر مہربان، اے پروردگار، اے پروردگار، اے پروردگار، اے اللہ، اے اللہ، اے اللہ۔''

اس کے بعد قبلہ رُخ ہو کر دائیں پہلو پر سو جاؤ اور سو جانے تک حضور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھتے رہو۔ میں نے عرض کیا: آپ مجھے یہ تو بتا دیں کہ آپ نے یہ دُعا کس سے سُنی تھی؟ انہوں نے جواب دیا: جب حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ دعا عطا کی گئی اور سکھائی گئی تو میں اس وقت آپ ﷺ کے پاس حاضر تھا۔ یہ سب میری موجودگی میں ہوا، جس سے آپ ﷺ نے سیکھی میں نے بھی اسی سے سیکھی اور جو آدمی بھی حسنِ نیت اور یقین کے ساتھ اس نماز اور دعا پر مداومت کرے گا وہ دنیا سے جانے سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت ضرور کرے گا۔ بعض لوگوں نے یہ وِرد کیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ جنت میں داخل ہوئے اور وہاں انبیاء علیہم السلام کی زیارت کی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت سے بھی شرف یاب اور آپ ﷺ سے ہم کلام ہوئے اور تعلیم حاصل کی۔''(۱)

اس کے بعد اگر مزید عبادت کی استطاعت رکھتا ہو تو عبادت میں مشغول رہے اور اگر سونا چاہے تو سو جائے۔

(۱) أبو طالب مکی، قوت القلوب: ٦٢

۲۔ نصف شب قیام کرنے والے

نصف شب عبادت کرنے والے اللہ کے عظیم، مقرب، اطاعت گزار اور فرمانبردار بندے ہیں۔ وہ قانتین (ہمیشہ اطاعت و فرمانبرداری میں رہنے والے) کے درجے پر فائز ہوتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نصف شب قیام فرماتے تھے، ان کی نماز اور روزے اللہ تعالیٰ کو بہت پسند تھے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام (نفل) نمازوں میں سب سے محبوب نماز صلوٰۃِ داؤد علیہ السلام ہے اور سب سے محبوب روزہ صومِ داؤد علیہ السلام ہے وہ نصف رات تک سوتے (پھر اٹھ کر) ایک تہائی قیام کرتے اور پھر چھٹے حصے میں سو جاتے۔ نیز وہ ایک روز روزہ رکھا کرتے اور ایک روز چھوڑ دیا کرتے۔''(۱)

۲۔ شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ (م ۳۸٦ھ) ''قوت القلوب'' میں سیدنا داؤد علیہ السلام کے متعلق ایک خوبصورت روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے بارگاہِ الٰہیہ میں عرض کیا: اے پروردگار! میں چاہتا ہوں کہ تیری عبادت کروں تو کس وقت عبادت کے لئے اٹھوں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی: اے داؤد! تم نہ تو رات کے شروع میں اور نہ ہی رات کے آخر میں اٹھا کرو، جو رات کے اول وقت میں اٹھ کر عبادت کرتا ہے تو وہ رات کے آخر وقت میں سوتا ہے اور جو آخر وقت میں اٹھتا ہے وہ اول وقت میں سوتا ہے بلکہ ہمیشہ آدھی رات کے وقت اٹھا کرو تاکہ تمہیں بھی میرے ساتھ خلوت میسر ہو اور میں تمہارے ساتھ تنہا رہوں اور اسی وقت اپنی ضروریات میرے سامنے پیش کرو۔(۲)

---

(۱) بخاری، الصحیح، أبواب التهجد، باب من نام عند السحر، ۱: ۳۸۰، رقم: ۱۰۷۹

(۲) أبوطالب مكي، قوت القلوب، ۱: ۴۷، ۴۸

۳۔ آخرِ شب قیام کرنے والے

رات کو آرام کی نیند چھوڑ کر بستروں سے الگ ہونا انسانی طبیعت پر گراں گزرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرض نماز کے بعد رات کی پچھلی گھڑی میں عبادت کرنے کو افضل قرار دیا ہے۔ صحاح ستہ میں رات کے تہائی حصہ میں قیام کرنے کی فضیلت متعدد مقامات پر وارد ہوئی ہے۔ اس حوالے سے چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص سو جاتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر پھونک دیتا ہے کہ رات بہت لمبی ہے، جب وہ بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وضو کرتا ہے تو دو گرہیں کھل جاتی ہیں اور جب وہ نماز پڑھ لیتا ہے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں پھر وہ صبح کو ہشاش بشاش اٹھتا ہے ورنہ بصورت دیگر اس کی صبح خباثت اور سستی کے ساتھ ہوتی ہے۔''(۱)

۲۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا کوئی ایسا وقت ہے جس میں اللہ کا قرب زیادہ ہو؟ یا اس وقت میں اللہ کی یاد کی جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! بندہ سب اوقات سے زیادہ اللہ کے نزدیک پچھلی رات کو ہوتا ہے (کیونکہ اس وقت اللہ عزوجل پہلے آسمان پر جلوہ افروز ہوتا ہے) اگر تم اس کی استطاعت رکھتے ہو تو اس وقت اللہ کو یاد کرنے

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها، باب ماروی فیمن نام اللیل أجمع حتی أصبح، ۱:۵۳۸، رقم: ۷۷۶

۲۔ بخاری، الصحیح، أبواب التهجد، باب عقد الشیطان علی قافیة الرأس إذا لم یُصل باللّیل، ۱: ۳۸۳، ۳۸۴، رقم: ۱۰۹۱

والوں میں سے بنو۔‘‘[1]

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے آسمان دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے اور فرماتا ہے، ہے کوئی جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں، ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے اور میں اسے عطا کروں، ہے کوئی جو مجھ سے معافی چاہے اور میں اسے بخش دوں۔‘‘[2]

نمازِ تہجد

قرآنی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولاتِ شب کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آخری رات کی عبادت میں نمازِ تہجد کو خاص اہمیت حاصل ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا○[3]

’’او رات کے کچھ حصہ میں (بھی) قرآن کے ساتھ (شب خیزی کرتے

---

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب المواقیت، باب النهی عن الصلاة بعد العصر، ۱: ۱۹۹، رقم: ۵۷۲

۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۴۵۳، رقم: ۱۱۶۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، أبواب التهجد، باب الدعا و الصلاة من آخر اللیل، ۱: ۳۸۴، ۳۸۵، رقم: ۱۰۹۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاة المسافرین، باب الترغیب فی الدعا و الذکر فی آخر اللیل و الإجابة فیه، ۱: ۵۲۱، رقم: ۷۵۸

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۹

ہوئے) نمازِ تہجد پڑھا کریں یہ خاص آپ کے لئے زیادہ (کی گئی) ہے یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمیٰ جہاں جملہ اوّلین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے)o‘‘

نمازِ تہجد کو بعد نمازِ عشاء سو کر جس وقت بھی چاہیں ادا کیا جاسکتا ہے مگر مستحب اوقات دو (۲) ہیں: نصف شب یا آخر شب۔ حضرت اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز کیسی تھی؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كَانَ يَنَامُ أَوَّلَهُ، وَيَقُوْمُ آخِرَهُ، فَيُصَلِّي ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ وَثَبَ، فَإِنْ كَانَ بِهِ حَاجَةٌ اغْتَسَلَ، وَإِلَّا تَوَضَّأَ وَخَرَجَ۔(۱)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے حصے میں سوتے اور آخری حصے میں قیام (تہجد نماز کی صورت میں) فرماتے، پھر اپنے بستر کی طرف لوٹتے جب مؤذن اذان کہتا تو اٹھتے اور اگر حاجت ہوتی تو غسل کرتے ورنہ وضو کر کے مسجد تشریف لے جاتے۔‘‘

نمازِ تہجد صلوٰۃ اللیل کی ایک قسم ہے۔ یہ نماز تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے مناجات اور ملاقات کا دروازہ ہے اور اس وقت انوار و تجلیات کا خاص نزول ہوتا ہے احادیثِ مبارکہ میں اس کی بہت زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) بخاری، الصحیح، أبواب التہجد، باب من نام أوّل اللیل وأحیا آخرہ، ۱: ۳۸۵، رقم: ۱۰۹۵

أَفْضَلُ الصَّلَاةِ، بَعْدَ الْفَرِيضَةِ، صَلَاةُ اللَّيْلِ۔(۱)

''فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے تہجد گزاروں کی شان میں بے شمار نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''تورات میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے جن کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں، کسی انسان کے دل میں ان کا خیال (تک) نہیں آیا، نہ ہی انہیں کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ ہی کوئی نبی مرسل۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم بھی قرآن حکیم میں اس (مفہوم) کے ہم معنی آیت تلاوت کرتے ہیں:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝(۲)

''سو کسی کو معلوم نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے، یہ ان (اعمالِ صالحہ) کا بدلہ ہوگا جو وہ کرتے رہے تھے۝''(۳)

احادیثِ مبارکہ میں نمازِ تہجد کو مسلسل پڑھنے کی تاکید بیان ہوئی ہے، سلفِ صالحین کا بھی یہ معمول رہا ہے کہ وہ جو عمل شروع کرتے اس پر ہمیشگی اختیار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی عمل محبوب اور پسندیدہ ہے جو مداومت کے ساتھ کیا جائے۔

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم، ۲: ۸۲۱، رقم: ۱۱۶۳

(۲) السجدة، ۳۲: ۱۷

(۳) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۴۴۸۔ ۴۴۹، رقم: ۳۵۵۰

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۵۹، رقم: ۳۴۳۹۲

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا: ”اے عبداللہ! فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا جو پہلے قیام کیا کرتا تھا اور پھر اس نے رات کو قیام کرنا ترک کر دیا ہو۔“(۱)

اس حدیثِ مبارکہ میں نمازِ تہجد مسلسل اور باقاعدگی سے پڑھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

(۱) نمازِ تہجد کی تعدادِ رکعات

نمازِ تہجد کی مسنون رکعات کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ آٹھ (۸) ہیں اور مشائخ کے ہاں بارہ (۱۲) رکعت کا بھی معمول رہا ہے۔ تہجد کے لئے اٹھنے کا یقین ہو تو وتر رات کو چھوڑے جا سکتے ہیں اس صورت میں وتر کو نمازِ تہجد کے ساتھ آخر میں پڑھیں، یوں کل گیارہ رکعات بن جائیں گی۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا:

> ”حضور نبی اکرم ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے اور یہ آپ کی رات کی نماز ہوتی۔ اس میں آپ ﷺ سجدہ ایسا کرتے کہ آپ ﷺ کے سر اٹھانے سے پہلے تم میں سے کوئی پچاس آیتیں پڑھ لیتا اور نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ موذن نماز کی اطلاع دینے حاضر ہو جاتا۔“(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، أبواب التهجد، باب ما یکره من ترک قیام اللیل لمن کان یقومه، ۱: ۳۸۷، رقم: ۱۱۰۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوتر، باب ماجاء فی الوِتر، ۱: ۳۳۸، رقم: ۹۴۹
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب صلاة اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل، ۱: ۵۰۸، رقم: ۷۳۶

حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ آٹھ رکعت نمازِ تہجد اور تین رکعت وتر ادا فرماتے تھے۔اس حدیث میں نماز فجر سے پہلے دو رکعت سے مراد فجر کی دو سنتیں ہیں۔

(۲) نمازِ تہجد کا طریقہ

وضو کر کے سالک دو، دو رکعت کی نیت کر کے نماز ادا کرے یہی سنت نبوی ﷺ ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ!

كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ؟

’’رات کی نماز کس طرح ہے؟‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَثْنَى مَثْنَى۔ (۱)

’’دو دو رکعتیں۔‘‘

شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ (م ۳۸٦ھ) ’’قوت القلوب‘‘ میں نماز تہجد کا طریقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: تہجد گزار ہر پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد یہ آیت پڑھے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، أبواب التہجد، باب کیف کان صلاۃ النبی ﷺ، ۱:۳۸۲، رقم: ۱۰۸٦

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب صلاۃ اللیل مثنیٰ، و الوتر رکعۃ من آخر اللیل، ۱: ۵۱۶، رقم: ۷۴۹

لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○(۱)

''اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اوراللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کوتوبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے○''

اس کے بعد دوسری رکعت میں کوئی اورتوبہ و استغفار یا دعا ومناجات والی آیات پڑھے، پھر استغفار کرے، بعد ازاں اپنی استطاعت کے مطابق دو دو کر کے آٹھ یا بارہ رکعات نمازِ تہجد ادا کرے اور جس کو یہ آیات یاد نہ ہوں تو ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ تین تین مرتبہ پڑھے اور بعض سالکین فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص ایک بار دوسری رکعت میں دو مرتبہ، تیسری رکعت میں تین بار اسی طرح بارہویں رکعت میں بارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد **یَا حَیُّ یَا قَیُّوْم یا لَا اِلٰـهَ اِلَّا أَنْتَ** سجدے میں کہے۔(۲)

وتر چھوڑنا صرف اس کے لئے جائز ہے جسے رات کو اٹھنے پر اعتماد ہو ورنہ نمازِ عشاء کے ساتھ ہی وتر ادا کرنا بہتر ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو یہ خدشہ ہو کہ وہ رات کے پچھلے پہر نہیں اٹھ سکے گا تو وہ اول رات وتر پڑھ لے اور جس شخص کو رات کے آخری پہر میں اٹھنے کا اعتماد ہو وہ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھے کیونکہ اخیر شب کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ افضل ہے۔''(۳)

---

(۱) النساء، ۴:۶۴

(۲) أبو طالب مكي، قوت القلوب، ۱:۴۶

(۳) مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب من خاف أنه لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله، ۱:۵۲۰، رقم: ۷۵۵

شیخ ابو طالب مکی علیه الرحمة فرماتے ہیں کہ جو شخص تہجد کے وقت وتر پڑھے تو سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا تین بار پڑھے:

سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْعَظْمَةِ وَالْجَبرُوْتِ وَ تَعَزَّزْتَ بِالْقُدْرَةِ وَ قَهَّرْتَ الْعِبَادَ بِالْمَوْتِ۔[۱]

’’اے مالک القدوس، فرشتوں اور روح کے پروردگار تو پاک ہے تو نے (اپنی) عظمت و جبروت سے آسمانوں اور زمین کو ڈھانپ لیا ہے اور تو اپنی قدرت سے غالب ہوا ہے اور تو نے موت سے بندوں کو مغلوب کر دیا ہے۔‘‘

وتر ادا کرنے کے بعد سونا بہتر ہے کیونکہ وتر ادا کرنے کے بعد نمازِ فجر تک سونا سنتِ نبوی ﷺ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ رات کے اول حصہ میں سو جاتے اور آخر حصہ میں بیدار ہوتے......، اس (قیام) کے بعد پھر سو جاتے اور جب پہلی اذان ہوتی تو اٹھ جاتے۔[۲]

سنت نبوی ﷺ کے مطابق سلفِ صالحین لیٹ جانے کو پسند فرماتے تھے۔ شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمة (م ۳۸۶ھ) لکھتے ہیں کہ آخری رات میں سونا دو وجوہ سے مستحب سمجھا جاتا ہے:

۱۔ اس سے صبح کی نماز میں اونگھ سے نجات مل جاتی ہے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صبح کی نماز میں اونگھنے کو برا سمجھتے اور جو اونگھ رہا ہوتا اسے نمازِ فجر کے بعد سونے کا حکم دیتے تھے۔

---

(۱) أبو طالب مكی، قوت القلوب، ۱: ۴۶

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب صلاة اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل، ۱: ۵۱۰، رقم: ۷۳۹

۲۔ چہرے کی زردی ختم ہو جاتی ہے۔(۱)

اہلِ شہود کے لئے خصوصاً آخری تہائی شب میں سونا مشاہدہ میں زیادتی کا باعث ہوتا ہے۔ اس وقت ان پر ملکوتی راز کھلتے ہیں اور جبروتی علوم کا ملکہ حاصل ہوتا ہے اس طرح شب بیداروں اور مجاہدہ کرنے والوں کے لئے سونا بھی راحت وسکون کا باعث بنتا ہے۔

(۳) تہجد کے وقت کے اَذکار

شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ (م ۳۸۶ھ) اپنی کتاب ''قوت القلوب'' (ص: ۷۵، ۷۶) میں لکھتے ہیں کہ جب سالک رات کو نمازِ تہجد کے لیے اُٹھے تو یہ دعا پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی أَحْيَانِی بَعْدَ إِذْ تَوَفَّانِی وَ إِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔

''سب حمد اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے وفات دینے کے بعد زندہ کیا اور اس کی طرف پھر اٹھ کر جانا ہے۔''

پھر سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات پڑھے اور مسواک کرکے وضو کرے۔ اس کے بعد یہ دعا کرے:

سُبْحَانَكَ وَ بِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَ أَسْأَلُكَ التَّوْبَةَ فَاغْفِرْلِی وَ تُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِی مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ، وَاجْعَلْنِی صَبُوْرًا شَكُوْرًا، وَاجْعَلْنِی أَذْكُرُكَ كَثِيْرًا وَ أُسَبِّحُكَ بُكْرَةً وَّ أَصِيْلًا ۔

''تو پاک ہے اور تیری حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تجھ سے توبہ کا سوال کرتا ہوں۔ سو مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول

(۱) أبو طالب مکي، قوت القلوب، ۱: ۸۲

فرما لے بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور مجھے از حد پاک لوگوں میں سے بنادے اور مجھے صبر کرنے والوں، شکر کرنے والوں میں سے بنادے اور مجھے ایسا بنادے کہ تیرا کثرت سے ذکر کروں اور صبح و شام تیری تسبیح بیان کروں۔‘‘

پھر آسمان کی طرف منہ کر کے یہ دعا پڑھے:

أَشْهَدُ اَنْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ، وَ أَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ، وَ أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ أَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ أَنَا عَبْدُكَ اِبْنُ عَبْدِكَ نَاصِيَتِي بِيَدِكَ جَارٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُ كَ، هٰذِهِ يَدِي بِمَا كَسَبْتُ، وَهٰذِهِ نَفْسِي بِمَا اجْتَرَحْتُ (لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ) عَمِلْتُ سُوْءًا وَ ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي ذَنْبِي إِنَّكَ أَنْتَ رَبِّي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ فَلَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ.

’’میں گواہی دیتا ہوں کہ تنہا اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں تیرے عذاب سے تیرے عفو کی پناہ چاہتا ہوں اور میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ چاہتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں میں تیری ثنا نہیں کرسکتا تو بس ایسے ہے کہ جیسے تو نے اپنی خود ثنا فرمائی ہے میں تیرا بندہ، تیرے بندے کا بیٹا ہوں میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے۔ مجھ میں تیرا حکم جاری ہے۔ مجھ میں تیری قضا نافذ ہے۔ یہ میرے ہاتھ ہیں اس کے

ساتھ جو انہوں نے کمایا اور یہ میرا نفس ہے اس چیز کے ساتھ جس کا اس نے ارتکاب کیا۔ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے بے شک میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔ میں نے برا کیا اور میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، سو میرا گناہ بخش دے بے شک تو ہی میرا رب ہے۔ بے شک تیرے بغیر کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا (الغرض) تیرے بغیر کوئی معبود نہیں، تیرے بغیر کوئی معبود نہیں)۔''

اور جب نماز شروع کرے تو یہ دعا کرے:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ أَصِيْلًا.

''اللہ سب سے بڑا ہے اور ساری حمد اللہ کے لیے ہے صبح و شام اللہ ہی کی تسبیح ہے۔''

اس کے بعد دس بار **سُبْحَانَ اللّٰهِ**، دس بار **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** دس بار **لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ** دس بار **اَللّٰهُ أَكْبَرُ ذُوالْمَلَكُوْتِ وَالْجَبْرُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْجَلَالِ وَالْعَظْمَةِ وَالْقُدْرَةِ** پڑھے۔ پھر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ بَهَآءَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ زَيْنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيَّامُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَ مَنْ عَلَيْهِنَّ، أَنْتَ الْحَقُّ وَ مِنْكَ الْحَقُّ، وَلِقَاءُ وْكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَّ النَّارُ حَقٌّ، وَّالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ، وَّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ، اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَ بِكَ خَاصَمْتُ، وَ إِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ اَللّٰهُمَّ يَا رَبِّ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ أَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ. اَللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا. اَللّٰهُمَّ زَكِّهَا أَنْتَ

خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا. اَللّٰهُمَّ اهْدِنِی لِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ لَا يَهْدِی لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّی لَا سَيِّئَهَا يَصْرِفُ عَنِّی سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ، أَسْأَلُكَ مَسأَلَةَ الْبَائِسِ الْمِسْكِيْنِ، وَأَدْعُوْكَ دُعَآءَ الْمُفْتَقِرِ الذَّلِيْلِ، فَلَا تَجْعَلْنِی بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا، وَكُنْ لِی رَؤُوفًا رَّحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ، وَيَا أَكْرَمَ الْمُعْطِيْنَ.

’’اے اللہ تیری ہی حمد ہے تو ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اور تیری ہی حمد ہے۔ تو ہی آسمانوں اور زمین کی رونق ہے اور تیری ہی حمد ہے۔ تو ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور تیری ہی حمد ہے تو ہی آسمانوں اور زمین کی زینت ہے اور تیری ہی حمد ہے تو ہی آسمانوں اور زمین کو قائم رکھنے والا ہے اور جو ان میں ہیں اور جو ان پر ہیں۔ تو حق ہے اور تجھ سے حق ہے اور تیری ملاقات حق ہے اور جنت حق ہے اور آگ (دوزخ) حق ہے اور تمام انبیاء حق ہیں اور حضرت محمد ﷺ حق ہیں۔ اے اللہ! میں تیرا فرمانبردار ہوا، اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر توکل کیا اور تیری وجہ سے جھگڑا اور تیری طرف (معاملہ) پیش کیا۔ اے اللہ! اے رب جو میں نے ماضی میں کیا یا آئندہ کروں گا اسے بخش دے اور جو پوشیدہ طور پر کیا اور جو برملا کیا (اسے بخش دے) تو ہی اول ہے اور تو ہی آخر ہے۔ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ میرے نفس کو پرہیزگاری عطا کر، اے اللہ اسے پاک کردے، تو بہترین پاک کرنے والا ہے۔ تو ہی اس کا آقا و مولا ہے۔ اے اللہ مجھے بہترین اعمال کی ہدایت دے تیرے سوا کوئی بھی اچھے (اعمال کی) طرف ہدایت نہیں دے سکتا اور مجھ سے برائیاں دور فرما۔ تیرے سوا کوئی بھی اس کی برائی سے نہیں بچاسکتا۔ میں مسکین تنگ حال کی طرح تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ذلیل محتاج کی طرح تجھ سے دعا کرتا ہوں۔ چنانچہ مجھے

اے پروردگار اپنی دعا میں بدبخت نہ بنا اور میرے لیے مہرباں، رحم کرنے والا ہوجا۔ اے سوال کئے جانے والوں میں سے سب سے بہترین! اور اے سب سے زیادہ عطاء کرنے والے۔‘‘

زیادہ مستحب یہ ہے کہ نمازِ تہجد کی پہلی دو رکعتیں ہلکی پڑھے یعنی اس میں طویل قرأت نہ کرے۔ اور بہتر یہ ہے کہ نمازِ تہجد سے پہلے کچھ نہ کھائے پیئے۔ تاکہ پوری دلجمعی کے ساتھ نماز ادا کرے کیونکہ جب انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے تو دل تمام وساوس وغیرہ سے پاک ہوتا ہے جبکہ کھانے پینے کے بعد دل کی حالت میں تغیر آ جاتا ہے۔ ہاں اگر یہ خطرہ ہو کہ نماز پڑھتے پڑھتے سحری کھانے کا وقت ختم ہوجائے گا تو پہلے سحری کھالے اور پھر نماز ادا کرے۔[۱]

۴۔ تمام رات قیام کرنے والوں کی عبادات

تمام رات عبادت کرنے والے محبین، علماء، اہلِ فکر، اہلِ مجلس اور راتوں کو گڑگڑانے والے ہیں۔ ان کی رات پریشان حال ہوتی ہے، ان کے لئے نعمتِ شب گھٹ کر رہ جاتی ہے، محبوب تعالیٰ ان سے نیند اٹھا لیتا ہے، ان پر شب کو قیام کرنا آسان ہو جاتا ہے، لذّتِ وصل نے ان سے ملال کو دور کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عتاب (غضب اور ناراضگی کے خوف) نے انہیں ہمیشہ بیدار رکھا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کا ذکر اس طرح بیان فرماتا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا٘ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝[۲]

’’ان کے پہلو اُن کی خوابگاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور

(۱) أبو طالب مكی، قوت القلوب، ۱: ۷۵، ۷۶

(۲) السجدہ: ۳۲: ۱۶

امید (کی مِلی جُلی کیفیت) سے پکارتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ رِزق میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیںo''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَo وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَo(۱)

''وہ راتوں کو تھوڑی سی دیر سویا کرتے تھےo اور رات کے پچھلے پہروں میں (اٹھ اٹھ کر) مغفرت طلب کرتے تھےo''

ساری رات عبادت کرنے والے اپنے مولا سے بے حد محبت رکھتے ہیں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ محبت کرنے والے ہمیشہ جاگتے ہیں، مجاز محبوب حقیقی کی یاد سے انہیں کوئی چیز بار نہیں رکھ سکتی، وہ نیند ترک کر کے رات بھر کروٹیں بدلتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس کو محبوب کے دیدار کا نشہ اور لذت نصیب ہو جائے پھر زندگی بھر اس کا وہ نشہ اترتا ہی نہیں اور اس کے سامنے سارے نشے ختم ہو جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

حضرت ابو الجویریہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے ساتھ چھ مہینے رہا ہوں اس عرصہ میں کوئی شب ایسی نہیں گزری کہ آپ علیہ الرحمۃ نے زمین پر اپنی پیٹھ لگائی ہو، نصف شب میں عبادت کرنا آپ علیہ الرحمۃ کا دستور تھا۔ ایک بار حضرت ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا تو انہوں نے آپس میں ذکر کیا کہ یہ شخص تمام رات ذکر کرتا ہے۔ آپ علیہ الرحمۃ نے اپنے دل میں کہا یہ میری وہ صفت بیان کرتے ہیں جو مجھ میں نہیں اس لئے آئندہ تمام رات عبادت کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ رات آپ کے لئے کوئی بستر نہ لگایا جاتا تھا۔

(۱) الذاریت، ۵۱: ۱۷، ۱۸

کئی بزرگانِ دین کے بارے میں یہ بات مشہور ہے اور صحت کے ساتھ مروی ہے کہ وہ تیس تیس سال اور چالیس چالیس برس تک رات بھر اللہ کی عبادت میں بیدا رہے۔ شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: حضرت واحب بن منبہ یمانی علیہ الرحمۃ نے تیس برس تک زمین پر پہلو نہیں لگایا، ان کے پاس چمڑے کا تکیہ تھا۔ جب ان پر نیند کا غلبہ ہوتا تو اس چمڑے پر سینہ رکھتے اور چند سانس لیتے پھر گھبرا کر کھڑے ہوکر فرماتے۔ ''میں گھر میں شیطان دیکھنا تو پسند کرلوں گا مگر تکیہ رکھنا پسند نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ تو نیند کو دعوت دیتا ہے۔(۱)

شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ تمام رات عبادت گزاروں کے بارے میں لکھتے ہیں:
چالیس کے قریب ایسے تابعی ہیں جو تیس سے لے کر چالیس سال تک رات بھر عبادت کے لیے جاگتے رہے اور نمازِ عشاء کے وضو کے ساتھ نماز ادا کرتے رہے، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

حضرت سعید بن مسیّب ، حضرت صفوان بن سلیم مدنی، حضرت فضیل بن عیاض ، حضرت ابوسلیمان دارانی ، حضرت علی بن بکار شامی، حضرت وہیب بن ورد مکی ، حضرت طاوس، حضرت وہیب بن منبہ، حضرت یمانی ، حضرت ربیع بن خثیم ، حضرت حکم بن حسینہ کوفی ، حضرت ابوعبداللہ حواض ، حضرت ابو عاصم عبادی ، حضرت حبیب ابو محمد ، حضرت ابوجابر سلمان فارسی، حضرت مالک بن دینار، حضرت سلیمان تیمی، حضرت یزید رقاشی، حضرت حبیب بن ابی ثابت بصری ، حضرت یحی البکاء بصری رحمہم اللہ۔ مؤخر الذکر ایک ماہ میں نوے بار قرآن مجید ختم کرتے تھے اور اگر کوئی آیت سمجھ میں نہ آتی تو اسے دوبارہ پڑھتے۔ مدینہ میں سے اکثر ایسے لوگ ملتے ہیں جن میں ابو حاتمؒ اور محمد بن مکندرؒ جیسے مدنی تابعین مشہور ہیں۔''(۲)

(۱) أبوطالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۸۰
(۲) أبوطالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۸۱

۵۔ تمام رات عبادت کا طریقہ

نوافل ادا کرتے ہوئے درمیان میں بیٹھ کر ایک سو (۱۰۰) بار استغفار کی تسبیح پڑھ لی جائے اس سے آرام کا موقع بھی مل جائے گا اور مزید عبادت کی توفیق حاصل ہوگی۔ یہ طریقہ سورۃ قٓ کی اس آیت مبارکہ میں بھی بیان ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَ اَدۡبَارَ السُّجُوۡدِ۝[1]

''اور رات کے بعض اوقات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی۝''

اگر شب بیدار زیادہ وظائف و اوراد کرنا چاہے تو بعض صوفیاء کرام کے فرمان کے مطابق مغرب اور عشاء کے اوراد اور سونے سے پہلے کے اوراد بھی اس وقت کے مطابق کرنا دن کے روزہ رکھنے سے افضل ہے۔ اس وقت تلاوتِ قرآن اور استغفار بھی بہتر ہے بشرطیکہ زیادہ طویل قیام کا عادی نہ ہو۔

مذکورہ بالا چار طبقات کی عبادات کو مدنظر رکھتے ہوئے انسان کو چاہیے کہ وہ ہر رات کم از کم پانچواں یا چھٹا حصہ ضرور قیام کرے، اس میں ناغہ نہ ہونے پائے، چاہے مسلسل قیامِ شب کرے یا فرق رکھ کر قیام کرے۔ الغرض رات میں کوئی سا بھی ورد کرے اس سے شب بیدار کو فائدہ حاصل ہوگا اور جو شخص نصف یا زیادہ رات تک عبادت کرتا رہا گویا اس نے ساری رات کی عبادت کی۔ رات کا باقی حصہ اس پر صدقہ ہوا اور جو آدمی رات کو بیس رکعات پڑھے اور اس کے بعد تین وتر پڑھے تو اللہ کے فضل و کرم سے اس کے متعلق یہ لکھا جائے گا کہ اس نے ساری رات عبادت کی۔ رمضان المبارک میں قیام کی بہترین صورت نمازِ تراویح ہے۔

---

(۱) قٓ، ۵۰: ۴۰

ماہِ رمضان المبارک میں قیام اللیل کی فضیلت

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کئے ہیں اور میں نے تمہارے لئے اس کے قیام (نماز تراویح) کو سنت قرار دیا ہے پس جو شخص ایمان اور حصولِ ثواب کی نیت کے ساتھ ماہِ رمضان کے دنوں میں روزہ رکھتا اور راتوں میں قیام کرتا ہے وہ گناہوں سے یوں پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ اس دن تھا جب اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا۔''(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز تراویح پڑھنے کی رغبت دلایا کرتے تھے لیکن حکماً نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ فرماتے: ''جس نے رمضان المبارک میں حصولِ ثواب کی نیت اور حالتِ ایمان کے ساتھ قیام کیا تو اس کے سابقہ (تمام) گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔''(۲)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک تک تراویح کا یہی معمول رہا اور خلافت ابو بکر رضی اللہ عنہ میں اور پھر خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے شروع تک یہی صورت برقرار رہی۔

---

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب الصیام، باب ذکر اختلاف یحییٰ بن أبی کثیر و النضر بن شیبان فیه، ۴: ۱۱۸، رقم: ۲۲۰۸، ۲۲۱۰
۲۔ ابن ماجة، السنن، کتاب إقامة الصلاة و السنة فیها، باب مَا جَاءَ فِی قِیَامِ شَهْرِ رَمَضَان، ۲: ۱۳۲، رقم: ۱۳۲۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۵
۲۔مسلم، الصحیح، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح، ۱: ۵۲۳، رقم: ۷۵۹

حضور نبی اکرم ﷺ نماز تراویح کو پسند فرماتے تھے لیکن آپ ﷺ نے اس اندیشہ سے جماعت نہیں کروائی کہ کہیں فرض نہ کر دی جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ (حجرہ مبارک سے) باہر تشریف لائے تو رمضان المبارک میں لوگ مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کون ہیں؟ عرض کیا گیا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن حکیم یاد نہیں اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَصَابُوْا وَنِعْمَ مَا صَنَعُوْا(۱)

’’انہوں نے درست کیا اور کتنا ہی اچھا عمل ہے جو انہوں نے کیا۔‘‘

بیہقی کی ایک روایت میں ہے فرمایا:

قَدْ أَحْسَنُوا أَوْ قَدْ أَصَابُوا وَ لَمْ يَكْرَهْ ذٰلِكَ لَهُمْ ۔(۲)

’’انہوں نے کتنا احسن اقدام یا کتنا اچھا عمل کیا اور ان کے اس عمل کو حضور نبی اکرم ﷺ نے ناپسند نہیں فرمایا۔‘‘

حضرت عبد الرحمٰن بن عبد القاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں: ’’میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو دیکھا کہ لوگ جدا جدا تھے کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک گروہ کسی کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کردوں تو اچھا ہو گا۔ پس آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا پھر میں ایک اور رات ان کے ساتھ نکلا اور لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

(۱) أبو داود، السنن، كتاب الصلاة، باب في قيام شهر رمضان، ۱: ۵۱۲، رقم: ۱۳۷۷

(۲) بيهقي، السنن الكبرى، ۲: ۴۹۵، رقم: ۴۳۸۶

نے (ان کو دیکھ کر) فرمایا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے ہیں اس حصہ سے بہتر ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں۔ (۱)

نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات

نمازِ تراویح کی بیس رکعت ہیں، جن کا ثبوت درج ذیل روایات سے ملتا ہے:

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكَعَةً سِوَى الْوِتْرَ۔ (۲)

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔''

۲۔ حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قراء حضرات کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔'' (۳)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

۲۔ مالك، الموطأ، کتاب الصلاۃ فی رمضان، باب ما جاء في قيام رمضان، ۱: ۱۱۴، رقم: ۳

(۲) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲: ۱۶۴، رقم: ۷۶۹۲

۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۲۴۴، رقم: ۸۰۲

(۳) بیہقی، السنن الکبری، ۲: ۴۹۶، رقم: ۴۳۹۶

۳۔ ابوخصیب علیہ الرحمۃ نے بیان کیا ہے: ’’امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور امام داؤد ظاہری علیہم الرحمۃ نے بیس تراویح کا قیام پسند فرمایا اور تین وتر اس کے علاوہ ہیں۔‘‘(۱)

قدر والی راتوں میں قیام کی فضیلت

متعدد روایات میں ایسی مبارک اور بابرکت راتوں کا تذکرہ ملتا ہے جن میں قیام کرنا، ذکر و اذکار اور عبادت کرنا عام راتوں کی نسبت زیادہ فضیلت کا حامل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تبع تابعین اور سلفِ صالحین بھی ان راتوں میں خاص طور پر عبادت کا اہتمام فرماتے تھے۔ بعض ائمہ نے ان راتوں کو جمع کر دیا ہے۔ جن میں جاگ کر عبادت کرنا مستحب ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ اس قسم کی مبارک راتیں پورے سال میں چودہ ہیں، محرم الحرام کی پہلی رات، محرم الحرام کی دسویں رات، رجب المرجب کی پہلی رات، نصف رجب کی رات، ۲۷ ویں رجب کی رات، نصف شعبان کی رات، عرفہ کی رات، عید کی رات، بقرعید کی رات، رمضان کے آخری عشرے کی پانچ طاق راتیں۔(۲)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحْيَا اللَّيَالِي الْخَمْسَ، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ لَيْلَةَ التَّرْوِيَةِ وَلَيْلَةَ عَرَفَةَ وَلَيْلَةَ النَّحْرِ، وَلَيْلَةَ الْفِطْرِ، وَلَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ(۳)

’’جس نے پانچ راتوں کو زندہ رکھا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی وہ پانچ راتیں یہ ہیں: (۱) آٹھویں ذی الحجہ کی شب، (۲) نوویں ذی الحجہ کی شب، (۳) عیدالاضحیٰ کی رات، (۴) عیدالفطر کی رات، (۵) پندرہویں شعبان کی رات۔‘‘

(۱) ابن رشد، بداية المجتهد، ۱: ۱۵۲

(۲) عبدالقادر جيلانی، غنية الطالبين، ۱: ۴۴۴

(۳) منذری، الترغيب و الترهيب، ۲: ۱۵۲، رقم: ۲

اسی لئے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ شبِ براءت میں قیام کرنا یعنی رات جاگ کر اللہ کی عبادت کرنا مستحب ہے۔ سیدنا غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں لکھتے ہیں: ''حضرت علی نے رضی اللہ عنہ پورے سال میں خاص طور سے عبادت کے لئے ان چار راتوں کو مخصوص کر رکھا تھا یعنی رجب کی پہلی رات، عید الفطر کی رات، عید الاضحیٰ کی رات میں اور آپ رضی اللہ عنہ ان چار راتوں میں یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ مَصَابِيْحِ الْحِكْمَةِ وَمَوَالِيَ النِّعْمَةِ وَمَعَادِنِ الْعِصْمَةِ وَاعْصِمْنِيْ بِهِمْ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَلَا تَأْخُذْنِيْ عَلٰى غِرَّةٍ وَّ لَا عَلٰى غَفْلَةٍ وَلَا تَجْعَلْ عَوَاقِبَ أَمْرِيْ حَسْرَةً وَّ نَدَامَةً وَارْضَ عَنِّيْ فَإِنَّ مَغْفِرَتَكَ لِلظَّالِمِيْنَ وَأَنَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا لَا يَضُرُّكَ وَأَعْطِنِيْ مَا لَا يَنْفَعُكَ فَإِنَّكَ الْوَاسِعَةُ رَحْمَتُهٗ، الْبَدِيْعَةُ حِكْمَتُهٗ فَأَعْطِنِي السَّعَةَ وَالدَّعَةَ وَالْأَمْنَ وَالصِّحَّةَ وَالشُّكْرَ وَالْمُعَافَاةَ وَالتَّقْوٰى. اِفْرَغِ الصَّبْرَ وَالصِّدْقَ عَلَيَّ وَعَلٰى أَوْلِيَائِكَ وَأَعْطِنِي الْيُسْرَ وَلَا تَجْعَلْ مَعَهُ الْعُسْرَ وَعَمِّمْ بِذٰلِكَ أَهْلِيْ وَ وَلَدِيْ وَأَخْوَانِيْ فِيْكَ وَمِنْ وَلَدَنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ(۱)

''اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کے اہل وعیال پر اپنی رحمتیں نازل فرما جو علم و حکمت کے چراغ، فضل ونعمت والے اور عصمت کی کانیں ہیں اور ان کے ساتھ مجھے بھی ہر برائی سے محفوظ فرما اور مجھے بے خبری اور غفلت کی حالت میں نہ پکڑ اور میرے اعمال کے نتائج میرے لئے موجب حسرت و ندامت نہ بنا اور مجھ سے راضی ہو جا کیونکہ تیری مغفرت اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کے

(۱) عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین: ۱: ۴۴۶

لئے ہے اور میں ان میں سے ہوں، اے اللہ! مجھے وہ چیز بخش جو تجھے ضرر نہیں پہنچاتی اور وہ چیز عطا کر جو تجھے نفع نہیں پہنچاتی کیونکہ تیری رحمت بہت وسیع ہے اور تیری حکمت اپنی مثال آپ ہے۔ لہٰذا مجھے وسعت، آرام، امن، صحت، نعمتوں پر شکر کی توفیق، عافیت، مصائب پر صبر اور تجھ پر اور تیرے اولیاء کی باتوں پر ایمان و یقین عطا فرما اور مشکلات کی موجودگی میں مجھے آسانی دے اور اپنی ہمہ گیر رحمت میرے اہل وعیال پر برسا اور میرے دینی بھائیوں پر بھی جو تیرے دین پر قائم ہیں اور میرے ماں باپ پر بھی اور تمام مسلمان و مومن مردوں اور عورتوں پر بھی۔''

ذیل میں چند ایسی بابرکت راتوں کے فضائل قدرے تفصیل سے بیان کئے جاتے ہیں:

ا۔ شبِ براءت کا قیام اور مسنون دعائیں

ماہِ شعبان المعظم کی پندرھویں شب بڑی فضیلت اور بزرگی والی ہے۔ فارسی زبان میں لفظ شب کے معنی رات کے ہیں اور براءت عربی زبان کا لفظ ہے جسے کے معانی بری ہونا، نجات پانا اور گناہوں سے پاک ہونا ہیں چونکہ اس رات رحمتِ خداوندی کے طفیل لا تعداد انسان دوزخ سے نجات پاتے ہیں اس لئے اس رات کو ''شبِ برأت'' کہتے ہیں اس رات کو برکت والی رات بھی کہا گیا ہے کیونکہ اس میں دنیا والوں پر رحمت، برکت، خیر وسعادت اور بخشش ومغفرت کی بارش ہوتی ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں اس شب کے بڑے فضائل اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔اس شب کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تمہیں معلوم ہے اس رات یعنی شعبان کی پندرھویں شب میں کیا ہوتا ہے؟

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سال میں جتنے بھی پیدا ہونے والے ہیں اور جتنے مرنے والے ہیں وہ سب اس رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور اس رات میں سب بندوں کے (سارے سال کے) اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات میں لوگوں کی مقرر روزی اترتی ہے۔‘‘(۱)

شبِ براءت میں اللہ تعالیٰ عام معمول سے ہٹ کر مغرب کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے اور اپنی مخلوق پر نظرِ رحمت فرماتے ہوئے چند افراد کے سوا سب کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَيَطَّلِعُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شُعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ ۔(۲)

’’اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں شب کو ظہور فرماتا ہے اور مشرک اور چغل خور کے علاوہ سب کی بخشش فرما دیتا ہے۔‘‘

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس رات کثیر تعداد میں لوگوں کی بخشش فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

’’ایک رات میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو نہ پایا تو میں آپ ﷺ کی تلاش میں نکلی کیا دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ جنت البقیع میں ہیں آپ ﷺ نے

(۱) خطیب تبریزی، مشکوۃ المصابیح، ۱: ۳۷۴، ۳۷۵، رقم: ۱۳۰۵

(۲) ۱۔ ابن ماجة، السنن، کتاب إقامة الصلاة و السنة فیها، باب ما جاء فی لیلة النصف من شعبان، ۲: ۱۷۶، رقم: ۱۳۹۰

۲۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۳: ۳۸۲، رقم: ۳۸۳۳

فرمایا: کیا تجھے ڈر ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ تجھ پر ظلم کرے گا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں نے سوچا شاید آپ کسی دوسری زوجہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات کو آسمانِ دنیا پر (جیسا کہ اسکی شایانِ شان ہے) اترتا ہے اور بنو کلب قبیلہ کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کو بخشتا ہے۔‘‘(۱)

شبِ براءت میں حضور نبی اکرم ﷺ جنت البقیع تشریف لے جاتے اور شب بیداری فرماتے، نہ صرف خود شب بیداری فرماتے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی شب بیداری کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا كَانَتْ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَان فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَ صُوْمُوْا نَهَارَهَا۔(۲)

’’جب شعبان کی پندرھویں رات ہوتو رات کو قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو۔‘‘

کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات کو سورج غروب ہوتے ہی آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور فرماتا ہے: کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں، کون مجھ سے رزق طلب کرتا ہے کہ میں اسے رزق دوں، کون مبتلائے مصیبت ہے کہ میں اسے عافیت دوں اسی طرح صبح تک ارشاد ہوتا رہتا ہے۔‘‘

شبِ برأت کی مسنون دعائیں

اس شب میں حضور نبی اکرم ﷺ مخصوص دعائیں مانگتے تھے۔ احادیثِ

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الصوم، باب ما جاء فی لیلة النصف من شعبان، ۲: ۱۰۸، رقم: ۷۳۹

(۲) ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء فی لیلة النصف من شعبان، ۲: ۱۷۴، ۱۷۵، رقم: ۱۳۸۸

مبارکہ میں ان دعاؤں کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جبریل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: یہ رات شعبان کی پندرہویں رات ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس رات میں بہت سے لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے جو کہ قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں مگر اس میں اللہ تعالی مشرکین، کینہ پرور، رشتے ناطے توڑنے والے، ازار ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے (مراد تکبر کرنے والے)، والدین کے نافرمان اور شراب کے عادی لوگوں کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماتا اسکے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں آج رات قیام کروں؟ میں نے کہا! جی ہاں آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ ﷺ نے قیام کے بعد ایک طویل سجدہ کیا یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ میں نے چھونے کا ارادہ کیا اور آپ کے تلوؤں پر اپنا ہاتھ رکھا تو کچھ حرکت معلوم ہوئی میں نے آپ کو سجدہ میں یہ دعا مانگتے سنا:

أَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَأَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ لَا أُحْصِيى ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ.

''(اے اللہ!) میں تیرے عفو کے ذریعے تیرے عذاب سے، تیری رضا کے ذریعے تیرے غضب سے، تیرے ذریعے تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں میں تیری اس جیسی تعریف کرنے سے قاصر ہوں جیسی خود تو نے اپنی تعریف فرمائی ہے۔''

صبح کو میں نے آپ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اے عائشہ!

تم اس دعا کو یاد کرو گی؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سیکھ لو، مجھے یہ کلمات جبریل علیہ السلام نے سکھائے ہیں اور کہا ہے کہ سجدہ میں ان کو بار بار پڑھا کرو۔‘‘(۱)

اوپر بیان کردہ تمام کی تمام احادیثِ مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ رات کا زیادہ حصہ عبادات اور دعاؤں میں بسر کرتے تھے۔ لہٰذا اس شب میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنا سنتِ نبوی ﷺ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اخلاص کے ساتھ اس رات شب بیداری کا اہتمام کریں اور اپنے مولا کو راضی کریں۔ اس رات ’’شب بیداری‘‘ کا کوئی خاص طریقہ اور عبادت مقرر نہیں کی گئی ہے۔ جس قدر ممکن ہو سکے اللہ کو یاد کریں قرآن و احادیث کی تلاوت و سماعت میں مشغول رہیں، تسبیح پڑھتے رہیں، درود شریف پڑھتے رہیں یا نوافل پڑھتے رہیں۔ یہ سب شب بیداری میں شامل ہیں۔ بہت سے بزرگوں کا معمول صلوۃ التسبیح پڑھنے کا ہے اگر ہو سکے تو صلوۃ التسبیح پڑھ لیں اسکی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔ سیدنا غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ’’غنیۃ الطالبین‘‘ میں لکھتے ہیں۔

’’نصف شعبان کی رات کو پڑھی جانے والی نماز کی رکعات تعداد میں سو ہیں جن میں مجموعی طور پر سورۃ اخلاص ایک ہزار بار پڑھی جاتی ہے اور ہر رکعت میں دس دس بار پڑھی جاتی ہے، اس نماز کو صلوۃ الخیر کہتے ہیں اس نماز کے پڑھنے سے برکتیں پھیل جاتی ہیں۔ سلفِ صالحین اس نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور اس کے لئے جمع ہوا کرتے تھے اس نماز کے فضائل بے شمار ہیں اور اس کا ثواب گراں قدر ہے۔‘‘

سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمۃ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ کا قول نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے تیس صحابہ نے بیان کیا کہ جو شخص یہ نماز اس رات میں پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس پر ستر بار نگاہ ڈالتا ہے اور ہر نگاہ میں اسکی ستر ضرورتیں پوری کرتا ہے جن میں سے ادنیٰ

---

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۳۸۳-۳۸۵، رقم: ۳۸۳۷

ضرورت اسکی بخشش ہے، اس نماز کو چودہ متبرک راتوں میں پڑھنا مستحب ہے اس نماز کی برکت سے نمازی کو اس کی بزرگی، فضیلت اور ثواب جزیل حاصل ہوتا ہے۔ (۱)

۲۔ شبِ قدر کا قیام اور مسنون دعائیں

ماہِ رمضان المبارک انتہائی بابرکت اور مقدس مہینہ ہے۔ اس ماہ میں ایک ایسی رات آتی ہے، جس میں قرآن حکیم نازل ہوا اور اسی رات میں آسمان سے زمین پر فرشتے اترتے ہیں۔ اسے ہزار مہینوں سے بہتر مہینہ قرار دیا گیا ہے۔ کتاب و سنت میں اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ جمہور علماء امت کا موقف یہ ہے کہ لیلۃ القدر امت محمدیہ ﷺ کے لئے خاص انعام ہے کسی اور امت کو یہ رات عطا نہیں کی گئی۔ حدیثِ مبارکہ میں اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ عزوجل وَهَبَ لِأُمَّتِيْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، وَلَمْ يُعْطِهَا مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔ (۲)

’’بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر میری امت ہی کو عطا کی ہے ان سے پہلے کسی امت کو یہ نہیں ملی۔‘‘

لیلۃ القدر کی فضیلت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم میں پوری ایک سورت اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے جسے ’’سورۃ القدر‘‘ کہتے ہیں۔ حصولِ برکت کیلئے وہ سورہ ذکر کی جاتی ہے:

إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ أَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ

---

(۱) عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین: ۴۷۵، ۴۷۶

(۲) دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۱۷۳، رقم: ۶۴۷

خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ○ سَلٰمٌ قف هِىَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ○[۱]

’’بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں اتارا ہے○ اور آپ کیا سمجھے ہیں (کہ) شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر (فضیلت و برکت اور اَجر و ثواب میں) ہزار مہینوں سے بہتر ہے○ اس (رات) میں فرشتے اور روح الامین (جبرائیل) اپنے رب کے حکم سے (خیر و برکت کے) ہر اَمر کے ساتھ اترتے ہیں○ یہ (رات) طلوعِ فجر تک (سراسر) سلامتی ہے○‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’جس رات لیلۃ القدر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سیدنا جبریل امین علیہ السلام کو حکم دیتا ہے اور وہ ملائکہ کے جھرمٹ میں زمین کی طرف اترتے ہیں۔ ان ملائکہ کے پاس سبز جھنڈے ہوتے ہیں جو وہ بیت اللہ کی چھت پر گاڑھ دیتے ہیں۔ سیدنا جبریل امین علیہ السلام کے سو پر ہیں جن میں سے وہ دو پر صرف اسی رات کھولتے ہیں۔ وہ دو پر مشرق و مغرب سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ جبریل امین علیہ السلام اس رات فرشتوں کو ابھارتے ہیں، چنانچہ وہ فرشتے ہر اس بندے سے سلام کرتے ہیں جو کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر میں مشغول ہو وہ ان لوگوں سے مصافحہ کرتے ہیں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے، پھر صبح ہو جاتی ہے تو سیدنا جبریل امین علیہ السلام فرشتوں کو آواز دے کر کہتے ہیں کہ بس اب چلو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے جبرئیل! اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے مومنوں کی ضروریات کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا؟ سیدنا جبریل امین علیہ السلام کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نظر رحمت سے دیکھتے ہوئے ان سے درگزر فرمایا اور انہیں بخش دیا ہے، سوائے چار اشخاص کے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ چار اشخاص کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عادی شراب خور، والدین کا نافرمان، رشتے ناتے

(۱) القدر، ۹۷: ۱۔۵

توڑنے والا اور مشاحن، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مشاحن سے کون مراد ہے؟ فرمایا: کینہ ور (دل میں بغض رکھنے والا)۔‘‘(۱)

اس کے علاوہ بھی متعدد احادیثِ مبارکہ میں شب قدر میں فرشتوں کے زمین پر اترنے کے بارے میں تفصیل بیان ہوئی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ جبریل علیہ السلام اس رات عبادت کرنے والوں سے مصافحہ کرتے ہیں جس کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص اس رات بیدار رہتا ہے اور عبادت گزاری کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بزرگی اور مرتبہ والا شخص ہوتا ہے اور اس رات جو عبادت کی جاتی ہے وہ دوسری راتوں کی عبادت سے شرف و مرتبہ میں نہ صرف بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے بلکہ اس عبادت کے ذریعے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ امام مسلم علیہ الرحمۃ (۲۰۶۔۲۶۱ھ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ(۲)

’’جو شخص شبِ قدر میں ایمان کے ساتھ ثواب حاصل کرنے کی غرض سے کھڑا ہو اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔‘‘

شبِ قدر میں بھی شب بیداری کا کوئی خاص طریقہ اور عبادت مقرر نہیں ہے

---

(۱) ۱۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۳۳۵، ۳۳۶، رقم: ۳۶۹۵

۲۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۲: ۹۹، ۱۰۰، رقم: ۲۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب الترغیب فی قیام رمضانه وهو التراویح، ۱: ۵۲۳، ۵۲۴، رقم: ۷۶۰

۲۔ نسائی، السنن، کتاب الصیام، باب ثواب من قام رمضان و صامه إیمانا و احتساباً و الاختلاف علی الذهري في الخبر في ذلك، ۴: ۱۵۷، رقم: ۲۱۹۳۔

اپنے طبعی ذوق کے ساتھ جس طرح ممکن ہو اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے۔ مناسب یہ ہے کہ جتنی دیر جاگنا مقصود ہو اس کے تین حصے کر لیے جائیں۔ ایک حصہ میں نوافل پڑھے جائیں، دوسرے میں تلاوت قرآن میں مشغول رہا جائے اور تیسرا حصہ استغفار، درود شریف، دعا و ذکر اللہ میں گزارا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ○(۱)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) آپ وہ کتاب پڑھ کر سنایئے جو آپ کی طرف (بذریعہ) وحی بھیجی گئی ہے، اور نماز قائم کیجئے، بیشک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، اور واقعی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے، اور اللہ ان (کاموں) کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو○‘‘

اس آیت کریمہ میں انہی تین عبادتوں نماز، تلاوت قرآن اور ذکرِ الٰہی کو ایک جگہ جمع فرما دیا گیا ہے:

(۱) شبِ قدر کی مسنون دعا

لیلۃ القدر میں ایک خاص دعا مانگنے کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر مجھے شبِ قدر معلوم ہو جائے تو اس میں کیا دعا مانگوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا مانگو:

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ، فَاعْفُ عَنِّي۔(۲)

---

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۴۵

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید، ۵: ۴۹۰، رقم: ۳۵۱۳

''یا اللہ! تو بہت معاف کرنے والا ہے، عفو و درگزر کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف فرما دے۔''

لیلۃ القدر کون سی رات اللہ تعالیٰ نے اس امر کو مخفی رکھا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اس کا کوئی مستقل تعین نہیں فرمایا۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ ستائیسویں رات کا لیلۃ القدر ہونا زیادہ اغلب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ، مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔(۱)

''شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔''

جمہور علماء کے نزدیک آخری عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے، چونکہ اسلامی مہینہ ۲۹ یا ۳۰ کا ہوتا ہے، اس حساب سے حدیث بالا کے مطابق شب قدر کی تلاش ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ ویں راتوں میں کرنا چاہیے۔ ان تمام روایات و واقعات سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اول تو ہمیں سارے رمضان کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں لگے رہنا چاہیے۔ اگر یہ مشکل ہو تو آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرنی چاہیے۔ اگر یہ بھی دشوار ہو تو آخری درجہ یہ ہے کہ کم از کم ستائیسویں شب کو تو ضرور ہی اس کی جستجو میں کرنی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بڑی دولت ہے جس کا حصول بہت بڑی سعادت ہے۔ اس کے مقابلہ میں دنیا بھر کی نعمتیں اور راحتیں ہیچ ہیں اور اس سے محرومی بڑی شقاوت اور بدنصیبی کی بات ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ هَذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ مَنْ

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراويح، باب تَحَرِّي ليلة القدر فی الوتر من العشر الأواخر، ۲: ۷۱۰، رقم: ۱۹۱۳

حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ، وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلا مَحْرُوْمٌ۔[1]

''یہ مہینہ تم پر آ گیا ہے اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو اس رات سے محروم رہا وہ تمام نیکیوں سے محروم رہا اور محروم وہی رہے گا جس کی قسمت میں محرومی ہے۔''

لیلۃ القدر کی جستجو بڑی سعادت کی بات ہے کوشش کرنی چاہیے کہ ان راتوں میں مغرب، عشاء اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے۔ بعض احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ان راتوں میں مغرب، عشاء اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اسے شبِ قدر کا کسی قدر حصہ مل جاتا ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من صلی المغرب و العشاء فی جماعة حتی ينقضي شهر رمضان فقد أصاب من ليلة القدر بحظ وافر۔[2]

''جس شخص نے سارے رمضان مغرب اور عشاء جماعت کے ساتھ پڑھی اس نے شب قدر کا وافر حصہ پا لیا۔''

(۲) شبِ قدر کی علامات

احادیث مبارکہ میں شب قدر کی کچھ علامات ذکر کی گئی ہیں ان میں سے چند ایک یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔ حضرت عکرمہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) ابن ماجة، السنن، کتاب الصيام، باب ماجاء فی فضل شهر رمضان، ۲: ۳۰۸، ۳۰۹، رقم: ۱۶۴۴

(۲) بيهقی، شعب الإيمان، ۳: ۳۴۰، رقم: ۳۷۰۷

فی لیلة القدر: لیلة سمحة طلقة لا حارة ولا باردة تصبح شمسها صبیحها ضعیفة حمراء۔[1]

’’شبِ قدر میں ایک نرم چمکدار رات ہے نہ گرم نہ سرد اس کی صبح سورج کمزور شعاعوں کے ساتھ سرخ طلوع ہوتا ہے۔‘‘

الغرض جو کوئی لیلۃ القدر کے فیوض و برکات کا طالب ہو اسے چاہیے کہ وہ سال کی ہر رات میں قیام کرے حضرت زر بن حبیش علیہ الرحمۃ (جو اکابر تابعین میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے بھائی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص تمام سال قیام کرے گا وہ لیلۃ القدر کو پالے گا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، ان کا ارادہ یہ تھا کہ کہیں لوگ ایک رات پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیں ورنہ وہ خوب جانتے تھے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے اور رمضان کے آخری عشرے میں ہے اور اغلب طور پر وہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے، پھر انہوں نے بغیر انشاء اللہ کہے قسم کھا کر کہا کہ لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہی ہے۔ میں نے کہا: اے ابو المنذر تم یہ بات اتنے یقین سے کس وجہ سے کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا اس دلیل یا اس نشانی کی بنا پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس رات کے بعد جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعائیں نہیں ہوتیں۔‘‘[2]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ لیلۃ القدر اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر ایک انتہائی بابرکت رات ہے، اس رات کو غنیمت جانتے ہوئے جس طرح بھی بن پڑے اپنے مولا کو منانے کی فکر کرنی چاہئے اور اس مبارک رات کی قدر کرنی چاہئے۔ اپنے گناہوں کی معافی

---

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۳۳۴، رقم: ۳۶۹۳

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب فضل لیلة القدر، ۲: ۸۲۸، رقم: ۷۶۲

مانگنی چاہیے اور ایسا طرزِ عمل ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو اور انسان اس رات کے فیوض و برکات سے محروم ہو جائے کیونکہ اس سے محرومی بہت بڑی سعادت سے محرومی ہے۔

باب پنجم

تلاوتِ قرآن

قرآنِ حکیم وہ کتابِ روشن ہے جس کے اندر معانی و معارف کے سمندر پنہاں ہیں۔ اس کا حرف حرف لازوال حکمتوں سے معمور ہے۔ یہ کلام الٰہی ہے اور جس طرح ذات باری تعالیٰ ہر نقص وعیب سے پاک ہے اسی طرح اس کا کلام بھی ہر نقص وعیب سے مبرّا اور شک و شبہ سے بالا تر ہے۔جس طرح اللہ ﷻ تمام عالمین کا رب اور جملہ مخلوق کا روزی رساں ہے اسی طرح اس کا کلام بھی تمام عالم انسانیت کے لئے سر چشمۂ ہدایت ہے۔یہ کتاب ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اور اس پر عمل پیرا ہوئے بغیر کوئی مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا۔ یہ اقوامِ عالم کو زندگی گزارنے کا وہ راستہ بتاتی ہے جو بالکل سیدھا ہے۔ دنیا و عقبیٰ کے تمام مرحلے اس کے متعین کئے ہوئے راستے پر گامزن ہونے سے طے ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ۔ (۱)

’’بے شک یہ قرآن اس (منزل) کی رہنمائی کرتا ہے جو سب سے درست ہے۔‘‘

جیسا کہ اوپر بیان ہوا قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ہی ایک مسلمان حقیقی معنٰی میں مسلمان بنتا ہے ۔بقول علامہ اقبالؔ:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

قرآن حکیم، نوعِ انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے جو پیغمبرِ آخر و

---

(۱) بنی اسرآئیل، ۱۷:۹

اعظم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔اس پیغام کو سمجھنا ہرانسان کی ذمہ داری اور ہر مسلمان کی دینی ضرورت ہے۔ بطور خاص اہلِ اسلام پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس کے اوامر ونواہی اور احکام کو سمجھیں اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیں۔ یہ سب تعلق بالقرآن کے بغیر ممکن نہیں۔

قرآنِ حکیم کے ساتھ تعلق استوار کرنے کا بہترین ذریعہ اس کتابِ الٰہی کی تلاوت ہے۔اس سے کماحقہ استفادہ کے لئے ضروری ہے کہ اسے غور وفکر کے ساتھ پڑھا جائے اور اس میں تدبر کیا جائے۔تلاوت قرآنِ حکیم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر حرف کو صحیح مخرج سے ادا کیا جائے جو قواعدِ تجوید جانے بغیر ممکن نہیں لہٰذا علم التجوید کا سیکھنا ہرمسلمان کا دینی فریضہ بھی ہے۔

قرآن حکیم ہی وہ یکتا اور منفرد کتاب ہے جس کا حرف حرف حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے اور اس کو یاد کرنے اور زبانی پڑھنے والے تمام دنیا میں موجود ہیں۔یہ قرآن کا منفرد اعجاز ہے جس کا دعویٰ اس کے علاوہ دنیا کی کوئی کتاب نہیں کرسکتی۔کوئی آسمانی صحیفہ اور کتاب ایسی نہیں جس کا پورا متن اتنی کثرت سے پڑھا جاتا ہو۔یہ اعزاز اور فضیلت صرف قرآنِ حکیم کو ہی حاصل ہے کہ اس کا ایک حرف پڑھنے والے کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ملائکہ اس کی تلاوت سننے کے لئے زمین پر اترتے ہیں، قرآنِ حکیم کی تلاوت کرنے والے کی تمام خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں، اسے عزت و بزرگی کا لباس پہنایا جاتا ہے، اس پر جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر آیت کی تلاوت کے بدلے اس کی نیکیاں بڑھا دی جاتی ہے۔

تلاوتِ قرآن خود قرآن کے آئینے میں

یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے مسلمانوں کو قرآنِ حکیم جیسی نعمتِ عظمیٰ سے نوازا، اس کی قدر کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے والے کو دنیا و آخرت میں طرح

طرح کے انعامات و کرامات کا مستحق ٹھہرایا۔ قرآن حکیم کے الفاظ اور معانی دونوں وحی ہیں۔ قراءت الفاظ کی کی جاتی ہے جبکہ معانی کو متن قرآن کے حوالے سے سمجھا جاتا ہے۔ لفظ قرآن قرء سے اسم مبالغہ ہے جس کا معنی ہے وہ کتاب جسے بہت زیادہ پڑھا جائے یا بار بار پڑھا جائے۔ تلاوتِ قرآن وہ عظیم سعادت ہے جس کی فضیلت خود قرآن میں جا بجا بیان ہوئی ہے۔ متعدد آیات میں قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے:

۱۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○[۱]

''(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا○''

۲۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○[۲]

''پڑھیے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے○''

۳۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا○[۳]

''اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں○''

۴۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ ۔[۴]

''(اے حبیب مکرم!) آپ وہ کتاب پڑھ کر سنائیے جو آپ کی طرف (بذریعہ) وحی بھیجی گئی ہے۔''

تلاوتِ قرآن چہارگانہ فرائضِ نبوت میں سے ایک ہے۔ اس کی ایک بہت

---

(۱) العلق، ۹۶: ۱

(۲) العلق، ۹۶: ۳

(۳) المزّمّل، ۷۳: ۴

(۴) العنکبوت، ۲۹: ۴۵

بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ دل پر اثر انداز ہو کر انسان کی دل کی دنیا میں انقلاب بپا کر دیتی ہے۔ اگر قرآن حکیم کی تلاوت تفکر و تدبر کے ساتھ کی جائے تو انسان اس کے مفاہیم و مطالب تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

تلاوتِ قرآن کی فضیلت و اہمیت کا بیان چند آیاتِ کریمہ کی روشنی میں درج ذیل پہلوؤں پر مشتمل ہے:

۱۔ تلاوتِ قرآن فریضۂ نبوت ہے

قرآن حکیم حضور رحمت عالم ﷺ پر تمام بنی نوع انسان کی طرف الوہی پیغامِ ہدایت کے طور پر اتارا گیا۔ آپ ﷺ کے فرائضِ نبوت میں یہ شامل کر دیا گیا کہ آپ ﷺ عالم انسانی کو تلاوتِ آیات کے ذریعے اس پیغامِ خداوندی سے آگاہ کریں۔ آپ ﷺ کے فریضۂ تلاوتِ آیات کو دیگر فرائضِ نبوت کے ساتھ درج ذیل آیاتِ کریمہ میں بیان کیا گیا:

۱۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۱)

’’اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے (وہ آخری اور برگزیدہ) رسول (ﷺ) مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے (کر دانائے راز بنا دے) اور ان (کے نفوس و قلوب) کو خوب پاک صاف کر دے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے ۝‘‘

۲۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲)

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۲۹

(۲) البقره، ۲: ۱۵۱

’’اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تم ہی میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفساً و قلباً) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھےo‘‘

۳۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍo[1]

’’بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھےo‘‘

۲۔ حقِ تلاوت ادا کرنے والوں کو اُلوہی عنایات کی نوید

قرآن حکیم ان بندوں کا ذکر بطور خاص فرماتا ہے جو کتاب اللہ کو اس کے تمام تر آداب اور حقوق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ[2]

’’وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسے پڑھنے کا حق ہے۔‘‘

تلاوت قرآن کا حق کماحقہ ادا کرنے والے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بے پناہ نوازشات وعنایات ہوتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) آل عمران، ۳: ۱۶۴

(۲) البقرة، ۲: ۱۲۱

۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ○ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ط اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ○(۱)

’’بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی، اور ایسی (اُخروی) تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارے میں نہیں ہوگی○ تاکہ اللہ ان کا اجر انہیں پورا پورا عطا فرمائے اور اپنے فضل سے انہیں مزید نوازے، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا ہی شکر قبول فرمانے والا ہے○‘‘

۳۔ تلاوتِ قرآن کا اثر

قرآن حکیم نے تلاوت قرآن سے مستفیض ہونے والے لوگوں پر جو کیفیات طاری ہوتی ہیں ان کو بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ تلاوت قرآن کو غور سے سنتے، سمجھتے اور پھر اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں، انہیں یہ خوشخبری سنائی جائے:

۱۔ فَبَشِّرْ عِبَادِ ○ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○(۲)

’’پس آپ میرے بندوں کو بشارت دے دیجئے○ جو لوگ بات کو غور سے سنتے ہیں، پھر اس کے بہتر پہلو کی اتباع کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی ہے اور یہی لوگ عقل مند ہیں○‘‘

---

(۱) فاطر، ۳۵: ۲۹، ۳۰

(۲) الزمر، ۳۹: ۱۷، ۱۸

۲۔ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ[۱]

’’اور (یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض سچے عیسائی) جب اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول (ﷺ) کی طرف اتارا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھوں کو اشک ریز دیکھتے ہیں۔‘‘

حضرت وہیب بن ورد علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ’’ہم نے ان احادیث اور مواعظ میں غور کیا تو قرآن حکیم کی قراءت اس کی سمجھ اور تدبر سے بڑھ کر کسی چیز کو دلوں کو نرم کرنے والا اور غم کو لانے والا نہیں پایا۔ اس طرح قرآن حکیم سے متاثر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اس کی صفت سے موصوف ہو جائے۔‘‘[۲]

۳۔ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○[۳]

’’اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو (یوں) بلند کر دیا جیسا کہ وہ (ایک) سائبان ہو اور وہ (یہ) گمان کرنے لگے کہ ان پر گرنے والا ہے۔ (سو ہم نے ان سے فرمایا، ڈرو نہیں بلکہ) تم وہ (کتاب) مضبوطی سے (عملاً) تھامے رکھو جو ہم نے تمہیں عطا کی ہے اور ان (احکام) کو (خوب) یاد رکھو جو اس میں (مذکور) ہیں تاکہ تم (عذاب سے) بچ جاؤ○‘‘

۴۔ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ○[۴]

’’اور اپنی آیتیں لوگوں کے لئے کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں○‘‘

(۱) المائدة، ۵: ۸۳

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۱: ۲۷۴

(۳) الاعراف، ۷: ۱۷۱

(۴) البقرة، ۲: ۲۲۱

اَحادیثِ نبوی ﷺ میں تلاوتِ قرآن کی فضیلت

تلاوتِ قرآن کی اہمیت وفضیلت اورافادیت کا بیان بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا حضور نبی اکرم ﷺ صاحب قرآن ہیں۔اور تلاوت قرآن آپ ﷺ کے فرائض نبوت کا اہم حصہ تھا۔ جبریل امین ہر رمضان المبارک میں آپ ﷺ کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرماتے تھے۔آقائے کائنات ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن پڑھنے کی ترغیب کے ساتھ اس میں غور وفکر کی تلقین فرماتے۔آپ ﷺ اپنی زبان حق ترجمان سے قرآن کی جو تفسیر بیان فرماتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے۔وہ اسی نبوی تفسیر کی روشنی میں قرآن کا مطالعہ کرتے اور آیات ربانی میں غور وفکر کرتے۔ان کی تلاوت قرآن اور محبت قرآن کا یہ عالم تھا کہ ہزارہا صحابہ کرام حفاظِ قرآن بن گئے۔اس تاریخی پس منظر سے حدیث نبوی ﷺ میں قراءت وتلاوت قرآن کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔فضائل قرآن پر بہت سی احادیث مبارکہ موجود ہیں، ان میں سے چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ تلاوتِ قرآن افضل ترین عبادت ہے

انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، عبادت کی مختلف صورتیں ہیں۔ ہر صورت کا اپنا رنگ اور ذوق ہے۔ ہر ایک کی اپنی فضیلت ہے۔ تلاوتِ قرآن افضل ترین عبادات میں سے ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَفْضَلُ عِبَادَةِ أُمَّتِيْ قِراءةُ الْقُرْآنِ۔ (۱)

’’میری امت کی سب سے افضل عبادت تلاوتِ قرآن ہے۔‘‘

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۳۵۴، رقم: ۲۰۲۲

۲۔ ایک حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں

تلاوتِ قرآن کے اجر وثواب کا یہ عالم ہے کہ ایک ایک حرف کی تلاوت پر دس دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ، وَلَكِنْ أَلِفٌ، حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ۔(۱)

''جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے اس کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے۔ میں نہیں کہتا الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔''

۳۔ تلاوتِ قرآن سے سکینہ کا نزول

تلاوتِ قرآن کی برکت سے سکینہ نازل ہوتی ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے قریب ہی ایک گھوڑا دو رسیوں سے بندھا ہوا تھا، اتنے میں ایک بادل اس پر سایہ فگن ہو گیا، وہ بادل قریب ہوتا گیا اور اس کا گھوڑا بدکنے لگا۔ جب صبح ہوئی وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ سکینہ تھی جو تلاوتِ قرآن کے باعث اتری تھی۔''(۲)

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء فیمن قرأ حَرفًا من القرآن، ۵:۳۳، رقم: ۲۹۱۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ الکہف، ۴:۱۹۱۴، رقم: ۴۷۲۴

←

سکینہ سے مراد اللہ کی عطا کردہ وہ رحمت وطمانیت ہے جو قرآنِ حکیم کی تلاوت کرنے والے کے دل پر نازل ہوتی ہے اور وہ سکون محسوس کرتا ہے۔

۴۔ تلاوتِ قرآن سے فرشتوں کا نزول

فرشتے تلاوتِ قرآن سننے کے لئے زمین پر اترتے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ رات کے وقت سورۃ البقرۃ پڑھ رہے تھے اور نزدیک ہی ان کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں گھوڑا بدکنے لگا۔ وہ خاموش ہو گئے تو وہ بھی رک گیا، وہ دوبارہ پڑھنے لگے تو گھوڑا پھر بدکنے لگا۔ وہ پھر خاموش ہو گئے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ جب تیسری بار پڑھنے پر بھی گھوڑا بدکا تو وہ رک گئے کیونکہ ان کا صاحبزادہ یحییٰ گھوڑے کے قریب (سویا ہوا) تھا اور انہیں ڈر ہوا کہ گھوڑا اپنے سموں سے اسے کچل نہ دے۔ جب وہ لڑکے کو ہٹا چکے تو آسمان کی جانب دیکھا لیکن انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ صبح کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ واقعہ عرض کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابن حضیر! پڑھو۔ اے ابن حضیر! پڑھو۔ وہ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ یحییٰ کو نہ کچل دے جو قریب ہی سویا ہوا تھا۔ لہٰذا میں نے سر اٹھا کر دیکھا اور اس کے پاس جا کر اسے ہٹایا۔ پھر میں نے آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی تو ایک چھتری جیسی چیز دیکھی جس میں چراغ کی مانند کوئی چیز روشن تھی۔ جب میں باہر نکلا تو کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ فرمایا تم جانتے ہو وہ کیا چیز تھی؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ فرشتے تھے۔ اگر تم تلاوت جاری رکھتے تو وہ بھی صبح تک اس طرح رہتے اور لوگ بھی واضح طور پر ان کا مشاہدہ کرتے۔''(۱)

.... ۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب نزول السکینۃ لقراءۃ القرآن، ۱:۵۴۷، رقم: ۷۹۵

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب نزول السَّکِینَۃِ وَالملائکۃِ عِنْدَ قِرَاءَۃِ القرآن، ۴: ۱۹۱۶، رقم: ۴۷۳۰

۵۔ قرآن پڑھنے والے کا جنت میں اِعزاز و اِکرام

روزِ قیامت قرآنِ حکیم کی کثرت سے تلاوت کرنے اور اس کے معانی سمجھنے والوں کو عزت و شرف کے تاج اور لباس سے آراستہ کیا جائے گا اور حکم دیا جائے گا کہ جنت کے بلند درجوں میں چڑھتے چلے جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يُقَالُ يَعْنِي لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُ بِهَا ۔(۱)

’’قرآن پڑھنے والے سے (جنت میں) کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور جنت میں منزل بہ منزل اوپر چڑھتا جا اور یوں ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسے دنیا میں پڑھتا تھا، تیرا ٹھکانہ جنت میں وہاں پر ہوگا جہاں تو آخری آیت کی تلاوت ختم کرے گا۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’روزِ قیامت صاحبِ قرآن (قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والا) آئے گا تو قرآن کہے گا: اے رب! اسے زیور پہنا، تو حاملِ قرآن کو عزت کا تاج پہنایا جائے گا۔ قرآن پھر کہے گا: اے میرے رب! اسے اور بھی پہنا، تو اسے عزت و بزرگی کا لباس پہنایا جائے گا۔ پھر قرآن کہے گا: اے میرے مولا! اب تو اس سے راضی ہو جا (اس کی تمام خطائیں معاف فرمادے) تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا اور اس سے کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے زینے) چڑھتا جا، اور ہر آیت کے بدلے میں اس کی نیکی بڑھتی جائے گی۔‘‘(۲)

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء فیمن قرأ حرفًا من القرآن ماله من الأجر، ۵: ۳۶، رقم: ۲۹۱۴

(۲) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، أبواب فضائل القرآن عن رسول الله ﷺ، ⟵

حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’جس نے قرآن پاک پڑھا اور اس پر عمل بھی کیا اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی اس دنیا میں لوگوں کے گھروں میں چمکنے والے سورج کی روشنی سے زیادہ تابناک اور حسین ہو گی۔ تو اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس نے خود اس پر عمل کیا؟ (یعنی اس کے ماں باپ کو تو تاج پہنایا جائے گا اور اس کا اپنا مقام کیا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے)۔‘‘(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’جنت کے درجات قرآن کی آیات کی تعداد کے برابر ہیں۔ پس جنت میں داخل ہونے والوں میں سے کوئی ایک بھی درجہ میں قرآن پڑھنے والے سے اوپر والے درجہ میں نہیں ہوگا۔‘‘(۲)

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ محبّ قرآن کو جنت میں انبیاء کے درجہ میں ان کی سنگت نصیب ہوگی۔

.... باب ما جاء فیمن قرأ حرفًا من القرآن ماله من الأجر، ۵:۳۶، رقم: ۲۹۵

۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۷۳۸، رقم: ۲۰۲۹

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الصلاة، باب: في ثواب قرأة القرآن، ۱: ۵۴۰، رقم: ۱۴۵۳

۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۷۵۶، رقم: ۲۰۸۵

(۲) ۱۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۲: ۱۴۰، رقم: ۲۹۹۵۲

۲۔ بیہقي، شعب الإیمان، ۲: ۳۴۷، رقم: ۱۹۹۸

۶۔ روزِ محشر قرآن حکیم کا شفاعت کرنا

روزِ قیامت تلاوتِ قرآن کا اہتمام کرنے والوں اور اس کے معانی سمجھنے والوں کی شفاعت قرآن حکیم خود فرمائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے دن صیامِ رمضان اور قرآن دونوں بندہ کے لیے شفاعت کریں گے۔ صیامِ رمضان کہیں گے: اے میرے رب! ہم نے اس شخص کو دن کے وقت کھانے (پینے) اور (دوسری) نفسانی خواہشات سے روکے رکھا پس تو اس شخص کے متعلق ہماری شفاعت قبول فرما۔ اور قرآن فرمائے گا: اے میرے رب! میں نے اس شخص کو رات کے وقت جگائے رکھا پس اس کے متعلق میری شفاعت کو قبول فرما۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پس ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔‘‘(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ نِعْمَ الشَّفِيعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۲)

’’(اے لوگو!) قرآن پڑھو۔ بیشک قرآن قیامت کے روز نہایت ہی اچھا شفاعت کرنے والا ہے۔‘‘

۷۔ قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کا دستر خوان ہے

بلاتشبیہ و مثال جس طرح اس دنیا میں کسی دولت مند شخص کا دسترخوان انواع و اقسام کی اعلیٰ ترین اشیاء کا ضامن ہوتا ہے، اسی طرح قرآن حکیم جو بلاشبہ اس مالک حقیقی

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۴، رقم: ۶۶۲۶

۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۷۴۰، رقم: ۲۰۳۶

(۲) ۱۔ دارمي، السنن، ۲: ۵۰۹، رقم: ۳۳۱۴

۲۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۲: ۲۵۷، رقم: ۱۳۱۰

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دسترخوان ہے اورعلم و فہم ، تفکر وتذکر، تصفیہ و تزکیہ، تقویٰ وطہارت، اخلاص و للّٰہیت کے علاوہ بھی نجانے کتنے ہی نوالہ ہائے روح پرور اپنے باطن میں سمیٹے ہوئے ہے اور جن کا کلی و حقیقی اظہار یوم آخر کے اجر افزا لمحات میں ہی ہوگا۔ پس جو اس دسترخوان میں شامل ہوگیا وہ امن پا گیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ هَذَا الْقُرآنَ مَأْدُبَةُ اللهِ، فَمَنْ دَخَلَ فِيْهِ فَهُوَ آمِنٌ۔(۱)

’’بیشک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دسترخوان ہے پس جو اس دسترخوان میں شامل ہوگیا اسے امن نصیب ہوگیا۔‘‘

حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’بیشک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دسترخوان (عطیہ ونعمت) ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اس کی دعوت قبول کرو۔ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی رسی، چمکتا دمکتا نور اور (ہر روگ و پریشانی کا) نفع بخش علاج ہے جو اس پر عمل کرے اس کے لئے باعثِ حفاظت اور جو اس کی پیروی کرے اس کے لئے باعثِ نجات ہے۔ یہ جھکتا نہیں کہ اس کو کھڑا کرنا پڑے۔ ٹیڑھا نہیں ہوتا کہ سیدھا کرنا پڑے۔ اس کے عجائب (رموز و اسرار، نکات وحکم) کبھی ختم نہ ہوں گے اور بار بار کثرت سے پڑھتے رہنے سے بھی سیر نہیں ہوتا (یعنی اس سے دل نہیں بھرتا) اس کی تلاوت کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت پر تمہیں ہر حرف کے عوض دس نیکیوں کا اجر عطا فرماتا ہے۔ یاد رکھو! میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (گویا صرف الٓمٓ پڑھنے سے ہی تیس نیکیاں مل جاتی ہیں)۔‘‘(۲)

---

(۱) ۱۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۱۱، رقم: ۳۳۲۵

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۹: ۱۳۹، رقم: ۸۶۴۲

(۲) ۱۔ حاكم، المستدرك، ۱: ۷۴۱، رقم: ۲۰۴۰

←

۸۔ قرآن حکیم پڑھنے والے کو بن مانگے عطا کیا جانا

شب و روز قرآن سیکھنے اور سیکھانے میں مشغول رہنے والوں کو اللہ رب العزت بن مانگے عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’اللہ رب العزت فرماتا ہے جس شخص کو قرآن اور میرا ذکر اتنا مشغول کر دے کہ وہ مجھ سے کچھ مانگ بھی نہ سکے تو میں اسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ عطا فرما دیتا ہوں اور تمام کلاموں پر اللہ تعالیٰ کے کلام (قرآن حکیم) کی فضیلت اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر (فضیلت ہے)۔‘‘[۱]

۹۔ قرآن پڑھنے والوں کا فرماں بردار بندوں میں شمار

تلاوت قرآن وہ نیک عمل ہے کہ جس پر بندے کا شمار اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں میں ہونے لگتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’جو شخص ان (پانچ وقت کی) فرض نمازوں کی حفاظت کرے وہ غافلین میں نہیں لکھا جائے گا اور جس نے رات کو ایک سو آیات تلاوت کی وہ (اللہ تعالیٰ کے) فرمانبردار بندوں میں لکھا جائے گا۔‘‘[۲]

.... ۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۵۳۰، رقم: ۳۳۱۸

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، أبواب فضائل القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء کیف کانت قراءۃ النبيّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۵: ۴۵، رقم: ۲۹۲۶

۲۔ دارمی، السنن، ۲: ۳۱۷، رقم: ۳۳۵۹

(۲) ۱۔ ابن خزیمۃ، الصحیح، ۲: ۱۸۰، رقم: ۱۱۴۲

۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۴۵۲، رقم: ۱۱۶۰

۱۰۔ تلاوتِ قرآن سینے کا نور اور آخرت میں نیکیوں کا ذخیرہ

تلاوت قرآن سے انسان کا سینہ نور سے معمور ہو جاتا ہے اور وہ اپنی اخروی فلاح کے لئے نیکیوں کا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ یہی سارے معاملے کی اصل ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کچھ مزید وصیت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ، وَذِكْرِ اللهِ، فَإِنَّهُ نُورٌ لَكَ فِي الْأَرْضِ، وَذُخْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ ۔(۱)

(اے ابوذر!) تلاوتِ قرآن ضرور کیا کرو کہ یہ زمین میں تمہارے لئے نور اور آسمانوں میں تمہارے لئے (نیکیوں کا) ذخیرہ ہوگا۔''

۱۱۔ تلاوتِ قرآن سے مکان و مکین پر خیر و برکت کا نزول

جس گھر میں تلاوت قرآنِ حکیم کی جائے وہ گھر امتیازی شان کا حامل ٹھہرتا ہے۔اس میں ہر قسم کی خیر وبرکت کا نزول ہونے لگتا ہے۔اس میں وسعت اور کشائش آجاتی ہے۔حضرت حفص بن عنان الحنفی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''بے شک گھر میں قرآن کے پڑھے جانے سے وہ گھر اپنے مکین کے لئے کشادہ ہوجاتا ہے اوراس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور شیاطین اس کو چھوڑ جاتے ہیں اور اس کے لئے خیر (کا ذخیرہ) بہت زیادہ ہو جاتا ہے، اور بیشک وہ گھر جس میں قرآن نہیں پڑھا جاتا وہ اپنے مکین کے لیے تنگ ہو جاتا ہے، فرشتے اس کو چھوڑ

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۷۸، رقم: ۳۶۱

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲: ۱۵۷، رقم: ۱۶۵۱

جاتے ہیں اور اس میں شیاطین حاضر ہوتے ہیں اور اس گھر میں خیر (و برکت) کم ہو جاتی ہے۔‘‘(۱)

۱۲۔ تلاوتِ قرآن قیامت کی سختیوں سے نجات کا وسیلہ ہے

قرآن حکیم کی تلاوت کرنے والے بندے قیامت کے دن کی سختیوں سے محفوظ و مامون رہیں گے۔ حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: ’’ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: تین اشخاص ہیں جنہیں (قیامت کی) بڑی گھبراہٹ بھی خوف زدہ نہ کر سکے گی اور نہ انہیں حساب و کتاب میں دشواری ہوگی وہ مخلوق کے حساب و کتاب سے فارغ ہونے تک مُشک (خوشبو) کے ٹیلوں پر آرام کرتے رہیں گے۔ پہلا وہ شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قرآن پڑھا اور کسی قوم کی امامت کی جبکہ مقتدی لوگ اس سے خوش ہوں۔ دوسرا وہ جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر لوگوں کو پانچ وقت کی نمازوں کی دعوت دیتا ہو اور تیسرا وہ غلام ہے جو اپنے پروردگار کے معاملات بھی درست رکھے (عبادت کرتا رہے) اور اپنے آقا کے کام بھی خوش اسلوبی سے انجام دے۔‘‘(۲)

تلاوتِ قرآن اور سلف صالحین کے اقوال و معمولات

۱۔ حضرت قاضی فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ’’قرآن حکیم کے حافظ اور عالم کو چاہئے کہ وہ کسی کے سامنے حاجت پیش نہ کرے، نہ حکمرانوں کے سامنے اور نہ ان سے کم درجے کے لوگوں کے سامنے، بلکہ لوگوں کو اس کا حاجت مند ہونا چاہئے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن حکیم کا حافظ و عامل (اور عالم) اسلام کا جھنڈا اٹھانے والا ہے لہٰذا اسے لہو و لعب میں مشغول

(۱) دارمي، السنن، ۲: ۳۰۸، رقم: ۳۳۱۲

(۲) بیهقي، شعب الإیمان، ۲: ۳۴۸، رقم: ۲۰۰۲

ہونے والے کے ساتھ مشغول نہیں ہونا چاہئے، نہ وہ بھولنے والوں کے ساتھ اور نہ فضول کام والوں کے ساتھ شامل ہو۔ یعنی قرآنِ حکیم کی تعظیم کا حق ادا کرتے ہوئے اسے ان لوگوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔"(١)

٢۔ حضرت سلیمان دارانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "اگر میں ایک آیت پڑھوں اور چار رات اس میں رہوں، پانچ رات ذکر کرتا رہوں اور جب تک میں فکر کو منقطع نہ کروں اس سے آگے نہ بڑھ سکوں۔"(٢)

ایک اور مقام پر حضرت ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"قرآن حکیم کے وہ حامل جو قرآن حکیم پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ دوزخ کے فرشتے بت پرستوں کی نسبت ان کو جلدی پکڑیں گے۔"(٣)

٣۔ حضرت ثابت بنانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: "میں نے بیس برس تک قرآن میں مشقت اٹھائی اور بیس برس تک اس کی حلاوت پائی۔"(٤)

دوسرے مقام پر آپ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے قرآن حکیم پڑھ رہا ہوں۔ جب میں فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تلاوت تھی اور گریہ کہاں ہے؟"(٥)

---

(١) غزالی، إحياء علوم الدّين، ١: ٦٨٢

(٢) أبو طالب، قوت القلوب، ١: ١٠٥

(٣) غزالی، إحياء علوم الدين، ١: ٢٧٤

(٤) أبوطالب مکی، قوت القلوب، ١٠٥

(٥) أبو طالب مکی، قوت القلوب، ١: ١٠٠

۴۔ حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ سے کسی نے پوچھا کہ دو آدمیوں نے قیام کیا، دونوں کے قیام کی مدت ایک جیسی ہے۔ ایک نے اس مدت میں صرف سورۃ البقرۃ پڑھی اور دوسرے نے سارا قرآن حکیم ختم کردیا۔ تو دونوں کے ثواب کا فرق کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''دونوں کا ثواب برابر ہے اس لئے کہ دونوں کی مدتِ تلاوت ایک ہی ہے۔''(۱)

۵۔ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جب انسان قرآن حکیم پڑھتا ہے تو فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے بوسہ دیتا ہے۔''(۲)

۶۔ بعض بزرگوں نے فرمایا: ''کوئی بندہ ایک سورت (پڑھنا) شروع کرتا ہے تو فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعا مانگتے ہیں یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے اور کوئی بندہ سورت شروع کرتا ہے تو اس کے فارغ ہونے تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ یہ کیسے؟ فرمایا: جب وہ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے تو فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعا مانگتے ہیں ورنہ (معاملہ اس کے برعکس ہو تو) اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔''(۳)

۷۔ ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ چھ ماہ تک سورۃ ہود کی بار بار تلاوت کرتے رہے اور اس میں غور وفکر سے فارغ نہ ہوئے۔(۴)

۸۔ حضرت محمد بن کعب قرظی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جس تک قرآن حکیم پہنچ گیا گویا اس سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا جب کوئی شخص اس بات پر قادر ہو جائے تو اسے چاہیے قرآن حکیم پڑھنے ہی کو اپنا عمل قرار نہ دے بلکہ اس طرح پڑھے

---

(۱) أبو طالب، قوت القلوب، ۱: ۹۷

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۲۷۴

(۳) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۲۷۵

(۴) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۲۸۲

جس طرح کوئی غلام اپنے مالک کے خط کو پڑھتا ہے تا کہ جو اس نے اس کو لکھا ہے وہ اس میں غور وفکر کر کے اس کے مطابق عمل کرے۔''(۱)

۹۔ حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے: ''اے اہل قرآن! قرآن حکیم نے تمہارے دلوں (کی کھیتی) میں کیا بویا ہے بیشک قرآن حکیم مومن کے حق میں بہار ہے جیسے بارش زمین کے لئے بہار ہے۔''(۲)

۱۰۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! کوئی بندہ جو تلاوت کلام کے ساتھ صبح نہیں کرتا کہ اس کا غم زیادہ اور خوشی کم ہو جاتی ہے۔ اس کا رونا زیادہ اور ہنسنا کم ہوتا ہے۔اس کی تھکاوٹ اور مشغولیت زیادہ اور راحت اور فراغت کم ہو جاتی ہے۔''(۳)

۱۱۔ حضرت یوسف بن اسباط علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ''میں قرآن حکیم پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن جب اس کے مضامین کو پڑھتا ہوں تو عذاب سے ڈر کر تسبیح و استغفار میں مشغول ہو جاتا ہوں۔''(۴)

۱۲۔ ایک مرتبہ امام جعفر رضی اللہ عنہ پر نماز میں ایسی حالت طارق ہوئی کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب افاقہ ہوا تو حاضرین نے اس سلسلے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ''میں ایک آیت کو بار بار اپنے دل پر پڑھتا رہا حتی کہ میں نے اسے متکلم (اللہ تعالیٰ) سے سنا تو میرا جسم اس کی قدرت کا معائنہ کرنے کا متحمل نہ ہو سکا۔''(۵)

---

(۱) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۲۸۵

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۲۸۵

(۳) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۲۸۵

(۴) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۲۸۶

(۵) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۲۸۷

ہر آیت کو سمجھ سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ اس لئے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی صفات، اس کے افعال، انبیاء علیہم السلام کے واقعات و قصص، ان کی تکذیب کرنے والوں کی مذمت اور ان کی ہلاکت و تباہی اور جنت و دوزخ کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس طرح سمجھ کر پڑھنے سے ایمان و عمل میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

تلاوتِ قرآن سے اِیصالِ ثواب

امام سیوطی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''شرح الصدور'' میں تلاوتِ قرآن سے ایصال ثواب کے متعلق بعض اقوال نقل کرتے ہیں:

۱۔ خلال علیہ الرحمۃ نے جامع میں شعبی سے روایت کیا کہ جب انصار کا کوئی مر جاتا تو وہ اس کی قبر پر آتے جاتے اور قرآن پڑھتے۔

۲۔ ابو محمد سمرقندی علیہ الرحمۃ نے سورہ اخلاص کے فضائل کے باب میں ذکر کیا کہ جس نے قبرستان سے گزرتے ہوئے گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی اور اس کا ثواب مُردوں کو بخش دیا تو مردوں کی تعداد کے مطابق اسے اجر ملے گا۔

۳۔ قاضی ابوبکر بن عبدالباقی انصاری علیہ الرحمۃ نے سلمہ بن عبید سے روایت کیا: انہوں نے کہا کہ حماد مکی علیہ الرحمۃ نے بتایا کہ ایک رات میں مکہ کے قبرستان کی طرف چلا گیا اور ایک قبر پر سر رکھ کر سوگیا، تو دیکھا کہ قبروں والے حلقہ در حلقہ کھڑے ہیں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا قیامت قائم ہوگئی؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، لیکن ہمارے ایک بھائی نے سورۂ اخلاص پڑھ کر ہم کو ثواب پہنچایا تو وہ ثواب ہم ایک سال سے تقسیم کر رہے ہیں۔(۱)

۴۔ ابو الحسن بن براء علیہ الرحمۃ نے روایت کیا: ابراہیم گورکن نے مجھے اطلاع دی کہ مجھے قبر کھودتے وقت ایک اینٹ ملی جب میں نے اسے سونگھا تو اس میں مشک

(۱) سیوطی، شرح الصدور: ۳۰۳، ۳۰۴

کی خوشبو آ رہی تھی۔ جب میں نے قبر کے اندر دیکھا تو ایک بوڑھا بیٹھا، قرآن پڑھ رہا تھا۔

۵۔ ابن رجب علیه الرحمة نے اپنی سند سے بیان کیا: ابو الحسن سامری جو ایک متقی آدمی تھے اور سامرہ کے خطیب تھے۔ انہوں نے سامرہ کے قبرستان میں ایک قبر دکھاتے ہوئے کہا کہ ہم یہاں سے مسلسل سوره تبارك اور الملك پڑھنے کی آواز سن رہے ہیں۔

۶۔ حافظ ابوبکر خطیب علیه الرحمة نے اپنی سند سے روایت کیا کہ عیسیٰ بن محمد علیه الرحمة نے کہا: میں نے ایک روز ابوبکر بن مجاہد علیه الرحمة کو خواب میں دیکھا کہ وہ پڑھ رہے ہیں، میں نے کہا کہ آپ تو مردہ ہیں، کیسے پڑھ رہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ میں ہر نماز کے بعد اور ختم قرآن کے بعد دعا کرتا تھا کہ الٰہی! تو مجھے قبر میں تلاوت قرآن کی توفیق عطا فرمانا، اس لئے یہ پڑھتا ہوں۔

۷۔ خلال علیه الرحمة نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ مومن کو قبر میں ایک مصحف دیا جاتا ہے جسے وہ پڑھتا ہے۔

۸۔ حافظ ابوالعلاء ہمدانی علیه الرحمة کو ان کی وفات کے بعد کسی نے ایک ایسے شہر میں دیکھا کہ جس کے در و دیوار سب کتابوں کے بنے ہوئے ہیں۔ ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو وہ کہنے لگے میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ جس طرح میں دنیا میں علم میں مصروف ہوں اسی طرح آخرت میں بھی مصروف رکھنا۔ تو اب یہ مصروفیت یہاں بھی مجھ کو مل گئی ہے۔[۱]

۹۔ ابن ابی الدنیا علیه الرحمة نے یزید رقاشی علیه الرحمة سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ جب مومن انتقال کرجاتا ہے اور قرآن کا کچھ حصہ پڑھنے سے باقی رہ جاتا

(۱) سیوطی، شرح الصدور: ۱۸۹

ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر فرشتے مقرر فرمادیتا ہے کہ وہ قیامت تک قرآن یاد کرائیں تاکہ وہ قیامت کے دن مع اپنے اہل وعیال کے اٹھے۔

۱۰۔ ابن مندہ علیہ الرحمۃ نے عاصم سقطی علیہ الرحمۃ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بلخ میں ایک قبر کھودی تو اس میں ایک سوراخ تھا، اس میں سے جب دیکھا تو ایک شیخ جو سبزہ سے ڈھکا ہوا تھا تلاوتِ قرآن میں مصروف تھا۔

۱۲۔ ابن مندہ علیہ الرحمۃ نے ابو النضر علیہ الرحمۃ نیشاپوری سے روایت کیا یہ جو ایک متقی گورکن تھے میں نے ایک قبر کھودی، لیکن اس میں دوسری قبر کی طرف راستہ نکل آیا تو میں نے دیکھا کہ حسین وجمیل عمدہ کپڑے اور بہترین خوشبو والا جوان اس میں پالتی مارے بیٹھا ہے اور قرآن پڑھ رہا ہے۔ نوجوان نے میری طرف دیکھ کر کہا ''کیا قیامت برپا ہوگئی؟ میں نے کہا کہ نہیں، تو اس نے کہا کہ جہاں سے مٹی ہٹائی تھی وہیں رکھ دو۔ تو میں نے مٹی وہیں رکھ دی۔[1]

تلاوتِ قرآن سے غیبی مشاہدات کا ظہور

سلفِ صالحین دورانِ تلاوت مشاہداتِ غیبی سے فیض یاب ہوتے تھے۔ ایک سورت کی تلاوت شروع کرتے تو انہیں بعض ایسے مشاہدات ہوتے کہ ان میں کھو کر رہ جاتے اور اسی حالت میں صبح ہو جاتی لیکن پھر بھی سیر نہ ہو پاتے۔

شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ اپنی تصنیف ''قوت القلوب'' میں لکھتے ہیں: بندے کو چاہئے کہ وہ دورانِ تلاوتِ قرآن یہ مشاہدہ کرے کہ وہ کلام الٰہی کی تلاوت کے ذریعے اللہ ﷻ سے مخاطب ہے کیونکہ اللہ رب العزت اپنے کلام کا متکلم ہے اور اس کے کلام میں بندے کو کلام کا حق حاصل نہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ الرحمۃ کے سامنے درخت تھا مگر کلام کرنے والا اللہ عزوجل تھا۔ حضرت جعفر بن محمد صادق علیہ الرحمۃ کا قول نقل کرتے ہوئے شیخ

(۱) سیوطی، شرح الصدور: ۱۹۱

ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ایک بار حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہوگئی اور گر گئے، جب ہوش آیا تو اس کا سبب پوچھنے پر فرمایا: میں اپنے دل میں ایک آیت بار بار پڑھتا رہا، آخر میں نے اللہ رب العزت سے یہی آیت سنی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھ کر میں اپنے جسم پر قابو نہ رکھ سکا۔(1)

حضرت سلیمان بن ابی سلیمان دارانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''ابن ثوبان کے بھائی نے ان کے ہاں کھانا کھانے کا وعدہ کیا مگر انہوں نے دیر کر دی، دوسرے روز ان کے بھائی ملے تو ان سے پوچھا: آپ نے میرے پاس کھانا کھانے کا وعدہ کیا تھا مگر آپ نے وعدہ پورا نہیں کیا انہوں نے فرمایا واقعہ یہ ہوا کہ میں نے آپ کے پاس آنے سے پہلے ہی نماز عشاء پڑھنے کا ارادہ کر لیا کہ کیا خبر کب موت آ جائے۔ جب میں وتر کی دعا کرنے لگا تو میرے سامنے ایک سبز باغ آ گیا۔ اس میں طرح طرح کے پھول پھلواریاں تھیں میں انہیں دیکھتا رہا آخر صبح ہوگئی۔''(2)

ایسے بندوں کے ایمان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْكَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْاِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ـ(3)

''آپ اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کبھی اس شخص سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے جو اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے

(1) أبوطالب مكی، قوت القلوب، 1: 100
(2) أبو طالب مكی، قوت القلوب، 1: 98
(3) المجادلة، 58: 22

دشمنی رکھتا ہے خواہ وہ اُن کے باپ (اور داد) ہوں یا بیٹے (اور پوتے) ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے قریبی رشتہ دار ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اُس (اللہ) نے ایمان ثبت فرما دیا ہے اور انہیں اپنی روح (یعنی فیضِ خاص) سے تقویت بخشی ہے۔‘‘

بعض سلف کی عادت تھی کہ جب تلاوت کرتے اور دل حاضر نہ ہوتا تو اس حصہ کو دوبارہ پڑھتے اور جب تسبیح کا ذکر پڑھتے یا تکبیر کا ذکر پڑھتے تو سبحان اللہ اوراللہ اکبر کہتے اور اگر دعا اور استغفار کا ذکر پڑھتے تو دعا اور استغفار کرتے اور اگر کسی خوفناک یا امید کا ذکر پڑھتے تو خوف سے پناہ مانگتے اورنعمت کا سوال کرتے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے:

يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (۱)

’’وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہوئے تلاوت کرتے ہیں۔‘‘(۲)

مشاہدات میں رکاوٹ کے اَسباب

جس بندے میں درج ذیل خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت بھی نہ پائی جائے اسے قرآن کا وہ فہم نصیب نہیں ہوسکتا جس کے ذریعے مشاہدہ کی دولت حاصل ہو جائے اورملکوت کا کشف حاصل ہو سکے۔

۱۔ معمولی سی بدعت کا مرتکب ہو۔

۲۔ گناہ پر اصرار کرنے والا ہو۔

۳۔ متکبر ہو۔

---

(۱) البقرہ، ۲: ۱۲۱

(۲) أبو طالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۹۹

۴۔ دنیا سے محبت کرنے والا ہو۔

۵۔ جس کا علم ذاتی علم تک محدود ہو۔

یعنی ایسا بندہ جو ظاہر حروف کا اتباع کرے اور مفسر کے قول کو نہ دیکھے بلکہ اپنے علم ظاہری پر ہی اکتفا کرے۔

٦۔ جو اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے والا ہو۔(۱)

تلاوتِ قرآن کے آداب

حضور نبی اکرم ﷺ نے ادب و احترام اور اخلاص و محبت کے ساتھ شب و روز قرآن کی تلاوت کا حکم فرمایا ہے۔ تلاوتِ قرآن سے قبل اس کے آداب کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ تلاوت کے آداب درج ذیل ہیں:

۱۔ طہارت و پاکیزگی

قرآنِ حکیم کو چھونے سے قبل باوضو ہونا ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ○(۲)

’’اس کو پاک (طہارت والے) لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوئے گا○‘‘

جس طرح قرآن حکیم کی ظاہری جلد اور اوراق کو انسانی جسم کے ظاہر سے حالت طہارت کے علاوہ عدم طہارت سے محفوظ رکھا گیا ہے اس طرح اس کے معانی کا باطن بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے پردے میں رکھا گیا ہے۔ البتہ وہی دل اس تک پہنچ سکتا ہے جو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک اور تعظیم و توقیر کے نور سے منور ہو۔

---

(۱) أبوطالب مکی، قوت القلوب، ۱:۹٦

(۲) الواقعه، ٥٦: ٧٩

۲۔ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنا

قرآن حکیم کا ایک ادب یہ ہے کہ اسے محبت و اخلاص، ذوق و شوق اور گریہ و زاری سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔ اس سے مطالبِ قرآن تک رسائی کے علاوہ اجر وثواب میں بھی اضافہ ہوگا۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًاo[1]

''اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریںo''

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھ سے دو آدمیوں کے متعلق پوچھا گیا کہ ان میں سے کون افضل ہے، ان میں سے ایک شخص نے ایک رکعت میں سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھی اور دوسرے نے ایک رکعت میں صرف سورۃ بقرہ پڑھی، جبکہ ان کی بقیہ نماز یعنی انکا قیام، رکوع اور سجود سب برابر تھے؟ انہوں نے فرمایا: وہ شخص افضل ہے جس نے صرف سورۃ بقرہ پڑھی کیونکہ اس نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا۔[2]

حضرت ابوحمزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے عرض کیا:

''میں قرآن حکیم (اتنی) تیزی سے پڑھتا ہوں کہ تین راتوں میں قرآنِ حکیم ختم کرلیتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: اگر میں سورہ بقرہ ایک رات میں پڑھوں اور اس میں غور وفکر کروں اور ترتیل سے اس کی تلاوت کروں تو اس طرح کا پڑھنا میرے نزدیک تمہارے پڑھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''[3]

(۱) المزمل، ۷۳: ۴

(۲) ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۱۴۱، رقم: ۳۰۱۵۹

(۳) بيهقي، السنن الكبرى، ۲: ۳۹۶، رقم: ۳۸۶۶

۳۔ خوش آوازی سے قرآن پڑھنا

خوش آوازی اور سنوار کر پڑھنا آداب تلاوت میں سے ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ۔(۱)

''قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔''

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِللّٰهُ أَشَدُّ أَذَنًا إِلَى الرَّجُلِ الْحَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ مِنْ صَاحِبِ الْقَيْنَةِ إِلَى قَيْنَتِهِ(۲)

''اللہ تعالیٰ اس بندے کی آواز کو جو خوبصورت آواز میں قرآن پڑھتا ہے، اس مالک سے بھی زیادہ محبت سے سنتا ہے جو اپنی خوبصورت آواز والی کنیز (کے گانے) کی آواز سنتا ہو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اگر تم مجھے کل رات دیکھتے جب میں تمہارا قرآن پڑھنا سن رہا تھا (تو بہت

---

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب في حسن الصوت بالقرآن، ۲: ۴۲۸، رقم: ۱۳۴۲

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الصلاة، باب استحباب الترتيل في القراءة، ۱: ۵۴۶، رقم: ۱۴۶۸

(۲) ابن ماجة، السنن، كتاب إقامة الصّلاة والسنّة فيها، باب في حسن الصّوت بالقرآن، ۲: ۴۲۷، رقم: ۱۳۴۰

خوش ہوتے) بیشک تمہیں آلِ داؤد کی خوش الحانی سے حصہ ملا ہے۔‘‘(۱)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم جو آدمی بھی قرآن پر ایمان رکھتا ہے جب وہ صبحِ دم اس کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا غم بڑھ جاتا ہے اور فرحت کم ہو جاتی ہے زیادہ روتا ہے اور کم ہنستا ہے اس کی مشقت اور مصروفیت بڑھ جاتی ہے اور اس کا آرام اور بے کاری کم ہو جاتی ہے۔(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ۔(۳)

’’وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن حکیم کو نغمگی والی خوبصورت (مترنم) آواز کے ساتھ نہیں پڑھتا۔‘‘

حضرت عبداللہ بن ابی یزید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ’’میں نے ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابو محمد رضی اللہ عنہ! تمہاری کیا رائے ہے، اگر کسی کی آواز اچھی نہ ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ’’وہ جہاں تک ممکن ہو خوبصورت آواز میں پڑھنے کی کوشش کرے۔‘‘(۴)

عبد الرزاق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

لِكُلِّ شَيْءٍ حِلْيَةٌ وَحِلْيَةُ الْقُرْآنِ الصَّوْتُ الْحَسَنُ۔(۵)

---

(۱) دارمی، السنن، ۲: ۵۶۴، رقم: ۳۴۹۵

(۲) أبو طالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۱۰۰

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب التّوحید، باب قول اللہ تعالیٰ وأسرّوا قولکم أو اجهروا به، ۶: ۲۷۳۷، رقم: ۷۰۸۹

(۴) أبوداود، السنن، کتاب الصلاة، باب استحباب الترتیل في القراء ة، ۱:۵۴۶، رقم: ۱۴۷۱

(۵) عبد الرزاق، المصنف، ۲: ۴۸۴، رقم: ۴۱۷۳

''ہر چیز کا ایک زیور ہوتا ہے اور قرآن کا زیور اچھی آواز ہے۔''

جس طرح آرائش و زیبائش اور زیورات سے عورتوں کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خوش آوازی بھی قرأت کا حسن بڑھا دیتی ہے۔ اس روایت میں بھی خوش آوازی سے قرآن پڑھنے کی فضیلت اور ترغیب ثابت ہوتی ہے۔ بعض روایات میں مقاماتِ عذاب پر غم وحزن کے ساتھ قرآن پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

۴۔ قرآن کی تعظیم و توقیر کرنا

تلاوت کے وقت قرآنِ حکیم کی عظمت و رفعت کا خیال اپنے اوپر حاوی کر لینا اور اس بات کا یقین رکھنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا عظیم فضل و کرم ہے کہ اس نے عرش معلّٰے سے مخلوق کے دلوں میں اپنے کلام کا جلوہ نازل فرما دیا ہے اور اس پر نظر و فکر کرنا کہ اللہ رب العزت کا کس قدر احسان ہے کہ اس نے اپنے اس کلام کے معانی کو اپنی مخلوق کے دماغوں میں جگہ دی۔ شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ اپنی تصنیف ''قوت القلوب'' میں ایک قول نقل کرتے ہیں کہ ایک بزرگ سے پوچھا گیا جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو کیا آپ کے دل میں کسی چیز کا خیال آتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: میرے لئے قرآن سے بھی زیادہ محبوب چیز کیا ہو سکتی ہے جس کا میرے دل میں خیال آئے جبکہ قرآن ایک قوی اور متمکن ہونے والی صفت ہے۔''(۱)

سلفِ صالحین میں سے بعض کی عادت تھی کہ جب تلاوت کرتے اور دل حاضر نہ ہوتا تو اس حصہ کو دوبارہ پڑھتے اور جب تسبیح کا ذکر پڑھتے یا تکبیر کا ذکر پڑھتے تو سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہتے اور اگر دعا اور استغفار کا ذکر پڑھتے تو دعا کرتے اور استغفار کرتے اور اگر کسی خوف اور امید والی چیز کا ذکر پڑھتے تو خوف سے پناہ مانگتے اور نعمت کا سوال کرتے یہاں تک کہ وہ تلاوت کا حق ادا کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) أبو طالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۹۸

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ [۱]

’’(ایسے لوگ بھی ہیں) جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسے پڑھنے کا حق ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں روایات میں ہے کہ وہ اس کی کما حقہ شان کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے۔

۵۔ دورانِ تلاوت گریہ و زاری اور رِقتِ قلب

تلاوت قرآن کا ایک اہم ادب یہ ہے کہ پڑھنے والے کے دل پر رقت طاری ہو اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ دوران تلاوت اہل گریہ پر مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ خوف سے روتے ہیں اور کچھ خوشی و مسرت کے جذبات سے مغلوب ہو کر آنسو بہاتے ہیں۔ گریہ کی کل تین اقسام ہیں:

۱۔ گریۂ خوف ۲۔ گریۂ شوق ۳۔ گریہ سرور

مریدوں کا گریہ شوق اور خوف پر مبنی ہے۔ اولیاء اللہ کا گریہ اللہ کی نعمتوں اور احسانات پر مبنی ہے۔ عارفِ کامل کا مشاہدہ حق پر مبنی ہے اور اہلِ حقیقت کا گریہ کشف و مشاہدہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا خاص مقام ہے۔ یہ اہل گریہ کے روحانی تصورات و کیفیات ہیں۔ گریہ زاری کی تمام اقسام میں سب سے اعلی درجہ گریۂ سرور کا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص طویل سفر کے بعد اپنے اہل و عیال کے پاس آئے اور بے انتہا خوشی سے اپنے اہل و عیال کو دیکھ کر خوشی کے آنسو بہانے لگے۔ گریہ و زاری کا ایک اور درجہ بھی ہے جو نادر البیان ہے کیونکہ اسے آسانی سے نہیں سمجھا جاسکتا اسے صرف وہی شخص معلوم کرسکتا ہے جو اس مقام تک پہنچ جائے یا اس پر بہت غور و فکر کرے یہ گریۂ وجدان ہے جو گریۂ سرور سے مختلف ہے اور حق الیقین کے بعض مقامات پر نمودار ہوتا ہے۔

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۲۱

دنیا میں حق الیقین کے چند مقامات ایسے ہیں جہاں گریۂ وجدان پایا جاتا ہے کیونکہ حادث اور قدیم کے اختلاف و تصادم کی وجہ سے حادث کی طرف سے خدائے رحمان کے سطوت و عظمت اور رعب و جلال سے آنسوؤں کا بہاؤ ہوتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مختلف اجرام کے تصادم سے بادلوں سے پانی قطرات کی صورت ٹپکنے لگے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اپنی ہستی کو فنا کرکے مکروہاتِ دنیا سے آزاد ہو کر انوار و تجلیات میں مستغرق ہو جاتا ہے پھر ترقی کرکے مقام بقاء پر پہنچ جاتا ہے اس مقام پر اگر اس کی ہستی لوٹ آئے تو اس کے ساتھ گریہ و زاری کی اقسام بھی لوٹ آتی ہیں یعنی جیسی صورت حال ہو ویسی ہی خوف و شوق کی کیفیت بھی ہوتی ہے۔ گریہ و زاری کے سلسلے میں رسول کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب قرآن کریم کی تلاوت سنتے تو آپ ﷺ کی چشمان مقدسہ اشک بار ہو جاتیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا:

''مجھے قرآن مجید پڑھ کر سناؤ۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: میں آپ کو کیا پڑھ کر سناؤں حالانکہ آپ پر قرآن نازل ہوا ہے۔ فرمایا: میری یہ خواہش ہے کہ میں اسے دوسروں سے سنوں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نے سورہ نساء کی تلاوت کی یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ (1) ''پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب ﷺ!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔'' تو مجھ سے فرمایا: رک جاؤ، جب میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ کی چشمانِ مقدسہ سے آنسو رواں تھے۔''(2)

(۱) النساء، ۴: ۴۱

(۲) ا۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب البکاء عند قراءۃ القرآن، ۴: ۱۹۲۷، رقم: ۴۷۶۸

←

حضرت مطرف رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں:

’’میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ اقدس سے رونے کی آواز اس طرح آ رہی تھی جیسے چکی کے چلنے کی آواز ہوتی ہے۔‘‘(۱)

حضرت عبید ابن عمیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں جو حیران کن بات دیکھی اس کے بارے میں مجھے بتائیے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا کچھ دیر خاموش رہیں۔ پھر فرمایا ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور وضو کیا پھر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل روتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی پھر فرماتی ہیں کہ اشک فشانی یہاں تک بڑھی کہ زمین بھی تر ہوگئی۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز فجر کی اطلاع دینے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روتے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ رو رہے ہیں حالانکہ (آپ کے توسل سے تو) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں (اپنے رب کا) شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ پھر فرمایا:

لَقَدْ نَزَلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ آيَةٌ، وَيْلٌ لِمَنْ قَرَأَهَا ولم يَتَفَكَّرْ فِيْهَا

’’آج رات مجھ پر ایک آیت نازل ہوئی ہے: اس شخص کے لئے بربادی ہے جس نے اسے پڑھا اور اس میں غور وفکر نہ کیا۔‘‘

.... ۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل استماع القرآن و طلب القرائة من حافظه للإستماع، ۱: ۵۵۱، رقم: ۸۰۰

(۱) أبو داؤد، السنن، كتاب الصّلوة، باب البكاء في الصّلاة، ۱: ۳۴۳، رقم: ۹۰۴

وہ آیت یہ ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ......۔(۱)

’’بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں......۔‘‘

آپ ﷺ نے آخر تک مکمل آیت تلاوت کی۔(۲)

قرآنِ حکیم میں زجر و وعید کے بیان سے آہ و بکا کی کیفیت طاری ہو جانی چاہیے۔ کیونکہ تلاوت کی حالت میں بندے کا دھیان دنیا و مافیہا سے کٹ کر تلاوت میں ہی لگا رہتا ہے۔ اس طرح وہ کلام اللہ میں غور وفکر کرتا ہے۔ اس حالت میں ممکن ہے کہ اس کے دل پر معانی کا گزر ہو اور یہ رونا اور غم اس کے دل کو غیراللہ کی محبت سے پاک و صاف کر دے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهٰرُ۔(۳)

’’بیشک پتھروں میں (تو) بعض ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔‘‘(۴)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب تلاوت کرتے تو ان پر حالتِ گریہ غالب آ جاتی اور ان کی آواز دورانِ تلاوت بلند ہو جاتی اور ان پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی کہ روتے روتے ان کی چیخ نکل جاتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

’’جب میں سنِ شعور کو پہنچی تو میں نے اپنے والدین کو اسی دین (اسلام) کا پابند دیکھا اور حضور نبی اکرم ﷺ ہر روز صبح و شام بلا تاخیر ہمارے گھر تشریف لاتے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا تو انہوں نے اپنے گھر کے

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۶۴

(۲) إبن حبان، الصحيح، ۲: ۳۸۶، رقم: ۶۲۰

(۳) البقرة، ۲: ۷۴

(۴) أبوطالب مكی، قوت القلوب، ۱: ۹۹، ۱۰۰

صحن میں مسجد بنالی، وہ اسی میں نماز پڑھا کرتے اور اسی میں تلاوت فرماتے۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے کھڑے ہوکر ان کی طرف دیکھتے اور تعجب کا اظہار کرتے۔ جب وہ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے تو گریہ و زاری سے ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا اور انہیں اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رہتا۔ ان کا (اس سوز سے) قرآن حکیم پڑھنا قریش کے مشرک سرداروں کو مضطرب کر دیتا۔''(۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوران تلاوت اتنا روتے کہ آپ رضی اللہ عنہ بیہوش ہو جاتے، یہاں تک کہ لوگ آپ کی عیادت کو آنے لگتے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے اوراد و وظائف میں کسی آیت کی تلاوت کرتے جو آپ کو خوفزدہ کر دیتی تو آپ رضی اللہ عنہ اتنا روتے اور آہ و بکا کا وہ عالم ہوتا کہ گر پڑتے اور ایک یا دو دن گھر میں پڑے رہتے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کی عیادت کی جاتی اور لوگ آپ کو مریض گمان کرتے۔''(۲)

حضرت عبداللہ بن شداد بن ہاد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے صبح کی نماز میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنی اور میں اس وقت آخری صف میں (آپ رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں) نماز ادا کر رہا تھا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ سورہ یوسف کی آیت - ﴿إِنَّمَآ أَشْكُوْ بَثِّي وَحُزْنِيٓ اِلَى اللهِ﴾(۳) ''بے شک میں اپنے دکھ اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں'' - تلاوت فرما رہے تھے۔''(۴)

(۱) بخاری، الصحیح، أبواب المساجد، باب المسجد یکون في الطریق من غیر ضرر بالناس، ۱: ۱۸۱، رقم: ۴۶۴

(۲) ۱۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۷: ۹۵، رقم: ۳۴۴۵۷

۲۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۲: ۳۶۴، رقم: ۲۰۵۶

(۳) یوسف، ۱۲: ۸۶

(۴) بخاری، الصحیح، کتاب صفة الصلاة، باب إذا بکی الإمام في الصلاة، ۱: ۲۵۲

٦۔ خود کو مخاطبِ قرآن سمجھ کر تلاوت کرنا

یہ اس صورت میں ہی ممکن ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنے والا خود کو قرآن کا مخاطب سمجھے یعنی اگر امر و نہی کا ارشاد سنے تو سمجھے کہ حکم مجھے ہوا ہے اور مجھے ہی منع کیا گیا ہے اسی طرح اگر وعدہ، وعید کا بیان سنے تو اپنے آپ کو اس کا مصداق جانے اور اگر پہلے لوگوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے سنے تو جان لے کہ ان قصوں کا مقصود عبرت حاصل کرنا ہے اور ان قرآنی قصوں میں جو کچھ اپنی حاجت کی بات ہو اس کو اختیار کر لینا چاہئے کیونکہ قرآن حکیم کے جتنے حصے ہیں ان کے مضامین میں حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے لئے فائدہ رکھا گیا ہے۔ قرآن سے متاثر ہونے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح آیات مختلف مضامین لے کر وارد ہوئی ہیں اسی طرح دل میں مختلف کیفیات پیدا ہوں اور جس مضمون کو حزن و خوف اور امید سے مختص سمجھے اسی حالت اور کیفیت سے دل معمور ہوتا جائے۔

جو قرآنِ حکیم کے مضامین کو بالکل سمجھ کر نہیں پڑھتا وہ یہ جان لے کہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کا ذکر درج ذیل آیت میں کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ج حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا قف اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ○(۱)

’’اور ان میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو آپ کی طرف (دل اور دھیان لگائے بغیر) صرف کان لگائے سنتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کی بارگاہ سے نکل کر (باہر) جاتے ہیں تو ان لوگوں سے پوچھتے ہیں جنہیں علم (نافع) عطا کیا گیا ہے کہ ابھی انہوں نے (یعنی رسول اللہ ﷺ نے) کیا

(۱) محمد، ۴۷: ۱۶

فرمایا تھا؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیںo‘‘

۷۔ قرآنِ حکیم میں غور و فکر اور تدبر کرنا

تلاوتِ قرآن کا بنیادی مقصد اس کے مضامین میں غور و فکر اور تدبر کر کے اس کے صحیح معانی و مطالب اور مفاہیم تک رسائی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کثرت کے ساتھ قرآن میں غور و فکر اور تدبر کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ (۱)

’’تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔‘‘

تدبر کے معنی کسی چیز کے انجام اور نتیجے پر غور کرنے کے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن حکیم کے رموز و اسرار فکر و تدبر کے بغیر نہیں کھلتے۔ فہم قرآن کی نعمت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب قرآن حکیم کو سمجھنے اور اس کے منشاء کو جاننے کی کوشش کی جائے۔ قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا صحیفہ بنا کر اتارا ہے اور ہر انسان کے اندر طلبِ ہدایت کا داعیہ ودیعت کر دیا گیا ہے۔ اگر اسی داعیہ کے تحت اللہ کا بندہ قرآن حکیم کی طرف متوجہ ہو تو اسے فہمِ قرآن کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَo (۲)

’’اسے اپنی جانب رہنمائی فرما دیتا ہےo‘‘

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

---

(۱) النساء، ۴: ۸۲

(۲) الرعد، ۱۳: ۲۷

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَا نَوَی.(۱)

’’بیشک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔‘‘

قرآن کے مخاطبین اوّل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ قرآن حکیم کی تلاوت ہمیشہ تدبر و تفکر کے ساتھ کرتے تھے۔ محض تبرک کے طور پر الفاظ کی تلاوت کرنا اور قرآن کے معانی کی طرف دھیان نہ کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شیوہ نہیں تھا۔ قرآن حکیم کو تفکر و تدبر کے ساتھ پڑھنے سے متعلق کثیر روایات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ امام مسلم علیہ الرحمۃ حضرت ابو وائل علیہ الرحمۃ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: ’’میں ایک مفصل سورت ایک رکعت میں پڑھتا ہوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس طرح جلدی جلدی پڑھتے ہو جس طرح شعر پڑھے جاتے ہیں۔ بیشک کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترتا۔ لیکن یاد رکھو! قرآن حکیم جب دل و دماغ میں راسخ و پختہ ہو جائے تب ہی نفع دیتا ہے۔‘‘(۲)

۲۔ محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

’’بے شک مجھے إذا زُلْزِلَتْ اور القارعۃ پڑھنا اور ان کو بار بار دہرانا اور ان میں غور و فکر کرنا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں قرآن حکیم کو عجلت اور تیزی سے پڑھتے ہوئے رات گزاروں۔‘‘(۳)

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب بَدء الوَحي، باب کَيْفَ کَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، ۱: ۳، رقم: ۱

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب ترتیل القراءة، ۱: ۵۶۳، رقم: ۸۲۲

(۳) ابن أبي شیبة، المصنف، ۲: ۲۵۶، رقم: ۸۷۳۲

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

’’مجھے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے ابن عباس ! جب تم قرآن پڑھو تو اس کو ٹھہر ٹھہر کر اور الفاظ و حروف کو خوب واضح کر کے پڑھا کرو اس کو ردی کھجور کے بکھیرنے کی طرح نہ بکھیر دیا کرو اور نہ ہی جلدی سے شعر گوئی کی طرح پڑھا کرو۔ اس کے عجائبات میں توقف کیا کرو اور اس کے ذریعے اپنے دلوں کو حرکت دیا کرو اور تم میں سے کسی کا بھی ارادہ صرف آخری سورت تک پہنچنے کا نہیں ہونا چاہئے کہ قرآن جلد ختم ہو جائے بلکہ اس کو غور و فکر اور تدبر کے ساتھ پڑھا کرو۔‘‘(۱)

۴۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز کے لئے قیام فرمایا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو ایک ہی آیت (کی بار بار تلاوت) کرتے ہوئے صبح ہو گئی۔ وہ آیت یہ تھی:

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ○(۲)

’’اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے (ہی) بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی بڑا غالب حکمت والا ہے○‘‘(۳)

عصرِ حاضر میں امتِ مسلمہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ غور و فکر اور تدبر و تفکر سے قرآن کی تلاوت کا معمول نہ رہا اور نہ ہی اس کی تعلیمات کے سانچے میں اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کا عمل برقرار ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن تھوڑا

(۱) ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۱۴۱، رقم: ۳۰۱۵۸

(۲) المائدة، ۵: ۱۱۸

(۳) نسائی، السنن، كتاب الإفتتاح، باب ترديد الآية، ۲: ۱۷۷، رقم: ۱۰۱۰

مگر ڈوب کر، تدبر کے ساتھ اور علم کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر پڑھا جائے۔ وہ مقامات جہاں رموز و اسرار ہوں وہاں رک رک کر اور سمجھ کر پڑھا جائے حتیٰ کہ ہر آیت کا معنی و مفہوم مکمل طور پر سمجھ آ جائے۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ ایک عارف کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’میں ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرتا ہوں اور ایک ختم ہر مہینے میں اور ایک ختم ایسا ہے کہ جس کو سال بھر میں ختم کرتا ہوں اور ایک تلاوت ایسی بھی ہے کہ جس کو تین سال سے سمجھ کر پڑھنا شروع کر رکھا ہے اور ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔‘‘(۱)

حافظِ قرآن کی فضیلت

حافظِ قرآن کی فضیلت کے باب میں متعدد احادیث مذکور ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’جس شخص نے قرآن حکیم پڑھا اور اسے حفظ کر لیا اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھا، اللہ تعالیٰ اس (قرأت و علم قرآن) کی بدولت اسے جنت میں داخل کر دے گا اور اس کے خاندان کے دس ایسے افراد کے حق میں (بھی) اس کی شفاعت قبول کرے گا جن کے لئے دوزخ واجب ہو چکی ہوگی۔‘‘(۲)

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أشراف أمتي حملة القرآن و أصحاب الليل۔(۳)

---

(۱) غزالی، اسلام، ۱: ۲۵

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء في فضل قارئ القرآن، ۵: ۲۸، رقم: ۲۹۰۵

(۳) بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۱۷۱، رقم: ۳۲۴۷

''میری امت کے معزز ترین لوگ حفاظ قرآن اور قیام اللیل کرنے والے ہیں۔''

۴۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن لحامل القرآن دعوة مستجابة۔(۱)

''حافظِ قرآن مقبول الدعا ہوتا ہے۔''

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهُ شُفِّعَ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ قَدْ وَجَبَتْ لَهُمُ النَّارُ۔(۲)

''جو شخص قرآن حکیم اس طرح سیکھے کہ اس کو زبانی یاد کرے، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کی شفاعت اس کے خاندان کے ایسے اشخاص کے حق میں قبول کرے گا جن سب کے لئے دوزخ واجب ہو چکی ہوگی۔''

سماعِ قرآن کی فضیلت

دورانِ تلاوتِ قرآن حکیم کو خاموشی اور توجہ سے سننے کا حکم آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ○(۳)

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۴۰۶، رقم: ۲۲۴۲

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۴۹، رقم: ۱۲۶۸

(۳) الاعراف، ۷: ۲۰۴

پر رحم کیا جائے○‘‘

انسان جب بیدار دل سے قرآن حکیم سنتا ہے، اپنے دھیان کو اس کی طرف مرکوز کرتا ہے تو اس کی روح میں ایسی ہل چل بپا ہوتی ہے جس سے جسمانی قالب کا دائرہ اس کے لئے تنگ ہو جاتا ہے۔ دل میں ایک عجیب طرح کا اضطراب و بے قراری پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ وہ تمام کیفیات ہیں جنہیں صاحبِ حال محسوس کرتے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ إِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ○(۱)

’’ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت و جلال کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلامِ محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے)○‘‘

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ج فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ج فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ○(۲)

’’اور (اے حبیب!) جب ہم نے جنّات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا جو قرآن غور سے سنتے تھے، پھر جب وہ وہاں (یعنی بارگاہِ نبوت میں)

(۱) الأنفال، ۸: ۲

(۲) الأحقاف، ۴۶: ۲۹

حاضر ہوئے تو انہوں نے (آپس میں) کہا: خاموش رہو، پھر جب (پڑھنا) ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے والے (یعنی داعی اِلی الحق) بن کر واپس گئے o‘‘

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو فرماتے:

ذَكِّرْنَا رَبَّنَا، يَا أَبَا مُوسَى فَيَقْرَأُ عِنْدَهُ.(۱)

’’اے ابو موسیٰ! ہمیں ہمارے رب کی یاد دلاؤ تو وہ ان کے پاس (بیٹھ جاتے اور) انہیں تلاوتِ قرآن سناتے۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اسْتَمَعَ إِلَى آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ تَعَالَى كُتِبَ لَهُ حَسَنَةٌ مُضَاعَفَةٌ، وَمَنْ تَلَاهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۲)

’’جو کتاب اللہ کی ایک آیت پوری توجہ کے ساتھ سنے، اس کے لئے ایک ایسی نیکی لکھ دی جاتی ہے جو کئی گنا بڑھنے والی ہوتی ہے اور جو آیت کی تلاوت کرے وہ آیت اس کے لئے قیامت کے دن نور بن جائے گی۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

مَنِ اسْتَمَعَ إِلَى آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ كَانَتْ لَهُ نُورًا.(۳)

’’جس نے کتاب اللہ کی ایک آیت بھی غور سے سنی تو یہ آیت اس کے لئے بمنزلہ نور کے ہوگی۔‘‘

---

(۱) دارمی، السنن، ۲: ۵۳۹، رقم: ۳۴۹۲

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۴۱، رقم: ۸۴۷۵

(۳) دارمی، السنن، ۲: ۵۱۹، رقم: ۳۳۷۰

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ایمان سماعِ قرآن کی بدولت تھا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی قرآن کو سن کر ایمان لائے۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے تو آخرکار مجبور ہوکر خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا ارادہ کرلیا اور تلوار سونت کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چل دیئے۔ راستے میں اتفاقاً حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مل گئے۔ انہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تیور دیکھ کر پوچھا: عمر رضی اللہ عنہ خیر تو ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا: پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو تمہارے بہن اور بہنوئی ایمان لا چکے ہیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ فوراً واپس پلٹے اور جب اپنی بہن کے گھر پہنچے تو وہ قرآنِ حکیم کی درج ذیل آیات پڑھ رہی تھیں۔

طٰهٰ ○ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ○ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ○ (1)

’’طٰہٰ (حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں)○ (اے محبوبِ مکرّم!) ہم نے آپ پر قرآن (اس لئے) نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں○ مگر (اسے) اس شخص کے لئے نصیحت (بنا کر اتارا) ہے جو (اپنے رب سے) ڈرتا ہے○‘‘

یہ آیت سنتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دل قرآن کی اثر پذیری سے مبہوت ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ سن کر بہن چپ ہوگئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لئے لیکن قرآن کی آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی آپ رضی اللہ عنہ نے بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی؟ وہ بولی: کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہوگئے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریبان ہوگئے۔ یہاں تک کہ ان کے جسم لہولہان ہوگئے لیکن اسلام کی محبت پر اس مار کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ان کی بہن بولی: اے عمر! جو بن

---

(۱) طٰہٰ، ۲۰: ۱۔۳

پائے کرلو لیکن اسلام اب ہمارے دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل پر گہرا اثر کیا انہوں نے بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اس کے جسم سے خون جاری تھا۔ یہ دیکھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کے دل کی حالت سوزِ قرآن سے ہی دگرگوں تھی مرعوب ہو گئے اور فرمایا: تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھما نے قرآن کے اجزاء سامنے رکھ دیئے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آستانہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہنچ کر دستک دی، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو تردد ہوا، لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر، ورنہ اس کی تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قدم اندر رکھا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر ان کا دامن پکڑ کر فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ! کس ارادے سے آئے ہو۔ نبوت کی پرجلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا: ایمان لانے کے لئے، اس پر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے پُرجوش نعرہ لگایا جس کی صدا سے مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ (۱)

اقبالؒ نے اس منظر کو اپنے ایک شعر میں فاروقِ اعظمؓ کی ہمشیرہ سے مخاطب ہو کر یوں بیان کیا:

نمی دانی کہ سوزِ قرات تو
دگرگوں کرد تقدیر عمر را

(تو نہیں جانتی کہ تیری قراءت کے سوز نے عمر رضی اللہ عنہ جیسے انسان کی تقدیر بدل کے رکھ دی۔)

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن سے پہاڑ جیسے دل تھرتھرا اٹھتے ہیں اور روحوں کی ویران کھیتیوں میں بہار آجاتی ہے۔ مسلمان تو مسلمان کافر بھی اس کلامِ الٰہی کو سن کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

---

(۱) ابن اسحاق، السیرة النبویة: ۲۲۰-۲۲۵

ایک جگہ جمع ہوکر قرآن پڑھنے کی فضیلت

جو لوگ کسی ایک جگہ جمع ہو کر یا مسجد میں اکٹھے بیٹھ کر قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتے اور سنتے ہیں یا سیکھتے سکھاتے ہیں تو اللہ رب العزت ان پر اپنی بارگاہ سے سکون نازل فرماتا ہے۔ رحمتیں سائبان بن کر ان کو ڈھانپ لیتی ہیں۔ فرشتے جمع ہو کر انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ عرشِ معلّٰی پر فرشتوں کی مجلس میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص طلبِ علم کے لئے کسی راستہ پر چلا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں (مسجدوں) میں سے کسی گھر (مسجد) میں جمع ہوتے ہیں۔ کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں اسے سیکھتے سکھاتے ہیں تو ان لوگوں پر سکون و اطمینان نازل ہوتا ہے، رحمتِ الٰہی انہیں اپنی آغوش میں ڈھانپ لیتی ہے۔ فرشتے پر باندھ کر ان پر چھائے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ملاءِ اعلی کے فرشتوں میں ان کا ذکر فرماتا ہے اور جس شخص کے اعمال اس کو پیچھے کردیں اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔''(۱)

''حضرت ابوعوانہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ رمضان المبارک میں (لوگوں کو) قرآنِ حکیم پڑھا رہے تھے۔''(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والإستغفار، باب فضل الإجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، ۴: ۲۰۷۴، رقم: ۲۶۹۹

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب: الصلاة، باب: في ثواب قراء ة القرآن، ۱: ۵۴۱، رقم: ۱۴۵۵

(۲) ابن جعد، المسند، ۱: ۱۶۰، رقم: ۱۰۲۴

قرآنِ حکیم بھول جانے پر وعید

دلوں کی آبادی ایمان اور تلاوتِ قرآن سے ہوتی ہے۔ جو دل قرآن سے خالی ہو وہ ایک ویران گھر کی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جوفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ۔(۱)

''وہ شخص جس کے دل میں قرآن حکیم کا کچھ حصہ بھی نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔''

قرآن پڑھنے اور یاد کرنے کا جتنا عظیم اجر و ثواب ہے، قرآن کو یاد کرنے کے بعد بھول جانے کا گناہ اور وبال بھی اسی قدر زیادہ ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنِ امْرِیءٍ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ إِلَّا لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَجْذَمَ۔(۲)

''جو شخص قرآن حکیم پڑھنا سیکھ لے پھر اسے بھلا دے تو وہ روز قیامت اللہ تعالیٰ سے کوڑھی کی حالت میں ملاقات کرے گا۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بہت برا ہے کسی کا یہ کہنا کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا (وہ بھولا نہیں)

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فيمن قرأ حرفا من القرآن ماله من الأجر، ۵: ۳۵، رقم: ۲۹۱۳

(۲) أبوداؤد، السنن، كتاب الصلاة، باب التشديد فيمن حفظ القرآن ثم نسيه، ۱: ۵۴۷، رقم: ۱۴۷۴

بلکہ اسے بھلا دیا گیا۔ قرآن مجید کو سنتے سناتے رہا کرو کیونکہ لوگوں کے سینوں سے نکل جانے میں وہ رسی سے بندے ہوئے جانوروں سے بھی زیادہ تیز ہے۔‘‘(۱)

حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

إن أصغر البيوت بيت ليس فيه من كتاب الله شيء۔(۲)

’’گھروں میں سب سے حقیر اور بے توقیر گھر وہ ہے جس میں اللہ کی کتاب (قرآن حکیم) میں سے کچھ بھی نہیں پڑھا جاتا۔‘‘

امام غزالی اپنی کتاب ’’**إحياء علوم الدين**‘‘ میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ’’تورات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندے کیا تجھے مجھ سے حیا نہیں آتی۔ تیرے کسی بھائی کا خط آتا ہے تو تو اسی وقت اسے پڑھتا ہے اور اس کے ایک ایک حرف پر غور کرتا ہے یہاں تک کہ اس میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑتا اور میری کتاب جو میں نے اتاری، دیکھ میں نے اس میں تیرے لیے کتنی باتیں تفصیل سے بیان کی ہیں اور کتنی باتوں کو تکرار سے بیان کیا تاکہ تو اس کے طول و عرض میں غور وفکر کرے لیکن تو اس سے منہ پھیرے ہوئے ہے، کیا میں تیرے نزدیک تیرے ان بھائیوں سے بھی گیا گزرا ہوں۔ اے میرے بندے! تیرے پاس بعض بھائی بیٹھے ہوں تو تو مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دلجمعی کے ساتھ اس کی باتوں کی طرف کان لگاتا ہے۔ مگر تو اپنے دل کو مجھ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب استذکار القرآن و تعاهده، ۴: ۱۹۲۱، رقم: ۴۷۴۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرها، باب فضائل القرآن وما یتعلق به، ۱: ۵۴۴، رقم: ۷۹۰

(۲) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۷۵۵، رقم: ۲۰۸۰

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۹: ۱۳۹، رقم: ۸۶۴۵

(۳) غزالی، إحياء علوم الدين، ۱: ۲۷۵

سے پھیرے ہوئے ہے کیا تو نے مجھے اپنے بعض بھائیوں سے بھی ہلکا سمجھ رکھا ہے۔‘‘(۳)

حفظ و تلاوت میں جو بندہ کا مقام و مرتبہ ہوگا اسی لحاظ سے اسے منصب و اعزاز ملے گا کیونکہ یہ ایک بنیادی بات ہے کہ کتاب اللہ پر عمل کرنے والا، اس پر تدبر اور غور و فکر کرنے والا حافظ اس تلاوت کرنے والے سے افضل ہے جو عمل اور تدبر سے عاری ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا آيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ○(۱)

’’یہ کتاب برکت والی ہے۔ جسے ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ دانش مند لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور نصیحت حاصل کریں○‘‘

اس لئے بغیر تدبر اور غور و فکر کے محض تلاوت اور حفظ کی وہ حیثیت نہیں ہوسکتی جس پر جنت کے ان اونچے درجوں کا دار و مدار ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سمجھے اور غور کئے بغیر تلاوت کا کچھ ثواب نہیں بلکہ مقصود یہ باور کرانا ہے کہ تلاوت کا بھی عظیم ثواب ہے لیکن اس میں تدبر و تفکر شامل ہو جائے تو اس کا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور تلاوت کرنے والے کو اس کے ثمرات و برکات دنیا و عقبیٰ میں حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) ص، ۳۸: ۲۹

بابِ ششم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
وَّ عَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

درود و سلام کے فضائل

درود و سلام کو وظیفۂ حیات بنا لینا اتنا عظیم اور دیگر عبادات سے منفرد عمل ہے کہ اس سے حاصل ہونے والے دنیوی و اخروی فوائد و ثمرات کا کوئی انسان اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اس عمل کو جاری رکھنے سے ایک بات جو بطور خاص قلب و ذہن کو مضطرب رکھتی ہے وہ یہ کہ بندہ جب درود شریف پڑھتے ہوئے اپنی لغزشوں پر نگاہ ڈالتا ہے تو وہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی ہم نوائی میں بےساختہ پکار اٹھتا ہے:

چوں بنام مصطفی ﷺ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود

(جب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر درود بھیجتا ہوں تو اپنی خطاؤں اور گناہوں کو دیکھتے ہوئے شرم سے میرا وجود پانی پانی ہو جاتا ہے۔)

دستورِ زمانہ ہے کہ ہر محبّ اور عاشق اپنے دنیاوی محبوب کو محبت وعقیدت کے اظہار کے طور پر کوئی نہ کوئی شے بطور تحفہ ضرور دینا چاہتا ہے۔ جس سے اس کا مقصد محبوب کی رضا جوئی اور خوشنودی کا حصول ہے۔ اہلِ ایمان کی خوش نصیبی ہے کہ انہیں اللہ رب العزت کی بارگاہ سے اپنے محبوب آقا حضور سرورِ کونین ﷺ کی بارگاہ میں بطور نذرانہ بھیجنے کے لئے درود و سلام کا حکم ملا ہے۔ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں درود و سلام بھیجنا حکم خداوندی کی تعمیل بھی ہے اور یہ عمل بھیجنے والے کے لئے حصولِ سعادت وخوش بختی کا ذریعہ بھی قرآنِ حکیم میں اللہ رب العزت نے بے شمار احکام نازل فرمائے ہیں جن پر عمل کرنے کے لئے وقتِ معین یا کسی ماحول کی قید لگائی ہے۔ اس کی مثال ارکانِ اسلام میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سے دی جا سکتی ہے لیکن درود و سلام پڑھنا اللہ تعالیٰ کا ایسا حکم ہے جس

کی بجاآوری کے لئے وقت اور ماحول کی کوئی تخصیص نہیں اور زمان و مکاں کی کوئی قید نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[1]

’’بیشک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبی (مکرّم ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔‘‘

اس ارشادِ ربّانی کی تعمیل میں جب بھی ہمارے کان اس حکم سے آشنا ہوں تو ہمیں بلا تاخیر اپنے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ پر ہدیۂ درود و سلام بھیجنا چاہیے۔ درود و سلام کے فضائل بیان کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم لفظِ صلوٰۃ کے معنی ومفہوم پر غور کرلیں:

لفظِ صلوٰۃ کے معانی

لفظ صلوٰۃ اپنے لغوی و اصطلاحی معنی کے اعتبار سے بڑی وسعت کا حامل ہے۔اس سے پیشتر دعا اور نماز کے ابواب میں بھی ہم اس لفظ کے مختلف معانی بیان کر چکے ہیں۔اس لفظ کا مادہ ’’ص ل وٗ‘‘ یا ’’ص ل ی‘‘ ہے۔لغوی معانی اگرچہ کثیر ہیں لیکن یہاں اختصار کے پیشِ نظر صرف اصطلاحی معانی پر اکتفا کیا جائے گا۔وہ اصطلاحی معانی جو باقاعدہ مروّج و متداول ہیں ان میں سے چار معروف معانی درج ذیل ہیں:

۱۔ دعا ۲۔ اِستغفار

۳۔ برکت ۴۔قراءت

---

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۵۶

ا۔ صلوٰۃ بمعنٰی دعا

غزوۂ تبوک میں کچھ مسلمان شریک نہ ہو سکے۔ بعد میں انہیں اپنی غلطی اور کوتاہی کا شدت سے احساس ہوا۔ انہوں نے خود کو مسجدِ نبوی ﷺ کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا اور نیت کی کہ ہم اسی طرح بندھے رہیں گے یہاں تک کہ آقا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہمیں بذاتِ خود کھولیں اور ہم یہ سمجھ لیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں معاف فرما دیا ہے۔ کافی عرصہ کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھولا تو وہ سجدۂ شکر بجا لائے اور اپنے گھروں کا سارا اثاثہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لا کر حاضر کر دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا تو میں ان کا مال قبول کروں گا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ۔ (۱)

’’اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہِ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔‘‘

اس آیہ کریمہ میں صلوٰت کا لفظ دعاؤں کے معنی میں آیا ہے۔ اسی سورۂ مقدسہ کی ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۔ (۲)

---

(۱) التوبة، ۹: ۹۹

(۲) التّوبة، ۹: ۱۰۳

’’آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرما دیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے۔‘‘

اس آیت کریمہ میں بھی صلوٰۃ کا لفظ دو جگہ صَلِّ اور صَلٰوتَكَ کی شکل میں دعا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ میں بھی مذکورہ لفظ دعا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ. فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ، وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ. (1)

’’جب تم میں سے کسی شخص کی دعوت کی جائے تو چاہیئے کہ وہ اسے ضرور قبول کرے، اگر روزہ دار ہو تو دعا کرے اگر روزہ نہ ہو تو کھا لے۔‘‘

اس میں بھی لفظ صلوٰۃ دعا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ صلوٰۃ بمعنٰی اِستغفار

لفظِ صلوٰۃ اصطلاحی طور پر اِستغفار کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ درج ذیل احادیث سے اس معنی کی وضاحت ہوتی ہے:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصّحیح، کتاب: النّکاح، باب: الأمر بإجابة الدّاعی إلی دعوة، ۲: ۱۰۵۴، رقم: ۱۴۳۱

۲۔ ترمذی، الجامع الصّحیح، أبواب الصّوم، باب: ماجاء في إِجَابَةِ الصّائِمِ الدَّعْوَةَ، ۲: ۱۴۱، رقم: ۷۸۰

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي بُعِثْتُ إِلَى أَهْلِ الْبَقِيعِ لِأُصَلِّيَ عَلَيْهِمْ (۱)

''مجھے بقیع والوں کی طرف دعائے اِستغفار کرنے کیلئے بھیجا گیا۔''

ایک مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَمْرًا بِالْمَعْرُوفِ وَ نَهْيًا عَنِ الْمُنْكَرِ صَلَاةٌ، وإِنَّ حَمْلًا عَلَى الضَّعِيفِ صَلَاةٌ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا أَحَدُكُمْ إِلى الصَّلَاةِ صَلَاةٌ۔ (۲)

''تیرا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی اِستغفار ہے، کسی کمزور و ناتواں کا بوجھ اٹھانا اِستغفار ہے، تم میں سے کسی کا نماز کی طرف قدم بڑھانا بھی اِستغفار ہے۔''

۳۔ صلوٰۃ بمعنٰی برکت

صلوٰۃ لفظ صلوٰۃ کتبِ احادیث میں برکت کے معنی میں بھی مستعمل ہے، مثلاً:
ایک صحابی جس کا نام ابو اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنا صدقہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا تو آپ ﷺ نے خوش ہوکر برکت کیلئے یوں دعا فرمائی:

اللّٰهُم صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى۔ (۳)

''اے اللہ! ابی اوفی کی آل کو برکت عطا فرما۔''

اس آیت مبارکہ میں صلوٰۃ برکت کا معنی دے رہا ہے۔

---

(۱) نسائی، السنن، کتاب: الجنائز، باب: الأمر بالاستغفار للمؤمنین، ۴: ۷۰، رقم: ۲۰۳۸

(۲) طبراني، المعجم الکبیر، ۱۱: ۲۳۶، رقم: ۱۱۷۹۱

(۳) ابن حبّان، الصّحیح، ۳: ۱۹۷، رقم: ۹۱۷

۴۔ صلوٰۃ بمعنٰی قراءت

صلوۃ کا لفظ قراءت کے معنی میں بھی آیا ہے مثلاً مکہ مکرمہ میں نماز کے دوران حضور نبی اکرم ﷺ کی قرأت سن کر کفّار آپ ﷺ کو گالیاں دیا کرتے تھے اور دورانِ تلاوت شور وغل سے خلل ڈالا کرتے تھے۔ اس کے متعلق حکم نازل ہوا:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ۔(۱)

''اور نہ اپنی نماز (میں قرأت) بلند آواز سے کریں اور نہ بالکل آہستہ پڑھیں۔''

اس آیت مبارکہ میں لفظ صلوٰۃ بمعنی قرأت وارد ہوا ہے۔

باعتبارِ نسبت صلوٰۃ کے مختلف معانی

صلوٰۃ کے مندرجہ بالا تمام معانی مدّ نظر رکھے جائیں تو ایک خاص قاعدہ وکلیہ کا اطلاق ہوتا ہے نسبت کے اعتبار سے اس طرح ہے:

۱۔ جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کا رحمت نازل فرمانا اور عظمتیں اور برکتیں عطا کرنا ہے۔

۲۔ جب صلوٰۃ کی نسبت بندے کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب رکوع و سجود کرنا، نماز پڑھنا، درود وسلام پیش کرنا اور دعا ومناجات کرنا ہوتا ہے۔

۳۔ جب صلوٰۃ کی نسبت فرشتوں کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب ملائکہ کا درود و سلام پیش کرنا، دعائے اِستغفار کرنا ہے۔

۴۔ جب صلوٰۃ کی نسبت عناصرِ کائنات کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے

(۱) بنی اسرآئیل، ۱۷: ۱۱۰

کہ تمام اشیاء تسبیح پڑھتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ۔ (۱)

’’اور (جملہ کائنات میں) کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔‘‘

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ۔ (۲)

’’ہر ایک (اللہ کے حضور) اپنی نماز اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے۔‘‘

لفظِ سلام کا معنی

سلام مصدر ہے جو بمعنی سلامتی استعمال ہوتا ہے۔

درود و سلام کی اہمیت

درود و سلام ایک منفرد و بے مثل عبادت، ایک شاندار عمل، قربِ خداوندی اور قربِ نبوی ﷺ کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسے مقبول ترین اور فوری اثرات و نتائج کے حامل اعمال میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس مقبولیت و اہمیت کی خاص وجہ کے پیچھے ایک خاص حکمت کارفرما ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ محبّ اور حضور نبی اکرم ﷺ اس کے محبوب ہیں۔ جس طرح محبت کرنے والے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہر وقت اس کے محبوب کا ذکر ہوتا رہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے محبوب کا نام ہر وقت اس کے بندوں کی زبان پر رہے اور وہ ہر دم اسے جپتے رہیں اور اس کی شان دوبالا ہوتی رہے۔

---

(۱) بنی اسرآئیل، ۱۷: ۴۴

(۲) النّور، ۲۴: ۴۱

صلوٰۃ علی النبی ﷺ **کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ** حضور نبی اکرم ﷺ تمام جہانوں کیلئے سراپا رحمت ہیں۔ آپ ﷺ عالمِ انسانیت کے محسن ہیں اور تمام انسانوں پر آپ ﷺ کے بے شمار احسانات ہیں۔ آپ ﷺ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہدایت بخشی، اور کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر اس کے من کی دنیا کو توحید کے اجالوں سے جگمگا دیا۔ آپ ﷺ نے انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کا درس اور زندگی گزارنے کا وہ ضابطہ دیا جس میں دنیا و آخرت کی کامیابی کی نوید دی گئی ہے لہٰذا ہم پر لازم آتا ہے کہ اس عظیم ذاتِ گرامی کی مدح و تعریف کی جائے جس کی بدولت انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی عنایات قیامت تک سایہ فگن رہیں گی۔ ان احسانات کا بدلہ چکانے کے لئے درود و سلام کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ سے قلبی تعلق پیدا کرنا مقصود ہے۔

۱۔ تعلق کی نوعیت و اہمیت

تعلق وہ شے ہے جو معمولی کو غیر معمولی اور غیر اہم کو اہم بنا دیتا ہے۔ اس کی بدولت انسان کو وہ سرفرازی و عروج نصیب ہوتا ہے جو تعلق اور نسبت کے بغیر لوگوں کو حاصل نہیں ہوسکتا، خواہ وہ وقت کے افلاطون اور زمانے کے جالینوس ہوں اور ان کا مقام و مرتبہ تسلیم شدہ اور سماجی حیثیت بلند تر ہی کیوں نہ ہو لیکن ایک حقیر و ناتواں اور بے حیثیت انسان محض تعلق کی بنا پر ایسا قرب پا لیتا اور حاکم وقت سے وہ کچھ منوا لیتا ہے کہ بڑے بڑے فنکار اور علم و معرفت کے دعویدار منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور جسے وہ سماج اور معاشرے کا ایک ادنیٰ فرد سمجھ رہے ہوتے ہیں آسانی سے اپنے مقصد میں کامیابی سے سرفراز ہو جاتا ہے۔

تعلق کی دو اقسام ہوتی ہیں: ایک تعلق وہ ہے جو دلائل و شواہد کے بل بوتے پر علم کے زور سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلے انسان دلائل و براہین اور قرائن و شواہد کے ذریعے کسی چیز کا علم حاصل کرتا ہے پھر اس کی معرفت تک رسائی ہوتی ہے۔ اسے معرفت عقلی

کہتے ہیں۔ اس معرفت اور شناخت کے حوالے سے قائم ہونے والے تعلق کو ہم تعلق عقلی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس قسم کے تعلق اور معرفت کی خامی یہ ہے کہ یہ محبوب کے دل میں اعتماد پیدا نہیں کر پاتا اور نہ ہی یہ کسی کو اونچے مرتبے پر فائز کر سکتا ہے۔

دوسرا تعلق وہ ہے جو دل کی راہ سے حاصل ہوتا ہے اس کے باعث انسان محبوب کے لیے سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور رضائے حبیب کے لیے وہ قربانی اور فدا ہونے کی ایسی راہیں تراشتا ہے کہ خدمت و وارفتگی کے انداز دیکھ کر دنیا والے حیران رہ جاتے اور تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ حقیقی عشق بس اسی کا نام ہے۔ اسے معرفت قلبی یا تعلق قلبی بھی کہتے ہیں۔

اس قسم کے تعلق کی یہ خوبی ہے کہ یہ محبوب کے دل میں اعتماد پیدا کر دیتا ہے اور بڑے بڑے صاحبانِ جاہ و منصب پر برتری کا ایسا مقام بخشتا ہے کہ دوسرے اس کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی قلبی تعلق حاصل تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی قریب ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبودار سانسوں کی گرمی محسوس کی، چہرہ انور کی نورانیت کا مشاہدہ کیا، سفر و حضر میں ساتھ رہے اور خدمت کا شرف حاصل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد غوث، قطب، امام، متکلم، فلسفی، عالم، عارف اور عظیم صاحبانِ سیف و قلم پیدا ہوئے مگر کوئی بھی ایک صحابی کے برابر نہیں ہو سکا۔

۲۔ ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق قلبی پیدا کرنے کا مجرّب نسخہ

تعلق قلبی اور اعتماد کی یہ متاعِ عظیم حاصل کرنے کا ایک ہی مؤثر ذریعہ اور مجرّب نسخہ ہے کہ امتی خود کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیلئے وقف کر دے، ان ہی کا ہو کر رہ جائے اور ہر وقت ان کی چاکری کرتا رہے۔ اس قلبی تعلق کو پختہ کرنے کا بہترین ذریعہ درود و سلام ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی

اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ.(۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ کے زمین میں گشت کرنے والے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔‘‘

یہ ایسی سعادت ہے جس کی کوئی مثال نہیں، اس کی بدولت ادنیٰ سے ادنیٰ انسان دیکھتے ہی دیکھتے بزمِ حبیب ﷺ کا درخشندہ ستارہ اور قابلِ تعظیم و تکریم مرد بن جاتا ہے۔ رہ و رسم دنیا یہ ہے کہ تعلق کا آغاز سلام و کلام سے کیا جاتا ہے۔ جس سے قطعی جان پہچان نہ ہو اور اس سے رابطہ پیدا کرنا مقصود ہو تو سلام ہی سے ابتداء کی جاتی ہے۔ سلام سے بات شروع ہو کر مستحکم اور مضبوط قلبی رشتے میں بدل جاتی ہے۔

ایک غریب و مسکین بے نوا امتی جب آقائے نامدار ﷺ پر ہدیہ درود و سلام کے نذرانے سے اپنے تعلق کا آغاز کرتا ہے اور پھر استقلال کے ساتھ قلبی تعلق استوار کرتا ہے تو محبوب کریم ﷺ کی طرف سے بتدریج پذیرائی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ پہلے توجہ و التفات سے نوازتے ہوئے نظرِ کرم فرماتے ہیں، پھر تبسم کی خیرات عطا کرتے ہیں اور سلام کے منتظر رہتے ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ مبارکہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن الله وكل بقبرى ملكًا أعطاه أسماع الخلائق فلا يصلي عليّ أحد إلى يوم القيامة إلا أبلغني باسمه و اسم أبيه هذا فلان بن

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب السّهو، باب: سلام على النّبي ﷺ، ۳: ۴۳، رقم: ۱۲۸۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۸۷، رقم: ۳۶۶۶

فلان قد صلی علیك ۔(۱)

’’بیشک اللہ تعالیٰ نے (میرے وصال کے بعد) ایک فرشتہ کو میری قبر پر کھڑا ہونے کی ذمہ داری سونپ دی ہے، اسے تمام مخلوق کی آوازیں سننے کی قوت عطا فرمائی ہے۔ پس قیامت تک جو کوئی بھی مجھ پر درود بھیجے گا تو وہ (فرشتہ) اُس کا اور اُس کے والد کا نام مجھ تک پہنچائے گا: فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنَ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ ۔(۲)

’’امت میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام بھیجے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری روح واپس لوٹا دی ہو یہاں تک کہ میں ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔‘‘

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبلُغُنِي(۳)

’’تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود بھیجا کرو، بے شک تمہارا درود مجھ پر پہنچ جاتا ہے۔‘‘

---

(۱) بزار، المسند، ۴: ۲۵۴، رقم: ۱۴۲۵

(۲) أبو داؤد، السنن، کتاب المناسك، باب زيارة القبور، ۲: ۲۱۸، رقم: ۲۰۴۱

(۳) طبراني، المعجم الكبير، ۳: ۸۲، رقم: ۲۷۲۹

۳۔ درود وسلام سنتِ الٰہیہ ہے

درود وسلام وہ عمل ہے جس کا بھیجنا حکمِ الٰہی ہی نہیں بلکہ سنت الٰہیہ بھی ہے۔ سنت الٰہیہ سے اللہ تعالیٰ کا فعل مراد ہے اس کا فعل سنت، درجہ اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بلند اور افضل ہے۔کوئی سنت، کوئی طریقہ اور کوئی فعل اس کی برابری اور ہمسری نہیں کر سکتا۔ سنتِ الٰہیہ ہونے کی نسبت سے صلوٰۃ وسلام کو جو اہمیت وفضیلت حاصل ہے اس کی شان ہی کچھ اور ہے اور یہ نرالی شان کسی اور عمل کو حاصل نہیں۔صلوٰۃ و سلام ہی وہ واحد عمل ہے جو سنتِ الٰہیہ ہونے کے ناتے تمام اعمال میں سب سے ممتاز و نمایاں، منفرد اور بے مثل حیثیت رکھتا ہے۔

درود وسلام کا دیگر عبادات کے تناظر میں جائزہ لیا جائے تو وہ سب حکمِ الٰہی کے تحت انجام پاتی ہیں۔حکمِ خداوندی کی رو سے بندوں پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنی اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے درود وسلام کے مطلوبہ عمل کو عدم سے وجود میں لائیں۔ ہر دور اور ہر زمانے میں حکم خداوندی ہی کو دیگر احکام شریعت کے مقابلے میں یہ آفاقی اور بالا تر حیثیت حاصل ہے لیکن یہ بھی ایک قطعی حقیقت ہے کہ یہ خداوندی احکام مختلف ادوار میں الگ الگ امتوں کے حوالے سے بدلتے بھی رہے ہیں اور تغیر وتبدل کا یہ عمل بعض اوقات تضاد کی حدوں کو چھوتا رہا ہے، یعنی ایک عمل اگر کسی امت میں ایک حکم کی رو سے جائز و حلال ہوتا ہے تو وہی عمل کسی اور امت اور زمانے میں ایک دوسرے حکم کی رو سے بعض خدائی حکمتوں کے پیشِ نظر ناجائز وحرام قرار پاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حکم خداوندی ایک ایسی چیز ہے جس میں تغیّر وتبدل ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کا صدور مختلف زمانوں اور مختلف قوموں کے لئے الگ الگ اور مختلف بھی ہوسکتا ہے۔حکمِ الٰہی کے برعکس سنتِ الٰہیہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر دور میں یکساں اور ایک ہی ہیئت پر قائم و دائم رہتی ہے اور زمانوں یا امتوں کے بدلنے سے اس میں کوئی تبدیلی تغیر وتبدل واقع نہیں ہوتا۔

گویا سنتِ الٰہیہ ایک اٹل حقیقت اور دائمی حیثیت کی حامل ہے جو گردشِ زمان و مکاں سے آزاد ہر قسم کے اثرات و تغیرات سے محفوظ ایک ہی ہیئت پر قائم رہنے والا ہے، جو کسی پہلو سے تغیر پذیر اور زوال آشنا نہیں، اسے قرآنِ حکیم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ (۱)

''سو آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے عمل کا سنتِ الٰہیہ ہونا جہاں شانِ مصطفوی ﷺ میں آپ کے بے مثل ہونے کا آئینہ دار ہے وہاں اپنی فضیلت کے اعتبار سے وہ مقدس عمل ہے جو سنتِ الٰہیہ ہونے کے باعث ہمیشہ ابد تک کے لئے زوال اور تغیر کے اثرات سے محفوظ ہے۔ اس لئے حضور نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے میں تسلسل موجود ہے۔ جس طرح قدرت کی طرف سے پہلے یہ عمل جاری رہا اس طرح ہر دور میں ہر علاقے کے اہلِ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی تردد کے بغیر سنتِ الٰہیہ کی پیروی اور حضور نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام کے گجرے نچھاور کرتے رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ (۲)

''بیشک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبی (مکرمّ ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۝''

آیتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کا حضور نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ پڑھنے سے مراد اپنے حبیبِ مکرّم ﷺ پر رحمتیں نازل فرمانا ہے اور فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ ان کا آپ ﷺ

(۱) فاطر، ۳۵: ۴۳

(۲) الاحزاب، ۳۳: ۵۶

کے لئے بلندیٔ درجات کی دعائیں کرتے رہنا ہے، جبکہ عام مومنین کی طرف سے صلوٰۃ کا مفہوم دعا و مدح و ثنا کی یکجائی کا تسلسل جاری رکھنا ہے۔

سنتِ الٰہیہ کی فضیلت

صلوٰۃ و سلام سنت خالق ہے جبکہ دیگر اعمال و فرائض سنت مخلوق ہیں۔ اس لئے اسے تفوق و افضلیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریک ہے کوئی اس کا ساتھی ہمسر اور مد مقابل نہیں۔ ذاتِ الٰہی کی طرح صفاتِ الٰہی بھی غیر متناہی ہیں۔ ان کی انتہا اور اختتام کی کوئی حد نہیں، وہ ہر قسم کی حد بندی اور تقلید سے منزہ اور پاک ہے۔ اس کی سنت کی بھی یہی شان ہے جبکہ اس کے برعکس مخلوق کی ذات و صفات محدود ہیں۔ مثلاً ارکانِ اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ وہ عبادات ہیں جو آپ ﷺ نے ادا فرمائیں اور نمونہ دکھا کر امت کو ان کی ادائیگی کا سلیقہ اور طریقہ سمجھایا۔ چونکہ یہ سب عبادات آپ ﷺ کی سنت ہیں۔ ان میں پائی جانے والی تقلیدی شان سے واضح ہے کہ یہ سنتِ رسول ﷺ ہیں، سنت خالق نہیں، پھر یہ کہ ہر سنت وقت اور مخصوص ہیئت کی پابند اور تابع ہے جیسے نماز اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں وقت کی پابندی ہے، اسے وقت سے آگے پیچھے کر کے ادا نہیں کیا جا سکتا اور وقت نکل جائے تو قضا کرنا پڑتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز مقید بالوقت ہے آزاد و بے قید نہیں۔ اسی طرح نماز مقید بالہیت بھی ہے یعنی یہ ضروری ہے کہ اسے اسی شکل وصورت میں ادا کیا جائے جس شکل وصورت اور انداز میں اسے حضور نبی اکرم ﷺ نے ادا فرمایا۔ جو شخص قیام وقعود، رکوع و سجود، انداز و ترتیب اور حرکات وسکنات کو ملحوظ رکھے اور ان کی پابندی کرے، اسی شکل وصورت میں اسے ادا کرے تو اس کی نماز ادا ہوگی۔ کسی ایک رکن کا ترک یا ترتیبِ ارکان کی تبدیلی اس کی نماز باطل کردے گی اور وہ قبول نہیں ہوگی۔ روزہ بھی مقیّد بالوقت ہے اس لئے طلوعِ فجر سے لے کر غروب آفتاب کا وقت مقرر ہے۔ حج میں بھی وقت و ہیئت کی پابندی موجود ہے۔ ایام حج کے آگے پیچھے یہ فریضہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔

یہ تمام مثالیں اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ جو اعمال حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہیں ان میں وقت و ہیئت کی پابندی ضروری ہے کیونکہ یہ مخلوق کی سنت ہیں لیکن صلوٰۃ و سلام چونکہ سنتِ خالق ہے اور اس میں شکل اور حد بندی کا کوئی تعین نہیں اس لئے خالق نے اپنی سنت میں بھی تمام حدود و قیود اور پابندیوں کو اٹھا لیا اور حضور نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کو بے قید رکھتے ہوئے آزادی عطا فرمائی۔ بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر پڑھنے میں کوئی پابندی نہیں لگائی۔ اسی طرح زبان و ہیئت و وقت کی بھی کوئی قید نہیں، پنجابی، اردو، انگریزی، ہندی، عربی، فارسی، غرضیکہ ہر زبان میں بصورتِ نعت اور مدح و ثنا آنحضور ﷺ پر درود پڑھ سکتے ہیں، نماز کی طرح عربی زبان ضروری نہیں۔ نظم و نثر، کسی عبادت سے پہلے یا بعد میں، بلند آواز سے یا دھیمے لہجے میں، الگ الگ یا اجتماعی صورت میں، غرض جس لہجے اور انداز میں بھی پڑھا جائے جائز ہے۔ کسی نوع، وقت تقدیم و تاخیر کی کوئی پابندی نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ صلوٰۃ و سلام سنت الٰہیہ ہونے کے حوالے سے مطلق اور غیر مقید ہے اس لئے وقت و ہیئت یا قیام و قعود کی کوئی پابندی نہیں۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس سنت الٰہیہ کو اپنی رائے سے وقت اور ہیئت میں مقید ثابت کرے اور کہ فلاں وقت پڑھنا جائز ہے اور فلاں وقت نہیں بیٹھ کر پڑھنا جائز لیکن کھڑے ہو کر پڑھنا ناجائز تصور کرے، اگر کوئی یہ قدغن لگا رہا ہے تو وہ سنت الٰہیہ کو مقیّد اور پابند کر رہا ہے اور خود کو ایک شارع کا درجہ دے رہا ہے جس کا بہر حال اسے کوئی حق نہیں۔

درود و سلام قطعی القبول عمل ہے

ایک انسان اطاعت و فرمانبرداری کا مظاہرہ کرنے کے لئے جو نیک اعمال کرتا ہے یا عبادات کی شکل میں احکامِ خداوندی بجا لاتا ہے اور جوش و جذبے کے ساتھ بھلے کاموں میں سرگرم عمل رہتا ہے وہ اعمال و افعال خواہ کتنی نیک نیتی، خلوص و اتقاء اور للّٰہیت کے جذبے سے سرشار ہو کر کئے گئے ہوں پھر بھی اس کے قطعی القبول ہونے کے بارے

میں وثوق و یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہے یا نہیں اور اسے لازمی طور پر ان کا اجر ملے گا یا نہیں کیونکہ ایک کمزور و ناتواں مخلوق سے آدابِ بندگی ملحوظ رکھنے میں سہو بھی ہو سکتا ہے اور اسے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کہاں کوتاہی یا کمی ہوگئی ہے۔ لہٰذا قبولیت کی بات صرف امید کی حد تک ہے اور انسان کے اعمال خواہ وہ صدقات و خیرات کی شکل میں ہوں یا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی عبادات کی صورت میں، ظنی القبول ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں صرف امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوجائیں گے۔

صلوٰۃ و سلام ایک ایسا محبوب و مقبول عمل ہے جس کے ظنی القبول ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جو کسی صورت میں اور کسی مرحلے پر نہ صرف مردود بلکہ قطعی القبول ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور مقبول ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر پڑھنے والا فاسق و فاجر اور گناہوں میں لَت پَت ہو پھر بھی اس کا یہ عمل رد نہیں کیا جاتا اور اس کا درود و سلام قبول کر لیا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایک خطا کار و گناہگار سے بھی صلوٰۃ و سلام قبول کرنے میں کیا حکمت ہے؟ جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کے معانی پر غور کیا جائے تو کوئی ایک نعمت بھی ایسی نہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کو پہلے سے حاصل نہ ہوئی ہو اللہ کی رحمتیں ہر آن ان پر نازل ہوتی رہتی ہیں یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور اس کے ختم ہونے کا بھی کوئی امکان نہیں۔ رہی قرب خاص کی بات، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جو قربِ خاص اپنے محبوب کو معراج کی شب عطا کیا۔ اس پر ارشاد ربانی - ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾[۱] ”دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا“ - شاہد ہے۔ ایک شب کے قرب کا یہ عالم ہے تو جو قرب کی دولت آپ ﷺ کو مسلسل عطا کی جا رہی ہو اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ ذکر کی بلندی اور رفعت کا یہ عالم ہے کہ اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو رفعت

(۱) النجم، ۵۳: ۹

ذکر کی وہ شان عطا کی جس کا کوئی انسان تصور بھی نہیں کرسکتا؟ فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○[1]

’’اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر دنیا و آخرت میں ہر جگہ) بلند فرما دیا○‘‘

گویا صلوٰۃ کے جتنے معانی ہیں وہ حضور نبی اکرم ﷺ کو پہلے ہی حاصل ہیں۔ اس لئے ایک گنہگار بندہ جب بارگاہِ رب العزت میں درود پڑھتے ہوئے عرض گزار ہوتا ہے اور اپنے لئے کچھ نہیں مانگتا، مال و اولاد کے لئے، بیماری وغیرہ سے شفا کے لئے دعا نہیں کرتا، اپنی کسی اور غرض کو بیچ میں نہیں ڈالتا بلکہ صرف محبوب ﷺ کے لئے صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے اور آپ ﷺ پر درود بھیجنے کی درخواست کرتا ہے تو اس درود کے ساتھ مانگی ہوئی دعا قبول ہوجاتی ہے۔

چونکہ دعا سے پہلے ہی اس پر عمل ہو رہا ہوتا ہے اس لئے گناہگار درود پڑھنے والے کی دعا قبول کرلی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درود و سلام قطعی القبول ہے اور اس کے رد و نامنظور ہونے کا امکان ہی نہیں۔

عبادت کو قطعی القبول بنانے کا طریقہ

عبادات جیسا کہ بتایا جاچکا ہے ظنی القبول ہیں مگر چونکہ عبادت گزار باقاعدہ اہتمام، تیاری، تگ و دو اور اپنی حیثیت کے مطابق جدو جہد کے بعد وقت نکال کر اور آرام ترک کرکے خاصی مشقت اٹھا کر عبادت کرتا ہے اور پر اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی ہر عبادت قبول ہو اور اس کی یہ مشقت رائیگاں نہ جائے مگر اللہ بے نیاز ہے وہ اپنی بارگاہ میں نیک اعمال کو قبول فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) الم نشرح، ۹۴: ۴

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (۱)

''پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور وہی نیک عمل (کے مدارج) کو بلند فرماتا ہے۔''

انسان طبعی طور پر اس کوشش میں ہوتا ہے کہ اس کے اعمال خامیوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح قبول کر لئے جائیں، رحمت خداوندی نے اس سلسلے میں اسے بے یار و مددگار اور بے آسرا نہیں چھوڑا بلکہ اپنے لطف و کرم سے اسے ایک ایسا طریقہ عطا کیا ہے جس کی وساطت سے وہ باآسانی اپنے ظنی القبول اعمال کو قطعی القبول بنا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ہر عمل اور عبادت کے شروع اور آخر میں درود و سلام پڑھ لے۔

درود و سلام کی اسی بے پناہ فضیلت اور اَہمیت کا پتا ہمیں اس حدیث سے ملتا ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے عزیز ترین صحابی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو کثرتِ درود و سلام کی تلقین فرمائی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھتا ہوں۔ میں کتنا وقت آپ پر درود کے لئے مقرر کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا تم پسند کرو۔ میں نے عرض کیا: ایک چوتھائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے لیکن اگر کچھ اور بڑھا دو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا آدھا وقت؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے لیکن اگر کچھ اور بڑھا دو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: دو تہائی وقت؟ فرمایا: اس میں بھی اضافہ کر دو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: میں سارا وقت ہی درود و سلام میں خرچ کیا کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ، وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ ۔(۲)

''تب تو تیرا ہر غم دور ہوگا اور تیرا ہر گناہ معاف کر دیا جائے گا۔''

---

(۱) فاطر، ۳۵: ۱۰

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب صفة القیامة، باب مَا جاَءَ فِي صفةِ أواني الحَوْضِ، ۴: ۲۴۵، رقم: ۲۴۵۷

عملِ صلوٰۃ و سلام کی دیگر اعمال پر فوقیت کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل درجۂ محبت میں ہے اور باقی تمام اعمال پر محبت بہر طور فائق و برتر ہے۔ جبکہ دیگر عبادات جو اطاعت کی نمائندگی کرتی ہیں محبت سے کم تر درجے میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شب و روز ہمہ وقت اطاعت میں منہمک رہنے والے پاکباز بندے بھی عجز عبادت کی بلندیوں کو چھو لینے کے بعد بھی بصد عجز و نیاز یہی کہتے ہیں:

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ ۔(۱)

’’تیری عبادت کرنے کا جو حق تھا وہ ہم سے ادا نہیں ہو سکا۔‘‘

جب اللہ کے انتہائی مقرب اور پاکباز بندوں کا یہ حال ہے تو عام لوگ کس قطار و شمار میں ہیں؟ لیکن محبت ایک ایسی اکسیر ہے جو مسِ خام کو کندن بنا دیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ایک شخص بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

مَتَى السَّاعَةُ؟

’’یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟‘‘

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا:

وَمَا ذَا أَعْدَدْتَ لَهَا۔

’’تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟‘‘

اس نے عرض کیا:

لَا شَيْءَ، إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

’’کچھ نہیں مگر یہ کہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔‘‘

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۲: ۱۸۴، رقم: ۱۷۵۱

حضور نبی اکرم ﷺ نے جواباً فرمایا:

أَنتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ۔(۱)

’’تجھے اسی کی معیت نصیب ہوگی جس سے تجھے محبت ہے۔‘‘

صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ صحابیٔ رسول ﷺ نے اپنے اعمال کی کمی اور کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اطاعت و عبادات کا توشہ میرے پاس بہت کم ہے۔ وہ بزعم خویش یہ سمجھا کہ کلی نجات و بخشش کا دار و مدار صرف اعمال و اطاعت پر ہے اس نے اطاعت کو بہت اہمیت بلکہ محبت پر فوقیت دی اور کہا کہ عبادت کی کمی کے باوجود میں محبت سے ضرور بہرہ ور ہوں اور میرے دل میں خدا اور رسول ﷺ بسے ہوئے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی غلط فہمی دور فرما دی اور یہ بات واضح کردی کہ محبت اطاعت کی کمی پوری کر دیتی ہے اس لیے اس محبت کی وجہ سے تمہاری ہر قسم کی خامیوں کی تلافی ہوجائے گی اور اس محبوب تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤ گے جس کے تم فکر مند اور بے قرار ہو اور سمجھتے ہو کہ اطاعت ہی قرب و وصالِ حق کا ذریعہ ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں موجود جواب اور اس کی تفصیلات اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ محبت ہر کمی کا علاج ہے اور ہر خامی کا مداوا ہے، یہ نہ صرف اطاعت کی خامی کا ازالہ کرتی ہے بلکہ اس کی قبولیت اور پذیرائی کو بھی حتمی اور یقینی بنا دیتی ہے۔

آیتِ صلوٰۃ کے اَہم تفسیری نکات

درود و سلام وہ عبادت ہے جس کو فنا نہیں بلکہ بقا اور دوام ہے۔ اس حقیقت کو

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب مَنَاقِبُ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، ۳: ۱۳۴۹، رقم: ۳۴۸۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب المرء مع من أحب، ۴: ۲۰۳۲، رقم: ۲۶۳۹

درج ذیل آیت کریمہ کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ (۱)

’’بیشک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبیِ (مکرّم ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۝‘‘

ا۔ درود وسلام دائمی عمل ہے

علم النحو کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس آیت کریمہ میں جملہ اسمیہ ہے، جملہ فعلیہ نہیں۔ دونوں جملوں کا نحوی تعریفات کی روشنی میں تقابلی جائزہ لیا جائے تو درود وسلام کا دائمی ہونا بڑی حد تک ثابت ہو جاتا ہے۔ یہاں ہم جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کا فرق واضح کرتے ہیں۔

جملہ فعلیہ اور اِسمیہ میں فرق

جملہ فعلیہ کسی نہ کسی زمانے کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ زمانے تین ہیں: جو گزر گیا وہ ماضی ہے، جو موجود ہے وہ حال ہے اور جو ابھی آئے گا وہ مستقبل ہے۔ ان تینوں زمانوں میں فعل کسی نہ کسی زمانے پر ضرور دلالت کرتا ہے۔ مثلاً عربی زبان میں فعل مضارع، حال اور مستقبل دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے اور اگر فعل ماضی ہو تو وہ صرف زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے۔ حال اور مستقبل اس کے معنوی دائرے سے باہر ہوتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ فعل خواہ کسی شکل میں ہو کوئی نہ کوئی زمانہ ضرور اس کے دائرہ سے باہر ہوتا ہے۔ زمانہ ایک عارضی شے ہے ابدی اور مستقل نہیں کہ ہر فعل اس کے مفہوم

(۱) الاحزاب، ۳۳:۵۶

ومعنی کے دائرے میں آ سکے۔ فرض کریں اگر فعل ماضی تھا تو وہ گزر گیا اب موجود نہیں اور اگر وہ حال و مستقبل ہے تو اب ہے اور مستقبل میں ہوگا لیکن ماضی میں نہ تھا۔ گویا فعل یا گزر جاتا ہے یا اسے بعد میں آنا ہوتا ہے اسے دوام ثبت اور قرار حاصل نہیں ہوتا۔

جملہ فعلیہ کے برعکس جملہ اسمیہ کسی زمانے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام زمانوں پر حاوی ہوتا ہے اور زمانہ ماضی اور ہر صورت میں زمانۂ حال و مستقبل کے ساتھ اس کا تعلق یکساں طور پر قائم ہوتا ہے۔ اس لئے جب عارضی شان والا فعل بھی اس میں استعمال ہوتا ہے اور جملہ اسمیہ کا جزو بنتا ہے تو اس کے اندر بھی شان دوامیّت پیدا ہوجاتی ہے اور اسم کے ساتھ مل کر تینوں زمانوں کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہوجاتا ہے اور وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ کوئی زمانہ بھی اس سے مراد لیا جاسکے۔ اس کے عارضی اور ناپائیدار ہونے کا سوال ہی نہیں کہ وہ پائیدار کے ساتھ مل کر خود بھی پائیدار اور ہر زمانے کے ساتھ دائمی تعلق قائم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے گویا جملہ اسمیہ ایک مؤثر عامل ہے جو فعل کے نقصان اور عارضی پن کو اپنے جوہر کے اثر سے فنا کر دیتا ہے جملہ اسمیہ کا یہی وہ خاص پہلو ہے کہ حق تعالیٰ نے درود وسلام کا حکم دیتے وقت اسے اختیار فرمایا ہے۔

جملہ اسمیہ کے استعمال سے یہ حقیقت کبریٰ واضح کرنا مقصود ہے کہ لوگو! قدرتِ خداوندی سے کئی افعال صادر ہوتے ہیں مثلاً کوئی فعل زمانہ ماضی میں سرزد ہوا، اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ کوئی اب حال میں صادر ہو رہا ہے پہلے اس کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا وہ فعل جو حضور نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام سے متعلق ہے وہ جب سے زمانہ بنا ہے، اللہ تعالیٰ اس وقت سے اپنے نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیج رہا ہے اور جب تک زمانہ رہے گا تب تک صلوٰۃ بھیجتا رہے گا۔ یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر صلوٰۃ بھیجنا نہ صرف زمانہ ماضی کے ساتھ خاص تھا نہ زمانہ حال کے ساتھ خاص ہے اور نہ مستقبل کے ساتھ خاص ہوگا بلکہ یہ وہ فعل ہے جو وقت کی پہلی اکائی سے شروع ہو کر آخری اکائی کے بعد تک جاری رہے گا۔ یہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس میں کبھی بھی انقطاع نہ آیا اور نہ آئے گا۔

۲۔ لفظِ صلوٰۃ میں قرب و وصال کا معنی

یُصَلُّوْنَ کا لفظ صلوٰۃ سے نکلا ہے۔اس کا مادۂ اشتقاق ''ص ل و'' یا ''ص ل ی'' ہے۔اس مادہ کی ایک خاص خوبی یا حیرت انگریز علمی کمال یہ ہے کہ یہ مادہ اسی ترتیب کے ساتھ بلکہ کہیں بدلی ہوئی ترتیب کے ساتھ بھی کسی جگہ پایا جائے تو اس میں اجتماع و انضمام اور میل ملاپ کا معنی ضرور موجود ہوتا ہے۔ جیسے لفظ ''صلی'' میں اصل مادہ کے حروف موجود ہیں۔ اس کے معانی آگ تاپنا، ہاتھ سینکنا اور ساتھی ہونا کے ہیں۔[۱]

قرآنِ حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ○[۲]

''عنقریب وہ شعلوں والی آگ میں جا پڑے گا○''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً○[۳]

''دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گے○''

ذیل میں لفظ ''صلوٰۃ'' کے مادے کی بدلی ہوئی ترتیب چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں:

صَالَ کا معنی ہے حملہ کرنا جیسے بلی، شیر یا کوئی بھی جانور شکار کے لیے جسم کو سکیڑ لیتا ہے اور قوت مجتمع کر کے حملہ آور ہوتا ہے۔[۴]

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۴: ۴۶۸

(۲) اللّهب، ۱۱۱: ۳

(۳) الغاشية، ۸۸: ۴

(۴) إبراهيم انيس، المعجم الوسيط، ۱: ۵۲۹

مِصْوَلَۃٌ جھاڑو کو کہتے ہیں۔[1]

اور کھلیان کے ارد گرد بکھرے ہوئے اناج کو جمع کرنے اور ڈھیر کے قریب لانے کو **تصویل** کہتے ہیں۔[2]

غرض ہر صورت میں جمع و انضمام کے معنی لفظ صلوٰۃ میں موجود ہیں۔ اسی طرح **لِوَاصٌ** بھی اسی مادے کی بدلی ہوئی صورت ہے۔لواص فالودہ کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں شربت، کھویا، برف، نشاستہ کے لچھے اور گلاب یا روح کیوڑہ کو جمع کیا جاتا ہے۔شہد کو بھی لواص ہی کہتے ہیں کیونکہ اسے بھی چھتے میں جمع کیا جاتا ہے۔[3] وصل اس مادے کی آخری ممکنہ صورت ہے جس کا معنی ہے کسی سے اس کے پاس پہنچ کر ملنا اور وصیلہ اس اونٹنی یا بکری کو کہتے ہیں جو ہر بار جڑواں بچے دے۔[4]

ہم نے دیکھا کہ یہ مادہ جس شکل میں بھی موجود ہو اس میں میل ملاپ کا معنی ضرور پایا جاتا ہے۔صلوٰۃ کو اگر نماز کے معنی میں لیں تو یہ معنی وہاں بھی اپنی بہترین اور حسین ترین صورت میں کارفرما نظر آتا ہے کیونکہ نمازی مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور نماز میں خشوع وخضوع کے ذریعے جمعیتِ خاطر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ نماز بہت سی برکات کی جامع ہے۔اگر صلوٰۃ کو دعا کے معنی میں لیں تو جمع کے معنی سے یہ صورت بھی خالی نہیں کہ دعا میں انسان دین و دنیا کی ظاہری و باطنی تمام نعمتوں کو سمیٹنا چاہتا ہے۔

---

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۳۸۸

۲۔ إبراہیم أنیس، المعجم الوسیط، ۱: ۵۲۹

(۲) ابراہیم انیس، المعجم الوسیط، ۱: ۵۲۹

(۳) ابن منظور، لسان العرب، ۷: ۸۸

(۴) ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۳۸۲

۳۔ ہر لحہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قرب و وصالِ حق میں اضافہ

مذکورہ بالا لغوی تحقیق کی روشنی میں لفظِ صلوٰۃ کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ﷺ کو ہر لمحہ اپنا قرب و وصال عطا فرما رہا ہے، کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں مزید قرب کی منزلیں طے نہ ہوتی ہوں۔ شبِ معراج اس نے اپنے محبوب کو جلوۂ حق دکھایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰیo فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰیo(۱)

''پھر وہ (ربّ العزّت اپنے حبیب محمد ﷺ سے) قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوگیاo پھر (جلوۂ حق اور حبیبِ مکرّم ﷺ میں صِرف) دو کمانوں کی مقدار فاصلہ رہ گیا یا (انتہائے قرب میں) اس سے بھی کم (ہوگیا)o''

گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو وہ قرب عطا کیا جس کی دنیائے عشق و محبت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ وصل اور قرب کے اس حسین تسلسل میں مداومت ہے یہ اب بھی جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ اس لیے قرب کی یہ منزلیں اسی طرح بدستور طے ہوتی رہیں گی۔

صلوٰۃ وسلام کے پسندیدہ کلمات

درج ذیل احادیث مبارکہ سے واضح ہے کہ خود حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو صلوٰۃ وسلام کا طریقہ سکھا دیا تھا:

۱۔ حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے: جب حضور نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ! آپ کی خدمت میں سلام بھیجنے کی فضیلت تو ہمیں معلوم ہے لیکن ہم آپ پر درود کیسے بھیجا کریں؟

---

(۱) النجم، ۵۳: ۸، ۹

آپ ﷺ نے فرمایا: یوں کہا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ وَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مُجِيْدٌ.

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ وَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مُجِيْدٌ ۔(۱)

''اے اللہ! درود بھیج حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پراور آلِ محمد ﷺ پر جیسے تونے درود بھیجا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور آپ ﷺ کی آل پر بیشک تو بہت تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! برکت دے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اور آلِ محمد ﷺ کو جیسے تونے برکت دی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی آل کو بیشک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔''

۲۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ! آپ پر سلام تو بھیجتے ہیں لیکن ہم آپ ﷺ پر درود کس طرح بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کہو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيْمَ۔(۲)

''اے اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود بھیج جو تیرے بندے اور رسول ہیں

---

(۱) بخاری، الصّحیح، کتاب الدعوات، باب الصلاة على النبي ﷺ، ۵: ۲۳۳۸، رقم: ۵۹۹۶

(۲) بخاری، الصّحیح، کتاب الدّعوات، باب الصّلاة على النّبي ﷺ، ۵: ۲۳۳۹، رقم: ۵۹۹۷

جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا اور برکت نازل فرما حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیم علیہ السلام کو برکت دی۔''

اس درود و سلام کے بھیجنے میں فعل اور فاعل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے درج ذیل دو اسباب ہیں:

۱۔ پہلا سبب یہ ہے کہ اگر فعل و فاعل کا ذکر ہو تو پھر یہ ہماری طرف سے ہوگا مگر رب ذوالجلال کا منشاء یہ ہے کہ درود و سلام ہر ایک کا قبول ہو جائے۔ اگر فعل اور فاعل دونوں مذکور ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ اس بارگاہ کے لائق ہے اور اچھا ہے اس کا قبول ہوجائے اور جو نالائق ہے اور بُرا ہے اس کا رد ہو جائے۔

۲۔ درود و سلام میں فعل اور فاعل کے ذکر نہ کرنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ فعل و فاعل سب عارضی ہیں جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام پڑھنا دائمی عمل ہے۔ فعل تین ہیں۔ ماضی، حال یا مستقبل، جب فعل حال ہو تو ماضی اور مستقبل نہیں ہوتا اور مستقبل کے آنے سے ماضی اور حال کا وجود ختم ہو جاتا ہے تو گویا فعل کوئی بھی ایسا نہیں جو بیک وقت ماضی حال اور مستقبل سب زمانوں پر حاوی ہو۔ فعل زمانے کے ساتھ خاص ہے اور زمانے کو فنا ہے، درود و سلام وہ عبادت ہے جس کو فنا نہیں بلکہ بقا اور دوام ہے۔ اس لئے درود و سلام میں فعل کو داخل ہی نہیں کیا۔ مثلاً: زید پانی پی رہا ہے تو یہ فعل اس وقت کو حاوی ہے جب تک پانی پینے کا عمل جاری ہے لیکن یہ ایک ایسی کیفیت ہے کہ نہ یہ ایک لمحہ قبل فعل تھا نہ ایک لمحہ بعد فعل ہو گا۔ جو بھی فعل استعمال میں لے آئیں وہ ماضی، حال یا مستقبل ہو گا مگر اسے دوام حاصل نہیں ہوگا کیونکہ ہر فعل زمانے کا پابند ہے اور زمانے کو فنا ہے اس لئے ہر فعل بھی فنا کی زد میں ہے۔

ستر ہزار فرشتوں پر مشتمل محفلِ درود و سلام

درود و سلام کے دائمی ہونے کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے روضہ انور پر ہر روز ستر (۷۰) ہزار فرشتے فجر کے وقت آتے ہیں، وہ رات کو واپس چلے جاتے ہیں، پھر اگلے ستر ہزار فرشتے رات کو آتے ہیں اور نماز فجر میں شرکت کے بعد واپس لوٹ جاتے ہیں۔ یہ ملائکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کا طواف کرتے ہیں، برکت اور نور کے حصول کے لئے اپنے پروں کو روضۂ انور سے مس کرتے ہیں اور بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں اجتماعی طور پر درود و سلام کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ امام ابن المبارک علیہ الرحمۃ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

ما من فجر يطلع إلا هبط سبعون ألف ملك يضربون القبر بأجنحتهم و يحفون به فيستغفرون له، و أحسبه قال: و يصلون عليه حتى يمسوا فإذا أمسوا عرجوا و هبط سبعون ألف ملك، يضربون القبر بأجنحتهم و يحفون به و يستغفرون له، و أحسبه قال: و يصلون عليه حتى يصبحوا، و كذالك حتى تكون الساعة، فإذا كان يوم القيامة خرج النبیﷺ فی سبعين ألف ملك ـ(۱)

''ہر روز صبح سویرے ستر ہزار ملائکہ (آسمان سے زمین پر) اُترتے ہیں، وہ اپنے پَر (تبرکاً آپ ﷺ کی) قبرِ انور سے مس کرتے، اُسے ڈھانپ لیتے ہیں اور آپ ﷺ (کی اُمت) کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ راوی نے یہ کہنا چاہا کہ وہ آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں یہاں تک کہ اُنہیں (اِسی حالت میں) شام ہو جاتی ہے۔ جب شام ہوتی ہے تو وہ (آسمان

(۱) ابن مبارك، الزهد: ۵۵۸، رقم: ۱۶۰۰

کی طرف) لوٹ جاتے ہیں پھر (اُسی طرح دوسرے) ستر ہزار ملائکہ اُترتے ہیں، جو اپنے پَر (تبرکاً آپ ﷺ کی) قبرِ انور سے مس کرتے، اُسے ڈھانپ لیتے ہیں، اور آپ ﷺ کے لئے بلندئ درجات کی دُعا کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ راوی نے یہ کہا کہ وہ آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں یہاں تک کہ (اِسی حالت میں) صبح کرتے ہیں اور اِسی طرح قیامت تک (ملائکہ کی جماعتوں کا یہ سلسلہ) جاری رہے گا، پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو حضور نبی اکرم ﷺ ستر ہزار ملائکہ کے جَلو میں (قبرِ انور سے) باہر تشریف لائیں گے۔''

حرمِ کعبہ ایسی جگہ ہے جہاں چوبیس گھنٹے عبادت ہوتی ہے۔ ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا جس میں لوگ طواف کعبہ، اِستغفار، تلاوت، نوافل اور درود و سلام جیسی عبادات میں مشغول نہ ہوں۔اس جگہ عبادت کا یہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ یہ چیز اس ایک جگہ کے ساتھ خاص ہے ورنہ پوری کائنات میں کوئی ایک لمحہ ایسا نہیں جس میں اللہ کا ذکر، تسبیح اور حضور نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا عمل جاری نہ ہو۔ حرم کعبہ کے دروازے چوبیس گھنٹے انسانوں کیلئے کھلے رہتے ہیں مگر روضہ رسول ﷺ کے دروازے رات کو بند کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ بات غیرتِ خداوندی کو گوارا نہیں کہ اس کے گھر میں تو ہر لمحہ عبادت کا عمل جاری رہے اور اس کے محبوب کے روضۂ انور پر عبادت کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں ''ملائکتہ'' کا معنی ہے کہ تمام فرشتے درود پڑھتے ہیں۔ ملائکۃ ''مَلَكٌ'' کی جمع ہے اور ہ ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ فرشتوں کی کوئی مختصر سی یا خاص جماعت درود و سلام پڑھنے میں مصروف نہیں بلکہ تمام فرشتے اجتماعی صورت میں درود و سلام پڑھنے میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں اور ربِ کائنات نے ایک لاکھ چالیس ہزار ملائکہ چوبیس گھنٹے کیلئے متعین کر کے یہ اہتمام فرما دیا کہ دروازے بند ہوں یا کھلے، انسان اندر رہیں یا نہ رہیں مگر ستر

ہزار ملائکہ محفل کی شکل میں ہر لمحہ میرے محبوب ﷺ پر درود و سلام میں مصروف رہیں۔ اس طرح یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ درود و سلام کا سلسلہ وقت کی کسی ساعت میں کبھی منقطع نہ ہونے پائے۔

درود و سلام عبادت کا صلہ ہے

نماز سب عبادتوں کی معراج اور افضل العبادات ہے۔ یہ بات توجہ طلب ہے کہ ہر عبادت میں توجہ خاص اللہ کی طرف مرکوز ہوتی ہے مگر درود و سلام جو تمام عبادات کا مغز ہے اس میں توجہ کا ارتکاز إلی الرّسول ہوتا ہے۔ تمام رکعات کی ادائیگی کے بعد جب عبادت کی تکمیل ہو جاتی ہے تو صرف نماز سے نکلنا باقی رہ جاتا ہے۔

دنیوی قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک مزدور اپنا کام مکمل کر لیتا ہے تو وہ انتظار کرتا ہے کہ مالک اسے کیا مزدوری دیتا ہے؟ ایک شخص نوکری کرتا ہے تو مہینے کے آخر پر اسے تنخواہ کا انتظار ہوتا ہے، ایک طالب علم دن رات محنت کر کے امتحان سے فارغ ہو کر نتیجے کا منتظر رہتا ہے۔ اسی طرح جب نماز کے عروج پر مزدوری لینے کا وقت آتا ہے تو حضور نبی اکرم ﷺ پر درود سلام پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس طرح بندہ حکمِ خداوندی کی تعمیل میں دورانِ نماز حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ نقطہ غور طلب ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے کہ ایک لمحہ بھی توجہ اللہ سے ہٹ جائے تو ٹوٹ جاتی ہے، مثلاً: اگر کوئی نماز پڑ رہا ہو اسی دوران کوئی بزرگ سلام کہہ دے اور وہ جواب میں دورانِ نماز ہی اس شخصیت کے ادب و احترام کے باعث **وعلیکم السّلام** کہہ دے تو نماز ٹوٹ جائے گی کیونکہ غیرت خداوندی کو گوارا نہیں کہ دوران عبادت دھیان کسی غیر کی طرف ہو جائے لیکن جب نماز ختم کرنی ہو تو صرف چہرہ دائیں بائیں ہونے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، اسے خروج عن الصلوٰۃ کہتے ہیں۔ یہ نماز توڑنے یعنی ختم کرنے کا مسنون طریقہ ہے۔ یہاں واضح رہے کہ جو اللہ تعالیٰ دورانِ نماز چہرہ دائیں بائیں نہیں ہونے دیتا وہ دھیان کیسے ادھر ادھر ہونے دے گا، ایک طرف اس کی غیرتِ توحید کا یہ عالم ہے کہ دورانِ نماز کسی کے

سلام کا جواب دینے، کسی کی طرف توجہ اور دھیان کرنے کی اجازت نہیں دیتا جبکہ دوسری طرف نماز عروج پر پہنچتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اب دھیان میرے مصطفیٰ ﷺ کی طرف کر کے درود و سلام پڑھو۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز میں ہوتے تو کہا کرتے اللہ پر سلام، اس کے بندوں میں سے فلاں فلاں پر سلام، تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یوں نہ کہا کرو کہ اللہ تعالیٰ پر سلام کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے بلکہ یوں کہا کرو:

التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ، وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمْ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ فِي السَّمَاءِ، أَوْ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔(۱)

''تمام زبانی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں نیز سب بدنی اور مالی بھی۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، جب یوں کہو گے تو اللہ کے ہر بندے کو سلام پہنچ جائے گا۔ خواہ وہ آسمان میں ہو یا آسمان و زمین کے درمیان اور کہو میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔''

یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دورانِ نماز دھیان بھی حضور نبی

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب صفة الصَّلَاة، باب مَا يُتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ وَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ، ۱: ۲۸۷، رقم: ۸۰۰

اکرم ﷺ کی طرف کروا دیا اور سلام بھی کروا دیا۔ یہی نہیں بلکہ کلمہ شہادت کے بعد فرمایا: اب میرے حبیب محمد ﷺ پر درود بھی پڑھو اور ان کی آل پر بھی پڑھو۔

الغرض درود و سلام وہ تحفہ ہے جسے رب ذوالجلال نے نماز کی طشتری میں خوبصورت پھلوں کی مانند سجا کے رکھا ہے جسے وہ نمازی کو عبادت کے صلہ میں عطا فرماتا ہے۔

فضائل و برکاتِ درود وسلام

درود و سلام اللہ تعالیٰ کی ان با برکت نعمتوں میں سے ہے جو اپنے دامن میں بے پناہ فیوض و برکات سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ ایسی لازوال دولت ہے کہ جسے مل جائے اس کے دین و دنیا سنور جاتے ہیں۔ درود و سلام محبوبِ خدا کی تعریف، اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خزانہ، گناہوں کا کفارہ، بلندیِ درجات کا زینہ، قربِ خداوندی کا آئینہ، خیر و برکت کا سفینہ ہے۔ مجلس کی زینت، تنگ دستی کا علاج، جنت میں لے جانے والا عمل، دل کی طہارت، بلاؤں کا تریاق، روح کی مسرت، روحانی پریشانیوں کا علاج، غربت و افلاس کا حل، دوزخ سے نجات کا ذریعہ اور شفاعت کی کنجی ہے۔

احادیث مبارکہ میں درود وسلام کے بے شمار فضائل و برکات کا ذکر ملتا ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ درود وسلام قربِ مصطفیٰ ﷺ کا ذریعہ ہے

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے والہانہ عقیدت و محبت جزوِ ایمان ہے۔ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ درود وسلام پڑھنا ومحبتِ رسول ﷺ کی دلیل ہے۔ کثرت سے درود وسلام پڑھنے والے کو روزِ قیامت قربِ رسول ﷺ کی نعمت سے فیض یاب کیا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی

اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً (۱)

’’قیامت کے روز لوگوں میں سے میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو اس دنیا میں کثرت سے مجھ پر درود بھیجتا ہے۔‘‘

۲۔ درود وسلام روحانی وجسمانی پاکیزگی کا باعث ہے

درود وسلام وہ پاکیزہ عمل ہے جو انسان کے تن اور من کو ہر قسم کی آلائشوں، کثافتوں اور آلودگیوں سے پاک وصاف کر دیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صلّوا عليّ فإنّ الصّلاة عليّ زكاةٌ لّكم۔ (۲)

’’مجھ پر درود پڑھا کرو۔ بلا شبہ مجھ پر (تمہارا) درود پڑھنا تمہارے لئے (روحانی وجسمانی) پاکیزگی کا باعث ہے۔‘‘

۳۔ درود وسلام شرفِ زیارت مصطفیٰ ﷺ کا وسیلہ ہے

درود وسلام کی سب سے بڑی فضیلت اور خصوصیت یہ ہے کہ کثرت سے درود وسلام پڑھنے والے کو خواب یا حالتِ بیداری میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ زیارت النبی ﷺ بہت بڑی سعادت ہے جو ہر ایک کو میسر نہیں آتی بلکہ خال خال ہی کسی کو نصیب ہوتی ہے، یہ صرف ان لوگوں کو میسر آتی ہے جنہیں حضور نبی اکرم ﷺ

---

(۱) ترمذی، الجامع الصّحيح، أبواب الوتر، باب ماجاء في فضل الصّلاة على النّبي ﷺ، ۱: ۴۹۵، رقم: ۴۸۴

(۲) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲: ۲۵۳، رقم: ۸۷۰۴

۲۔ أبو يعلي، المسند، ۱۱: ۲۹۸، رقم: ۶۴۱۴

کی ذات گرامی سے والہانہ عقیدت و محبت ہو اور جو خلوص و محبت کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے اسے آپ ﷺ کا دیدار نصیب ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مومن جمعہ کی رات دو رکعت اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں ۲۵ مرتبہ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ** سورۃ فاتحہ کے بعد پڑھے، پھر ہزار مرتبہ یہ درود پڑھے **اللّٰهُمَّ صَلِّی عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِ** تو آنے والے جمعہ سے پہلے خواب میں میری زیارت کرے گا۔ جو میری زیارت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔''(۱)

۴۔ درود و سلام نزولِ رحمتِ خداوندی کا باعث ہے

درود و سلام کا ورد رحمتِ خداوندی کا خزانہ ہے۔ جو شخص خلوص دل سے درود و سلام کا ورد کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرماتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ ہم اس کے محبوب کی صرف تھوڑی سی تعریف کرتے ہیں تو وہ ہمیں اپنی رحمتوں کے خزانے سے مالا مال کر دیتا ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔(۲)

''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل

---

(۱) طبرانی، المعجم الأوسط، ۲: ۱۷۳، رقم: ۶۱۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب الصّلوٰۃ علی النّبی ﷺ بعد التشہّد، ۱: ۳۰۶، رقم: ۴۰۸

۲۔ ترمذی، الجامع الصّحیح، أبواب الوتر، باب ما جاء فی فضل الصّلاۃ علی النّبيّ ﷺ، ۱: ۴۹۶، رقم: ۴۸۵

فرمائے گا۔‘‘

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ معاف ہوں گے اور دس درجے بلند کئے جائیں گے۔‘‘(۱)

۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور جو مجھ پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر سو رحمتیں نازل فرماتا ہے اور جو مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) منافقت اور آگ (دونوں) سے آزادی لکھ دیتا ہے اور روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے ساتھ ٹھکانہ عطا فرمائے گا۔(۲)

۴۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’جب کوئی مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے تو درود بھیجنے کی مدت تک فرشتے اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اب بندہ کی مرضی ہے چاہے کم بھیجے یا زیادہ۔‘‘(۳)

۵۔ درود و سلام گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ اس کی رحمت بندوں کی بخشش کے بہانے تلاش کرتی رہتی ہے۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا بھی انہی بخشش کے بہانوں میں سے ایک ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب السّهو، باب الفضل في الصّلاة على النّبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۳: ۳۵، رقم: ۱۲۹۷

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۸: ۱۱۵، رقم: ۷۲۳۱

(۳) ابن ماجة، السنن، کتاب إقامة الصّلاة والسنّة فيها، باب الصَّلاةِ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۱: ۲۹۰، رقم: ۹۰۷

اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’جب (اللہ تعالیٰ کے لئے) محبت رکھنے والے دو بندے ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے سے پہلے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔‘‘(۱)

۶۔ درود وسلام دنیا کے غموں کا مداوا ہے

درود و سلام دنیا کے دکھوں اور غموں کا علاج ہے۔ دنیا میں دکھ اور سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ مگر بعض اوقات دکھ اور غم انسان کو اس حد تک گھیر لیتے ہیں کہ زندگی کے دن گزارنا مشکل ہو جاتے ہیں یعنی قدم قدم پر کوئی نہ کوئی رکاوٹ اور مصیبت سر اٹھا لیتی ہے جو بے سکونی اور رنج و الم کا باعث بنتی ہے۔ ایسے حالات میں غموں سے چھٹکارا پانے کیلئے درود و سلام بہت مؤثر اور اکسیر نسخہ ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھتا ہوں۔ میں اپنی دعا کا کتنا حصہ آپ پر درود کے لئے مقرر کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تم پسند کرو۔ میں نے عرض کیا: ایک چوتھائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے لیکن اگر کچھ اور بڑھا دو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا آدھا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے لیکن اگر کچھ اور بڑھا دو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: دو تہائی؟ فرمایا: اس میں بھی اضافہ کر دو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: میں اپنی ساری دعا (کا وقت) آپ پر درود کے لئے وقف کر دوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

إذا تُكْفى هَمَّكَ، وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ ۔(۲)

’’تب تو تیرا ہر غم دور ہو گا اور ہر گناہ معاف کر دیا جائے گا۔‘‘

---

(۱) أبو يعلى، المسند، ۵: ۳۰۴، رقم: ۲۹۶۰

(۲) ترمذی، الجامع الصّحيح، أبواب صفة القيامة، باب مَا جاَءَ فِي صفةِ أواني الحَوْضِ، ۴: ۲۴۵، رقم: ۲۴۵۷

۷۔ درود وسلام قبولیتِ دعا کا ذریعہ ہے

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں اور التجاؤں کو سنتا ہے اور انہیں شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے۔ دعا کی قبولیت کا امکان اس وقت بڑھ جاتا ہے جب اس میں اللہ ﷻ کی حمد وثنا کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ پر درد وسلام بھی شامل کر لیا جائے۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضور نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہاں رونق افروز تھے۔ جب میں نماز پڑھ کر بیٹھ گیا تو پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر حضور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا پھر اپنے لئے دعا مانگی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

سَلْ تُعْطَهْ، سَلْ تُعْطَهْ.(۱)

''مانگ تجھے عطا کیا جائے گا، مانگ تجھے عطا کیا جائے گا۔''

۲۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا، اس نے نماز ادا کی اور کہا: **اَللّٰهُمَّ اغْفِرلِي وَارْحَمْنِي** اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے نمازی تو نے عجلت سے کام لیا۔ جب تو نماز پڑھ چکا تھا تو بیٹھ کر (پہلے) اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا، پھر مجھ پر درود بھیجتا اور دعا مانگتا۔ راوی کہتے ہیں اس کے بعد ایک اور شخص نے نماز پڑھی پھر اس نے اللہ کی حمد بیان کی اور اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب السفر، باب ما ذُكِرَ فِي الثَّنَاءِ على الله والصلاة على النبي ﷺ، ۱: ۵۸۸، رقم: ۵۹۳

أَيُّهَا الْمُصَلِّي ادْعُ تُجَبْ۔ (۱)

’’اے نمازی! دعا کر تمہاری دعا قبول ہوگی۔‘‘

۸۔ درود پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ کا خود درود بھیجنا

اللہ تعالیٰ اپنے بعض درود پڑھنے والے بندوں پر اپنی شان کے مطابق درود بھیجتا ہے، ان پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس عمل میں اس کے فرشتے بھی شریک ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا○ (۲)

’’وہی ہے جو تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی، تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے اور وہ مومنوں پر بڑی مہربانی فرمانے والا ہے○‘‘

درود و سلام پڑھنے کی برکت کا اندازہ اس بات سے ہو رہا ہے کہ اللہ ربّ العزت درود پڑھنے والے پر خود درود بھیجتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عوف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے خوشخبری سنائی کہ آپ کا پروردگار فرماتا ہے:

مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلَّيْتُ عَلَيْهِ، وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ۔ (۳)

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب جامعِ الدَّعواتِ عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۵: ۴۶۳، رقم: ۳۴۷۶

(۲) الاحزاب، ۳۳: ۴۳

(۳) ۱۔ حاكم، المستدرك، ۱: ۷۳۵، رقم: ۲۰۱۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۹۳، رقم: ۱۶۶۲

’’جو شخص آپ پر درود پڑھتا ہے میں اس پر درود پڑھتا ہوں اور جو کوئی آپ کو سلام عرض کرتا ہے میں اس پر سلام بھیجتا ہوں۔‘‘

درود و سلام کی قبولیت کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ درود پڑھتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرص فرماتے ہیں:

مَنْ صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ وَاحِدَةً، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمَلَائِكَتُهُ سَبْعِيْنَ صَلَاةً۔(۱)

’’جو کوئی حضور نبی اکرم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ درود (بصورتِ رحمت) بھیجتے ہیں۔‘‘

۹۔ یومِ جمعہ حضور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنے کی فضیلت

جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کثرتِ درود و سلام کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس دن اور رات میں درود و سلام پڑھنے سے متعلق کثرت کے ساتھ احادیث مروی ہیں۔

۱۔ حضرت اوس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’تمہارے دنوں میں جمعہ کا دن سب سے افضل ہے اس میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور اسی میں ان کی روح قبض کی گئی اور اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی میں سب بیہوش ہوں گے۔پس اس روز مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ تمہارا درود پڑھنا مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔لوگ عرض گزار ہوئے : یا رسول اللہ! اس وقت بھلا ہمارا درود پڑھنا کس طرح پیش ہوگا جبکہ آپ رحلت

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۸۷، رقم: ۶۷۵۴

فرما چکے ہوں گے؟ یعنی مٹی (میں دفن) ہو چکے ہوں گے آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے جسموں کو زمین پر حرام فرما دیا ہے۔‘‘(۱)

۲۔ حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أكثروا علي الصلاةَ في يومِ الجمعة فإنّه ليس أحد يصلي علي يومَ الجمعة إلّا عُرضت عليّ صلاته۔(۲)

’’مجھ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجا کرو پس جو کوئی جمعہ کے دن مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔‘‘

۳۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أكثر و اعليّ من الصلاة في كل يوم جمعة فإن صلاة أمتي تعرض عليّ في كل يوم جمعة فمن كان أكثرهم عليّ صلاةً كان أقربهم منّي منزلةً۔(۳)

’’جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ ہر جمعہ کو امت کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ جو درود خوانی میں بڑھا ہوا ہوگا وہی درجہ میں مجھ سے قریب تر ہوگا۔‘‘

۴۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

(۱) ابن ماجة، السنن، كتاب الجنائز، باب ذِكْرِ وَفَاتِهِ وَدَفْنِهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۲: ۳۰۴، رقم: ۱۶۳۶

(۲) ۱۔ حاكم، المستدرك، ۲: ۴۵۷، رقم: ۳۵۷۷

۲۔ بيهقی، شعب الإيمان، ۳: ۱۱۰، رقم: ۳۰۳۰

(۳) بيهقی، شعب الإيمان، ۳: ۱۱۰، رقم: ۳۰۳۲

سامنے کھڑا تھا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’جمعہ کے روز جو شخص مجھ پر اسی (۸۰) مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اسی (۸۰) سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے عرض کیا گیا: یارسول اللہ! آپ پر کیسے درود بھیجا جائے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یوں کہو کہ اے اللہ! درود بھیج محمد اپنے بندے، رسول اور نبی امی پر، اور یہ (اسی مرتبہ درود کا بھیجنا) ایک ہی مجلس میں مکمل کرے۔‘‘(۱)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

الصّلاۃُ عَلَيَّ نورٌعلی الصّراط فمن صلّی عَلَيَّ یومَ الجمعة ثمانین مرّةً، غفرت له ذنوب ثمانین عاماً۔ (۲)

’’مجھ پر درود بھیجنا، یہ پل صراط کا نور ہے جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسّی (۸۰) مرتبہ درود بھیجتا ہے اس کے اسّی (۸۰) سال کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔‘‘

۶۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أکثروا عليّ الصلاة في یوم الجمعة ولیلة (الجمعة) فمن فعل ذلك کنت له شهیدًا و شافعًا یوم القیامة ۔ (۳)

’’مجھ پر جمعہ کے دن اور جمعرات کی رات کو کثرت سے درود بھیجا کرو پس جو کوئی یہ عمل کرتا ہے میں روزِ قیامت اس کا گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں گا۔‘‘

---

(۱) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳: ۴۸۹، رقم: ۷۳۲۶

(۲) دیلمی، الفردوس بمأ ثور الخطاب، ۲: ۴۰۸، رقم: ۳۸۱۴

(۳) بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۱۱۰، ۱۱۱، رقم: ۳۰۳۳

مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہے کہ جمعہ کے دن درود وسلام کی کثرت بہت سی دنیوی و اخروی نعمتوں اور برکتوں کے حصول کا باعث ہے۔

۱۰۔ اذان کے بعد درود وسلام پڑھنے کی فضیلت

اذان کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنے والے کو بے شمار فیوض و برکات نصیب ہوتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ: ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ. فَإِنَّهُ مَن صَلَى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا. ثُمَّ سَلوا اللهَ لِي الوَسِيْلَة فَإِنَّهَا مُنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِي الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ (۱)

’’جب تم مؤذن سے اذان سنو تو اس کی مثل کلمات کہو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر میرے لئے جنت میں ’وسیلہ‘ کی دعا مانگو کیونکہ وہ جنت کا ایسا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص ’’میں‘‘ ہوں گا اور جو شخص میرے لئے اس مقام کی دعا مانگے گا اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔‘‘

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَالَ حِينَ يُنَادِي الْمُنَادِي اللّٰهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الصّلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه ثم یصلی علی النبي ﷺ ثم یسأل اللہ له الوسیلة، ۱: ۲۸۸۔ ۲۸۹، رقم: ۳۸۴

وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَارْضَ عَنْهُ رِضًا (لاسُخْطَ) بَعْدَهُ، اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهُ دَعْوَتَهُ۔(۱)

''جس نے اذان سنتے وقت یہ کہا اے میرے اللہ! اے دعوت کامل اور نفع دینے والی نماز کے رب، تو حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج اور میرے ساتھ اس طرح راضی ہو جا کہ اسکے بعد تو (مجھ سے) ناراض نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی دعا قبول فرما لیتا ہے۔''

حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب اذان سنتے تو یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

''اے میرے رب! اے اس دعوت کامل اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب تو حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج اور قیامت کے روز انہیں انکا اجر عطاء فرما اور حضور نبی اکرم ﷺ یہ کلمات اونچی آواز میں کہتے تاکہ اپنے آس پاس بیٹھے ہوئے صحابہ کو سنا سکیں اور ان پر بھی واجب ہو کہ جب مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنیں تو اس طرح کہیں جس طرح وہ کہتا ہے پھر راوی کہتے ہیں کہ جب کسی نے مؤذن کی اذان سن کر اس طرح کہا تو قیامت کے روز اس پر حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔''(۲)

۱۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا

حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت کا اظہار آپ ﷺ کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں پر لگانے سے کیا جاتا ہے۔ یہ آپ ﷺ سے عشق ومحبت اور عقیدت کی علامت ہے۔ ایک مسلمان کے لئے ازبس ضروری ہے کہ جب بھی حضور نبی اکرم ﷺ کا

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۳۷، رقم: ۱۴۶۷۴

(۲) ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۳۳۳

اسم گرامی سنے تو دل و زبان سے تعظیم بجا لائے کیونکہ آپ ﷺ کے نام کی برکت سے نہ صرف گناہ معاف ہوتے ہیں بلکہ اس عمل سے بہت سے انعامات الٰہیہ بھی حاصل ہوتے ہیں۔ روایات سے ثابت ہے کہ یہ عمل سیدنا آدم علیہ السلام کی سنت ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سلف صالحین کا بھی یہی معمول تھا۔ آج بھی اس پر عمل اسی اتباعِ سنت کا آئینہ دار ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ ناز میں ایسا عمل کرنے والا محبوب ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا اسمِ مبارک سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا قطعی طور پر جایز ہے اور اس کے جواز پر ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام اور خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمل مبارک اقوال و افعالِ علماء سلف موجود ہیں:

(۱) ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کا عمل

تاجدارِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث مبارکہ میں ہے:

''حضرت آدم علیہ السلام کو سید کائنات ﷺ سے ملاقات کا شوق ہوا جبکہ وہ جنت میں تھے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انکی طرف وحی فرمائی کہ نبی آخر الزمان ﷺ آپکی پشت میں سے ہونگے۔ ان کا ظہور آخری زمانہ میں ہوگا۔ آدم علیہ السلام ابھی جنت میں تھے تو آپ نے حضور ﷺ سے ملاقات کے بارے میں التجا کی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی طرف وحی فرمائی اور نور محمدی ﷺ کو آپ کی (دائیں ہاتھ کی) مسبحۃ انگلی میں پیدا فرمایا تو انہوں نے اس نور کی تسبیح فرمائی اس وجہ سے اس انگلی کومسبحۃ کا نام دیا گیا جیسا کہ الروض الفایق میں بیان ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے جمال کو آپ علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں آئینہ کی طرح ظاہر فرمایا جس پر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوما اور اپنی آنکھوں سے مس فرمایا

چنانچہ یہ آپ کی اولاد کے لیے سند بن گئی۔ جب جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو یہ واقعہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اذان میں میرا نام سنا اور اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر انھیں دونوں آنکھوں پر لگایا تو وہ کبھی بھی اندھا نہیں ہوگا۔''(۱)

(۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمل

اذان میں جب مؤذن ''أشهد أن محمدا رسول اللہ'' کہے تو جو شخص سنے اس کا اپنے انگوٹھوں کو اسم محمد ﷺ پر چوم کر آنکھوں پر رکھنا خلیفۃ الرسول ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمل ہے۔ امام سخاوی علیہ الرحمۃ مقاصد الحسنہ میں فرماتے ہیں:

''مؤذن سے اذان میں أشهد أن محمدا رسول اللہ سن کر انگشتان شہادت کو پورے جانب باطن سے چوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ پڑھنا اَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِالاسَّلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا ﴿میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے نیک بندے اور اس کے رسول ﷺ ہیں اور میں اللہ سے راضی ہوں کہ وہ رب ہے اور اسلام دین ہے اور محمد ﷺ سے کہ وہ اللہ کے پیارے نبی ہیں۔﴾ دیلمی نے اس حدیث کو الفردوس بماثور الخطاب میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب انہوں نے مؤذن کو أشهد أن محمدا رسول اللہ کہتے سنا تو یہ دعا پڑھی اور دونوں انگشتان شہادت کے پوروں کو چوم کر آنکھوں سے ملایا یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میرے پیارے دوست کی طرح عمل کیا اس پر میری شفاعت حلال ہوگئی۔''(۲)

---

(۱) اسماعیل حقی، روح البیان، ۷: ۲۲۹

(۲) ملا علی قاری، الموضوعات الکبری: ۳۱۶، رقم: ۴۵۳

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کا حدیث پر تبصرہ

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور اگر یہ عمل حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے ثابت عمل ہے تو اس پر عمل کرنا کافی ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم پر میرے بعد میری سنت اور سنت خلفائے راشدین لازم ہے۔''(۱)

(۳) قدیم مصری عالم کا عمل

امام سخاوی علیہ الرحمۃ المقاصد الحسنۃ میں بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''شمس محمد بن صالح المدنی علیہ الرحمۃ امام و خطیب مسجد مدینہ طیبہ نے اپنی تاریخ میں قدماء مصریین میں سے کسی بزرگ مجد علیہ الرحمۃ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک اذان میں سن کر ان پر درود پڑھا اور انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر اس کو چوما اور پھر اپنی آنکھوں پر ملا تو وہ کبھی آشوبِ چشم میں مبتلا نہ ہوگا۔''(۲)

(۴) عراقی اور عجمی شیوخ کا عمل

ابن صالح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے فقیہ محمد بن الزرندی سے سنا، جنھوں نے بعض شیوخ عراق یا عجم کے راویوں سے یوں سنا کہ وہ جب آنکھوں پر انگوٹھے ملتے تو کہتے **صلی اللہ علیك یاسیدی یارسول اللہ، یا حبیب قلبی، و یا نور بصری، و یا نور قرۃ عینی** تو ان دونوں شیوخ میں سے کسی نے مجھ سے کہا کہ جب سے میں نے یہ عمل کیا ہے میری آنکھوں میں کبھی درد نہ ہوا۔''(۳)

---

(۱) عجلونی، کشف الخفاء، ۲: ۲۷۰، رقم: ۲۲۹۶

(۲) سخاوی، المقاصد الحسنہ، ۳۸۴، رقم: ۱۰۲۱

(۳) سخاوی، المقاصدالحسنہ: ۲۸۴، رقم: ۱۰۲۱

۵۔ شمس محمد بن صالح المدنی کا عمل

ابن صالح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

أنا و لله الحمد والشكر منذ سمعته منهما استعملته فلم ترمد عيني و ارجو ان ترنى تدوم وأنى أسلم من العمى ان شاء الله تعالىٰ۔(۱)

’’حمد و شکر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جب سے میں نے ان دونوں شیوخ سے سنا ہے، میں اسی پر عمل پیرا ہوں اور آج تک میری آنکھوں میں درد نہ ہوا اور میں امید رکھتا ہوں کہ میری دونوں آنکھیں ہمیشہ درست رہیں گی اور میں کبھی اندھا نہیں ہوں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔‘‘

۱۲۔ اسم محمد ﷺ کو بوسہ دینے کی برکات

حضور نبی اکرم ﷺ کا نام سن کر بوسہ دینے کی بے شمار برکات ہیں، جن میں سے ایک کا ذکر ائمہ نے خاص طور پر کیا ہے وہ آنکھ کی تمام بیماریوں سے شفایاب ہونا ہے، اسے خصوصاً اندھے پن اور آشوبِ چشم سے نجات ملتی ہے۔ چند ائمہ کرام کے اقوال، واقعات اور مشاہدات درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت وہب بن منبہ کا قول

حضور نبی اکرم ﷺ کے نام مبارک کا بوسہ لینے کے حوالے سے وہب بن منبہ علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کے بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت گنہگار تھا جس نے سو برس تک حق تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کو لوگوں نے گندگی کے ڈھیر میں پھینک دیا:

---

(۱) سخاوی، المقاصد الحسنہ، ۱: ۲۸۴، رقم: ۱۰۲۱

’’پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اُس شخص کو وہاں سے نکالو اور اُس پر نماز پڑھو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب! بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ وہ شخص سو برس تک تیری نافرمانی کرتا رہا۔ ارشاد ہوا: یہ سچ ہے، لیکن اس کی عادت تھی کہ جب تورات کو کھولتا اور محمد کے نام کو دیکھتا تو بوسہ دے کر اُس کو آنکھوں پر رکھ لیا کرتا تھا۔ اس لئے میں نے اس شخص کو اس مبارک عمل کا صلہ اس طرح دیا کہ اُس کو بخش دیا اور ستر حوریں اُس کے نکاح میں دیں۔‘‘(۱)

یہ ادبِ مصطفیٰ ﷺ کا صلہ تھا جو پچھلی امت کے ایک گنہگار فرد کو بخشش و عنایت کی صورت میں دیا گیا۔ تو حضور ﷺ کے غلام اگر آپ ﷺ کے نام مبارک کی تعظیم کرتے ہوئے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگائیں گے تو ان پر عنایات خداوندی کا عالم کیا ہوگا۔

(۲) حضرت خضر علیہ السلام کی روایت

حضرت خضر علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’جس شخص نے مؤذن سے یہ سنا **أشهد أن محمدا رسول الله** اور وہ شخص اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو چومتے ہوئے یہ کہے **مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبدالله** ﷺ. تو نہ کبھی وہ اندھا ہوگا اور نہ کبھی آشوبِ چشم میں مبتلا ہوگا۔‘‘(۲)

(۳) شمس محمد بن ابی نصر البخاری علیہ الرحمة کا قول

طاؤس علیہ الرحمة فرماتے ہیں کہ انہوں نے شمس محمد بن ابی نصر البخاری علیہ الرحمة سے حدیث سنی: جس شخص نے مؤذن سے کلمۃ شہادۃ (**اشهد أن محمدا رسول**

(۱) حلبی، السیرة الحلبیه، ۱: ۸۳

(۲) سخاوی، المقاصد الحسنه: ۳۸۳، رقم: ۱۰۲۱

اللہ) سنا اور انگوٹھے کے ناخنوں کو چوما اور یوں آنکھوں پر ملتے ہوئے یہ دعا پڑھے: **اللھم احفظ حدقتی و نورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ ﷺ ونور ھما۔** تو وہ شخص (کبھی) اندھا نہ ہوگا۔[1]

(۴) بوالحسن علی بن محمد علیہ الرحمۃ کی روایت

ابوالحسن علی بن محمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''جس شخص نے مؤذن سے **اشھد أن محمدا رسول اللہ** سنا اور یہ پڑھا: **مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ ﷺ** اور دونوں انگوٹھوں کو چومتے ہوئے اپنی آنکھوں سے ملے، تو وہ کبھی بھی اندھا نہ ہوگا اور کبھی درد نہ ہوگا۔''[2]

(۵) فقیہ محمد بن السیابا کے بھائی کا واقعہ

درج بالا دعا کے بارے فقیہ محمد بن السیابا علیہ الرحمۃ کے بھائی سے روایت ہے کہ یہ واقعہ ان کے ساتھ پیش آیا:

''ایک دن بہت زور کی ہوا چلی جس کے سبب کچھ ذرات میری آنکھ میں چلے گئے جس کی وجہ سے مجھے شدید درد ہوا مگر وہ کنکری نہ نکل سکی۔ اس وقت میں نے مؤذن کو کہتے سنا (**اشھد أن محمدا رسول اللہ**) اور میں نے یوں دعا پڑھی تو وہ کنکری آنکھ سے نکل گئی یعنی انہوں نے اسم محمد ﷺ پر دعا پڑھی اور انگوٹھوں کو چوما۔ رداد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ بھی حضور ﷺ کے فضائل میں سے ہے۔''[3]

---

(۱) سخاوی، المقاصد الحسنۃ: ۲۸۵، رقم: ۱۰۲۱

(۲) سخاوی، المقاصد الحسنۃ: ۲۸۵، رقم: ۱۰۲۱

(۳) سخاوی، المقاصد الحسنہ: ۳۸۴، رقم: ۱۰۲۱

درود وسلام کی کثرت کے ثمرات

امام یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمۃ اپنی تصنیف ’’**سعادۃ الدّارین في الصّلاۃ علی سیّد الکونین** ﷺ (ص: ۱۲۲۔ ۱۲۵)‘‘ میں کثرت سے درود و سلام پڑھنے کے فوائد وثمرات کے حوالے سے درج ذیل چند حکایات نقل کرتے ہیں:

۱۔ ابو حفص علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ بلخ شہر میں ایک مالدار تاجر رہتا تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ وہ تاجر مرگیا اور اس کے دونوں بیٹوں نے اس کا مال آپس میں تقسیم کرلیا۔ ان کے باپ کے ترکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے تین بال مبارک بھی تھے۔ دونوں نے ایک ایک بال لے لیا اور ایک بال رہ گیا۔ بڑے بھائی نے کہا: ہم بال توڑ کر نصف کر لیتے ہیں۔ دوسرے نے کہا! نہیں بخدا ایسا نہیں ہوسکتا ۔حضور نبی اکرم ﷺ کا بال مبارک تقسیم نہیں کیا جاسکتا، یہ ان کی عظمت کے خلاف ہے۔ اب بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا کہ باپ کے ترکہ میں سے تم یہ تینوں بال مبارک لے لو اور باقی سارا سامان مجھے دے دو۔ چھوٹے نے کہا: مجھے یہ پسند ہے اس نے تینوں بال مبارک حاصل کر لئے اور تینوں بال مبارک اپنی جیب میں رکھ لئے اب وہ ان کو نکالتا ان کی زیارت کرتا اور حضور نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام پڑھتا اور پھر جیب میں رکھ لیتا۔ جب کچھ عرصہ گزرا تو بڑے بھائی کا سارا مال ومتاع ختم ہوگیا اور چھوٹے بھائی کی دولت بڑھ گئی۔ چھوٹا بھائی کچھ عرصہ زندہ رہ کر فوت ہوگیا۔ ایک مرد صالح نے اسے خواب میں دیکھا اور اس کے ہمراہ حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی دیکھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے کہہ دو جس کسی کو اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت ہو تو اس کی قبر پر آئے اور اللہ سے اپنی حاجت کا سوال کرے پس لوگ اس کی قبر پر آنے لگے اب یہ حال تھا کہ جو سوار اس کی قبر کے قریب آتا تو سواری سے اتر جاتا اور پیدل گزرتا۔

۲۔ ایک عورت حضرت حسن بصری علیه الرحمة کی خدمت میں آئی اور عرض کیا یا حضرت! میری بچی فوت ہوگئی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اسے خواب میں دیکھوں۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ نے اس سے فرمایا: نماز عشاء کے بعد چار رکعت نماز پڑھو اور ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ، ایک مرتبہ سورۃ **الھٰکم التکاثر** پڑھو۔ پھر لیٹ جاؤ اور سوتے وقت تک حضور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھتی رہو۔اس نے ایسا ہی کیا پس اس نے خواب میں اس بچی کو عذاب وعقوبت میں گرفتار دیکھا۔ اس پر تانبے کا لباس تھا، ہاتھ جکڑے ہوئے اور پاؤں میں آتشیں بیڑیاں تھیں۔ جب وہ بیدار ہوئی تو حضرت حسن بصری علیه الرحمة کی خدمت میں حاضر ہوئی اور تمام واقعہ عرض کر دیا آپ علیه الرحمة نے فرمایا: کوئی صدقہ کرو! شاید اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے ۔ رات کو حضرت حسن بصری علیه الرحمة سوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ہیں، ایک تخت بچھا ہوا ہے۔ اس پر ایک حسین وجمیل لڑکی ہے جس کے سر پر نور کا تاج ہے۔ کہنے لگی حسن، مجھے پہچانتے ہو؟ حضرت حسن بصری علیه الرحمة نے جواب دیا: نہیں، وہ کہنے لگی میں اسی عورت کی لڑکی ہوں جسے آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم دیا تھا؟ حضرت حسن علیه الرحمة نے کہا: تیری ماں نے تو تیری کچھ اور ہی حالت بتائی تھی جو ایسی نہ تھی لڑکی نے جواب دیا: میری حالت ایسی ہی تھی جیسی میری والدہ نے آپ کو بتائی تھی۔ حضرت حسن علیه الرحمة نے فرمایا: پھر تو اس درجہ تک کیسے پہنچی؟ وہ بولی ہم ستر ہزار لوگ سزا بھگت رہے تھے تو ایک مردِ صالح کا ہماری قبروں پر گزر ہوا اس نے حضور نبی اکرم ﷺ پر ایک بار درود شریف پڑھا اور اس کا ثواب ہم کو ایصال کر دیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا اور ہم سب کو اس عذاب سے آزاد فرما دیا اور مجھے وہ مرتبہ میسر ہوا جو آپ دیکھ رہے ہو۔

۳۔ شیخ ابوحفص عمر بن حسن سمرقندی علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک استاذ کی زبانی ان کے باپ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ میں نے حرم شریف میں ایک شخص کو کثرت سے درود سلام پڑھتے دیکھا، میں نے حرم شریف، بیت اللہ شریف، میدانِ عرفات، منیٰ اور دیگر مقامات پر جہاں بھی اسے دیکھا اس کی زبان پر درود و سلام ہی جاری رہا، میں نے اس شخص سے کہا: بھئی ہر مقام کے لئے مخصوص دعائیں اور افعال ہیں۔ آپ کو کیا ہوا کہ نہ کوئی دوسری دعائیں مانگتے ہو اور نہ کوئی نفل نماز ادا کرتے ہو بس ہر مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھتے جاتے ہو؟ وہ بولا میں بیت اللہ کے حج کی نیت سے خراسان سے اپنے والد کے ہمراہ نکلا جب ہم کوفہ پہنچے تو میرے والد بیمار ہوگئے۔ بیماری شدت اختیار کرگئی اور والد صاحب فوت ہوگئے تو میں نے ان کا چہرہ چادر سے ڈھانپ دیا۔ پھر میں ان سے کچھ وقت غائب رہا جب واپس آیا اور ان کا چہرہ دیکھنے کے لئے میں نے چادر سرکائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان کی صورت گدھے کی سی بن گئی ہے جب میں نے یہ ہولناک منظر دیکھا تو بہت گھبرایا اور ہر طرف سے رنج و الم نے مجھے آ گھیرا۔ میں سخت مغموم و پریشان تھا۔ میں نے دل میں کہا: والد صاحب کا یہ حال میں لوگوں پر کس طرح ظاہر کروں؟

اسی حالت میں میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ہمارے پاس آیا ہے، اس نے میرے والد صاحب کے چہرے سے کپڑا سرکا کر دیکھا اور پھر ڈھانپ دیا، پھر مجھ سے کہا: یہ عظیم رنج و الم کیا ہے جس میں تم گرفتار ہو؟ میں نے کہا: مغموم کیونکر نہ ہوں جب کہ والد صاحب پر یہ مصیبت نازل ہوچکی ہے، اس نے کہا: تمہیں مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد سے یہ مصیبت دور کردی ہے۔ پھر اس شخص نے ان کے رخ سے پردہ ہٹایا تو میں کیا دیکھتا ہوں گویا ان کا چہرہ چمکتا ہوا چاند ہے۔ میں نے انہیں خدا کی قسم دے کر پوچھا کہ سچ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں مصطفیٰ

(ﷺ) ہوں جب یہ سنا تو مجھے عظیم فرحت ومسرت ہوئی۔ میں نے سرکار ﷺ کی چادر کا کونا پکڑ لیا اور اپنے ہاتھوں پر لپیٹ لیا اور میں نے عرض کیا: یا سیدی یا رسول اللہ ﷺ! بخدا آپ مجھے پوری صورتِ حال بتائیں۔ فرمایا: تیرا باپ سود خور تھا اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ سود خور کی شکل وصورت موت کے وقت گدھے کی صورت سے بدل دے گا لیکن تیرے والد کی یہ عادت تھی کہ رات کو سونے سے پہلے مجھ پر سو مرتبہ درود شریف پڑھتا تھا جب سود خوری کی وجہ سے وہ اس ابتلاء کا شکار ہوا تو میرے پاس وہ فرشتہ آیا جو مجھ پر میری امت کے احوال پیش کرتا ہے۔ اس نے مجھے تیرے والد کا حال بتایا پس میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا، اس نے میری شفاعت کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا۔

اس کے بعد میں بیدار ہوگیا۔ میں نے اپنے والد کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر جو دیکھا تو یوں نظر آیا گویا چودھویں کا چاند ہو۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، ان کی تجہیز و تکفین کی اور ان کو دفن کیا، تھوڑا سا وقت ان کی قبر کے پاس بیٹھا رہا۔ میں نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا کہ میں نے ہاتف غیبی کی یہ آواز سنی "تمہیں کچھ معلوم ہے کہ جس عنایت الٰہی نے تمہارے والد کو اپنی آغوش میں لیا ہے اس کا سبب کیا ہے؟" میں نے کہا: میں کچھ نہیں جانتا، ہاتف نے کہا: اس کا سبب حضور نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام پڑھنا ہے۔

۴۔ ایک شخص نے دربار نبوت میں حاضر ہو کر فقر و فاقہ اور تنگیٔ معاش کی شکایت کی تو اس کو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو **السلام علیکم** کہو چاہے کوئی گھر میں ہو یا نہ ہو پھر مجھ پر سلام کرو۔ (**السلام علیك ایھا النبی و رحمة الله وبرکاته**) اور ایک مرتبہ (**قل ھو الله احد** پڑھو۔) اس شخص نے ایسے ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رزق کھول دیا۔ حتی کہ اس کے ہمسایوں اور رشتہ داروں کو بھی اس کے رزق سے نفع پہنچا۔

۵۔ حضرت ابو حفص ابو حداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ ایک

وقت ایسا آیا کہ کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بھوک سخت لگی ہوئی تھی۔ یونہی پندرہ دن گزر گئے۔ جب میں زیادہ ہی نڈھال ہوگیا تو میں نے اپنا پیٹ روضۂ مقدس کے ساتھ لگا دیا اور کثرت سے درود وسلام پڑھا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اپنے مہمان کو کچھ کھلایئے، بھوک نے نڈھال کر دیا ہے۔ وہیں پر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نیند غالب کر دی اور سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے دائیں جانب، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بائیں جانب تھے اور حیدر کرّار رضی اللہ عنہ سامنے تھے۔ مجھے مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اٹھ سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے ہیں، میں اٹھا اور دست بوسی کی۔ آقائے دو جہاں ﷺ نے مجھے روٹی عنایت فرمائی۔ ابھی آدھی کھائی تھی کہ آنکھ کھل گئی۔ جب میں بیدار ہوا تو آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔''

٦۔ ایک نیک صالح بزرگ محمد بن سعید بن مطرف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں نے اپنے اوپر لازم کیا ہوا تھا کہ اتنی مقدار درود وسلام پڑھ کر سویا کروں گا۔ میں اپنے اس عہد کے مطابق روزانہ درود پڑھتا رہا۔ ایک دن میں اپنے بالا خانے میں درود پاک پڑھ کر بیٹھا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی۔ اتفاق سے میری بیوی بالا خانے میں سوئی ہوئی تھی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ذات گرامی جس پر میں درود وسلام پڑھا کرتا تھا یعنی آقائے دو جہاں ﷺ بالا خانے کے دروازے سے اندر تشریف لائے تو حضور نبی اکرم ﷺ کے نور سے بالا خانہ جگمگا اٹھا، نور ہی نور ہوگیا۔ پھر سرکارِ دو عالم محبوبِ کبریا صاحبِ لولاک ﷺ میرے قریب تشریف لائے اور فرمایا: اے میرے پیارے امتی! جس منہ سے مجھ پر درود وسلام پڑھا کرتا تھا میرے قریب لا! میں اس کو بوسہ دوں۔ مجھے یہ سوچ کر (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) شرم آئی تو میں نے اپنا منہ پھیر لیا۔ رحمت عالم نور مجسم ﷺ نے میرے رخسار پر بوسہ دیا تو کستوری سے بڑھ کر خوشبو مہکی اور اس خوشبو کی مہک سے میری بیوی

بیدار ہوگئی اور ہم کیا دیکھتے ہیں کہ سارا گھر خوشبو سے مہک رہا تھا اور میرے رخسار سے آٹھ دن تک خوشبو کی لپٹیں نکلتی رہیں۔

۷۔ حضرت سفیان بن عینہ علیہ الرحمۃ، حضرت خلف علیہ الرحمۃ سے نقل کرتے ہیں کہ میرا ایک دوست تھا جو میرے ساتھ حدیث پڑھتا تھا۔ اس کا انتقال ہوگیا۔ میں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ نئے سبز کپڑوں میں دوڑتا پھر رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا: حدیث پڑھنے میں۔تو ہمارے ساتھ تھا پھر یہ اعزاز و اکرام تیرا کس بات پر ہو رہا ہے۔ اس نے کہا کہ احادیث تو تمہارے ساتھ ہی لکھا کرتا تھا لیکن جب بھی حضور اقدس ﷺ کا اسم مبارک حدیث میں آتا اس کے نیچے صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیتا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے بدلے میں میرا یہ اکرام فرمایا جو تم دیکھ رہے ہو۔

۸۔ حضرت ابو سلیمان محمد بن حسین حرانی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابو سلیمان! جب تو حدیث مبارکہ میں میرا نام لیتا ہے، اس پر درود بھی پڑھتا ہے تو پھر وسلم کیوں نہیں پڑھتا! یہ چار حروف ہیں اور ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔

۹۔ حضرت محمد بن ابی سلیمان علیہ الرحمۃ نے کہا کہ میں نے اپنے والد گرامی کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی۔ میں نے پوچھا کس عمل پر؟ انہوں نے فرمایا: میں ہر حدیث مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ پر درود لکھا کرتا تھا۔

۱۰۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا ہے کہ میرا ایک ہمسایہ فوت ہوگیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ اس نے جواب دیا حضرت آپ کیا پوچھتے ہیں؟ بڑے بڑے خوفناک منظر میرے سامنے

آئے، منکر ونکیر کے سوال و جواب کا وقت بڑا ہی خطرناک اور دشوار تھا حتی کہ میں سوچ میں پڑ گیا کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے یا نہیں۔ اچانک مجھ سے کہا گیا کہ دنیا میں تیری زبان بے کار رہی اس وجہ سے تجھ پر مصیبت آئی ہے پھر جب عذاب کے فرشتوں نے مجھے مارنے کا قصد کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے اور ان فرشتوں کے درمیان ایک نوری انسان حائل ہوگیا جو کہ نہایت حسین وجمیل تھا، جس کے جسم پاک سے خوشبو مہکتی تھی وہ منکر ونکیر کے سوالات کے جوابات مجھ پر پڑھاتا گیا اور میں فرشتوں کو جواب دیتا گیا اور میں کامیاب ہوگیا پھر میں نے اس نوری انسان سے پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ میں تیرا وہ درود ہوں جو دنیا میں اللہ کے پیارے رسول حضور نبی اکرم ﷺ پر پڑھتا تھا۔ اب تو فکر نہ کر، میں تیرے ساتھ رہوں گا۔ قبر میں، حشر میں، پل صراط میں، ہر مشکل کے وقت میں تیرے ساتھ رہوں گا اور تیرا مددگار رہوں گا۔

۱۱۔ حضرت شیخ ابو الحسن بن حارث لیثی علیہ الرحمۃ (جو کہ پابند شرع اور متبع سنت اور درود وسلام کی کثرت کرنے والے تھے) فرماتے ہیں کہ مجھ پر گردش کے دن آگئے۔ فقر و فاقہ کی نوبت آنے لگی اور عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ عید آگئی اور میرے پاس کوئی چیز نہ تھی کہ جس سے بچے عید مناسکیں۔ جب عید کی رات آئی تو وہ میرے لئے نہایت ہی کرب و پریشانی کی رات تھی۔ رات کی کچھ گھڑیاں گزری ہوں گی کہ کسی نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرے دروازے پر کچھ لوگ ہیں۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کافی لوگ ہیں۔ انہوں نے شمعیں اٹھائی ہوئیں ہیں اور ان میں سے ایک سفید پوش جو کہ اپنے علاقے کا رئیس تھا وہ آگے آیا ہم حیران رہ گئے کہ یہ اس وقت کیوں آئے ہیں۔ اس رئیس نے بتایا کہ میں آپ کو بتاؤں کہ ہم کیوں آئے ہیں۔ آج رات میں سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ شاہِ کونین امت کے والی حضور نبی اکرم ﷺ تشریف

لائے ہیں اور مجھے فرمایا کہ ابو الحسن اور اس کے بچے بڑی تنگدستی اور فقر و فاقہ کے دن گزار رہے ہیں۔ تجھے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے تمہیں ان کی خدمت کرنی چاہیے۔ اس کے بچوں کے کپڑے لے جاؤ اور دیگر ضروریات خرچہ وغیرہ تاکہ وہ اچھے طریقے سے عید منا سکیں اور خوش ہو جائیں۔ لہٰذا یہ کچھ سامانِ عید قبول کیجئے اور میں درزی بلا کر ساتھ لایا ہوں جو یہ کھڑے ہیں آپ بچوں کو بلائیں تاکہ ان کے لباس کی پیمائش کریں اور ان کے کپڑے سل جائیں پھر اس نے درزیوں کو حکم دیا کہ پہلے بچوں کے کپڑے تیار کریں بعد میں بڑوں کے۔ لہٰذا صبح ہونے سے پہلے پہلے سب کچھ تیار ہو گیا اور صبح کو گھر والوں نے خوشی خوشی عید منائی یہ برکتیں ساری درود پاک کی ہیں۔

درود وسلام پڑھنے کے آداب

درود وسلام پڑھتے وقت تعظیم و تکریم اور تواضع و انکساری کا اظہار علامتِ محبت ہے کیونکہ ہر محبّ اپنے محبوب کا ذکر نہایت ادب و احترام اور تواضع سے کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آقا علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ذکر نہایت خشوع وخضوع سے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ حضرت عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے پاس جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہوتا تو اتنا روتے کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو خشک ہو جاتے۔[1]

درود وسلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلبی و جبی تعلق جوڑنے کا نام ہے۔ اس کو جتنا ذوق و شوق اور وارفتگی سے پڑھا جائے اتنا ہی کم ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے وقت ظاہری اور باطنی ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کیونکہ یہ تقاضائے محبت و عقیدت بھی ہے اور علامت ایمان بھی۔ اس لئے بارگاہ رسالت

(۱) نبہانی، سعادۃ الدارین: ۲۲۰

مآب ﷺ میں درود و سلام پیش کرتے ہوئے مندرجہ ذیل آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ درود و سلام پڑھنے سے قبل ظاہری صفائی کا اہتمام کرنا کیونکہ ہر عبادت کے لئے طہارت و پاکیزگی شرط ہے۔ اس لئے درود و سلام پڑھتے وقت جسم و لباس کا صاف ستھرا ہونا ضروری ہے۔

۲۔ جس جگہ درود و سلام پڑھا جا رہا ہو اس کا پاک صاف ہونا ضروری ہے اور ایسی جگہ پر درود و سلام پڑھنے سے گریز کیا جائے جہاں پر ظاہری اور باطنی غلاظت اور گندگی کا احتمال ہو۔

۳۔ درود و سلام پڑھتے ہوئے خوشبو لگانا مستحب ہے حضور نبی اکرم ﷺ خوشبو بہت پسند فرماتے تھے۔

۴۔ درود و سلام باوضو ہو کر پڑھنا چاہیے اگرچہ بغیر وضو کے درود و سلام پڑھنا بھی جائز ہے لیکن باوضو پڑھنا آداب میں شامل ہے۔

۵۔ درود و سلام کو دو یا چار زانو ہو کر، قبلہ رخ منہ کر کے اور آنکھیں بند کر کے پڑھا جائے۔

۶۔ درود و سلام معتدل (درمیانی) آواز میں آہستہ آہستہ ترتیب کے ساتھ پڑھنا افضل ہے اور اگر محبت سے خوبصورت اور دلکش انداز میں پڑھا جائے تو کیف و سرور آئے گا اور دل کے تار بجنے لگیں گے اور حضور نبی اکرم ﷺ سے تعلقِ محبت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اپنے نبی ﷺ پر خوبصورت انداز میں درود بھیجا کرو تمہیں کیا معلوم کہ وہ آپ ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے۔''(۱)

۷۔ امام نبہانی علیہ الرحمۃ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

---

(۱) ابو نعیم، حلیۃ الأولیاء، ۴: ۲۷۱

’’جو مسلمان حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر کرے یا جس کے پاس سرکار دوعالم ﷺ کا ذکر کیا جائے اس پر واجب ہے کہ وہ خشوع و خضوع سے، آپ ﷺ کا وقار پیشِ نظر رکھتے ہوئے، بغیر حرکت کئے حضور نبی اکرم ﷺ کی ہیبت و جلالت کو اس طرح ملحوظ خاطر رکھے جس طرح آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت ملحوظ خاطر رکھتا ہے اور اسی طرح آپ ﷺ کا ادب و احترام کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ ﷺ کا ادب سکھایا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ہمارے سلفِ صالحین اور ائمہ و محدثین کا یہی دستور تھا۔‘‘(۱)

۸۔ درود وسلام پڑھتے ہوئے دل و دماغ کو حاضر رکھنا بہت ضروری ہے اور دل کو ہر طرح کے وسوسوں، دنیوی خیالات سے پاک کرکے پوری توجہ و دھیان سے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ درود وسلام پیش کرنا چاہیئے۔ امام مالک علیہ الرحمۃ کے سامنے جب حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو آپ علیہ الرحمۃ کا رنگ بدل جاتا اور نالہ کناں ہو جاتے یہاں تک کہ ہم نشینوں پر سخت گراں گزرتا۔(۲)

۹۔ درود وسلام ذوق و شوق اور یکسوئی سے پڑھنا چاہیئے اور پڑھنے والا سمجھے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہے اور آپ ﷺ کی چشمان مقدس، واللّیل زلفوں اور چہرۂ والضّحی کا تصور کرے۔ امام نبہانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ امام زہری علیہ الرحمۃ لوگوں سے ہمیشہ گھلے ملے رہتے تھے۔ جب ان کے سامنے حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکرِ خیر کیا جاتا تو اس طرح ہو جاتے جیسے نہ کوئی انہیں پہچانتا ہے اور نہ وہ کسی کو پہچانتے ہیں۔(۳)

---

(۱) نبہانی، سعادۃ الدارین، ۱: ۲۲۰

(۲) نبہانی، سعادۃ الدارین، ۱: ۲۲۰

(۳) نبہانی، سعادۃ الدارین، ۱: ۲۲۰

تارکِ درود وسلام کے لئے وعید

بارگاہِ رسالت ﷺ میں درود نہ بھیجنے والا اللہ کی رحمت اور فضل سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ فیوض و برکات جو درود وسلام کی بدولت حاصل ہوتے ہیں نہ پڑھنے والے کو حاصل نہیں ہوتے بلکہ احادیث مبارکہ میں درود وسلام نہ پڑھنے والے کی بڑی مذمت بیان ہوئی ہے۔

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ خَطِئَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ۔ (۱)

''جو مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا وہ بہشت کی راہ بھول گیا۔''

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔ (۲)

''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الْبَخِيْلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فلم يُصَلِّ عَلَيَّ۔ (۳)

---

(۱) ابن ماجة، السنن، كتاب إقامة الصّلاة و السنّة فيها، باب الصّلاة على النّبي ﷺ، ۱: ۲۹۱، رقم: ۹۰۸

(۲) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الدعوات، باب في فَضْلِ التَّوْبَةِ وَالاَسْتِغْفَارِ وَمَا ذُكِرَ منْ رَحْمَةِ اللهِ بِعِبَادِهِ، ۵: ۵۱۳، رقم: ۳۵۴۵

(۳) ترمذی، الجامع الصّحيح، أبواب الدّعوات، باب في فَضْلِ التَّوْبَةِ وَالاَسْتِغْفَارِ وَمَا ذُكِرَ منْ رَحْمَةِ اللهِ بِعِبَادِهِ، ۵: ۵۱۴، رقم: ۳۵۴۶

''وہ آدمی بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل امین میرے پاس آئے اور کہا:

وَمَنْ ذُكِرْتَ، عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَماتَ فَدَخَلَ النَّارَ ۔(۱)

''جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور اس نے درود نہ پڑھا پھر وہ مرگیا وہ دوزخ میں ہوگا۔''

۵۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

من لم يصلّ فلا دين له۔(۲)

''جو مجھ پر درود نہیں پڑھتا اس کا دین نہیں۔''

۶۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي مَجْلِسٍ، فَتَفَرَّقُوا وَلَمْ يَذْكُرُوا اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَيُصَلُّوا عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِلَّا مَجْلِسُهُمْ تِرَةً عَلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔(۳)

''جو قوم کسی مجلس میں اکٹھی ہوئی اور پھر (اس مجلس میں) اللہ تعالیٰ کا ذکر اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے بغیر منتشر ہوگئی تو وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے روز باعثِ حسرت بننے کے سوا اور کچھ نہیں ہوگی۔''

---

(۱) ابن حبان، الصحيح، ۳: ۱۸۸، رقم: ۹۰۷

(۲) هيثمى، مجمع الزوائد، ۱: ۲۹۵

(۳) أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۴۶، رقم: ۹۷۶۳

باب ہفتم

دعا اور آدابِ دعا

دُعا کا معنی و مفہوم

لفظِ دُعا، مصدر ہے، اس کا مادہ (د۔ ع۔ و) اور فعل دَعَا از باب نَصَرَ ہے۔ اس کی اصل دُعَاوٌ تھی، الف زائدہ کے بعد آخر کلمہ میں ہونے کی وجہ سے واؤ کو ہمزہ میں بدل دیا گیا اور دُعَاءٌ بن گیا۔ لغت میں اس کے معنی بلانا، پکارنا، عبادت کرنا، مدد طلب کرنا اور سوال کرنا وغیرہ کے ہیں۔[1]

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر لفظ دعا مذکورہ بالا معانی میں استعمال ہوا ہے۔ چند آیات کے حوالہ جات درج ذیل ہیں:

۱۔ الانعام، ۶: ۷۱

۲۔ الاعراف، ۷: ۵

۳۔ الانبیاء، ۲۱: ۱۵

۴۔ النور، ۲۴: ۶۳

۵۔ المومن، ۴۰: ۴۳

۶۔ المعارج ۷۰: ۱۷

دعا کا اصطلاحی مفہوم واضح کرتے ہوئے امام ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔ ۸۵۴ھ) ''فتح الباری'' میں علامہ طیبی علیہ الرحمۃ کا قول نقل کرتے ہیں:

هُوَ إِظْهَارُ غَايَةِ التَّذَلُّلِ وَالِا فْتِقَارِ إِلَى اللهِ وَالْإِسْتِكَانَةِ لَهُ.[2]

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۴: ۲۵۷

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۹۵

’’اللہ ﷻ کی بارگاہ میں غایت درجہ تواضع، محتاجی اور عاجزی و انکساری کا اظہار کرنا دعا کہلاتا ہے۔‘‘

صوفیاء کرام کے نزدیک دعا سے مراد درج ذیل امور ہیں:

۱۔ حیاء کی زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے آنے کا نام دعا ہے۔

۲۔ دعا گناہوں کو ترک کر دینے کا نام ہے۔

۳۔ دعا محبوب سے ملاقات کے لئے اشتیاق کی ترجمانی ہے۔

۴۔ دعا محبوبِ حقیقی سے ایک قسم کی باہمی پیغام رسانی ہے۔ جب تک یہ سلسلہ قائم رہے، تب تک معاملہ ٹھیک رہتا ہے۔[۱]

دعا کی اَہمیت و فضیلت

خوشی اور غمی کے اثرات قبول کرنا انسانی فطرت میں شامل ہے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص خوشی کے لمحات میں خدائے عظیم کے حضور ہدیہ تشکر بجا لائے یا نہ لائے لیکن غمی اور پریشانی کے عالم میں وہ اپنے پروردگار کو نہیں بھولتا۔ اس وقت اس کے نہاں خانۂ دل سے صدائے فریاد نکلتی ہے، اس کے ہاتھ بے ساختہ دعا کے لئے اٹھ جاتے ہیں اور اس کا سر عجز و نیاز کی حالت میں خشوع و خضوع سے سجدے میں جھک جاتا ہے۔ اس غائت درجہ اضطراری و بے اختیاری کی کیفیت میں اس کے ہونٹ ہلنے لگتے ہیں اور وہ گڑگڑا کر عاجزی و بے چارگی کی حالت میں اپنے پروردگار کو پکارنے لگتا ہے اور اس کے ہونٹوں پر آنے والے کلمات جو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلتے ہیں دعا کا روپ دھار لیتے ہیں۔

دعا مانگنے کا عمل رقت انگیزی اور اثر آفرینی کے اعتبار سے اس قدر کیف و لذت اور سوز و ساز کا حامل ہے اور انسان اپنے آپ کو اپنے خالق مالک سے اس درجہ

(۱) قشيري، الرسالة القشيرية: ۲۷۰

قریب محسوس کرتا ہے کہ بار بار مانگنا اس کو گراں نہیں گزرتا اور وہ اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ اس کی لذت و حلاوت دو چند ہو جاتی ہے۔ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ محض سعی پیہم اور جدوجہد پر بھروسہ کرنا ہی کافی نہیں بلکہ کامیابی کے حصول کے لئے دعا کی ناگزیریت و اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انسان بھرپور کاوش اور سعی وعمل کے باوصف ہر قدم پر نصرت و تائیدِ الٰہی کا محتاج ہے۔مشاہدہ بتاتا ہے کہ باوجود اپنی تمام تر عقل و دانش اور فہم و فراست کے زیرک سے زیرک انسان بھی اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور قول - **عرفت ربّی بفسخ العزائم** (میں نے اپنے پروردگار کو ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا) - اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ دعا ہمارے ارادوں، آرزؤوں اور خواہشوں میں قوت وتوانائی پیدا کرتی اور راہِ عمل میں پیش آنے والی مشکلات اور رنج و آلام کو دور کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ دعا سے دل کو طمانیت و سکون کی دولت نصیب ہوتی ہے اور وہ بحالتِ دعا بندہ اپنے خالق و مالک کے انتہائی قریب ہوتا ہے۔اس حال میں رحمتِ ایزدی اس کے شریک حال ہو جاتی ہے۔

ایک سچے مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ تنگی اور آسانی ہر حال میں بارگاہِ صمدیّت میں دستِ دعا دراز کرے۔ دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف مصیبت اور پریشانی کے وقت اللہ کو یاد کرتے اور اس کی بارگاہ میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔مگر جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو دعا کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔یہ عمل اللہ ﷻ کو ناپسند ہے۔ قرآن حکیم ایسے لوگوں کی مذمت میں فرماتا ہے:

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱)

’’اور جب (ایسے) انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں اپنے پہلو پر لیٹے یا

(۱) یونس، ۱۰: ۱۲

بیٹھے یا کھڑے پکارتا ہے پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ (ہمیں بھلا کر اس طرح) چل دیتا ہے گویا اس نے کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی ہمیں (کبھی) پکارا ہی نہیں تھا۔ اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کے لئے ان کے (غلط) اَعمال آراستہ کر کے دکھائے گئے ہیں جو وہ کرتے رہے تھے۔‘‘

قرآن حکیم نے ایک اور مقام پر انسان کی اس بری خصلت کو یوں بیان فرمایا:

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْباً اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ۔(۱)

’’اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے پکارتا ہے پھر جب (اﷲ) اُسے اپنی جانب سے کوئی نعمت بخش دیتا ہے تو وہ اُس (تکلیف) کو بھول جاتا ہے جس کے لئے وہ پہلے دعا کیا کرتا تھا۔‘‘

ا۔ دعا مانگنے کی ترغیب

دعا اپنے دامن میں اس قدر خوبیاں اور فوائد سمیٹے ہوئے ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی مذہب ایسا ہو جس نے دعا کی ترغیب نہ دی ہو۔ دعاء مانگنا دراصل بارگاہِ الٰہیہ میں اپنی عبودیت و مسکنت، عجز و نیاز، فقر و احتیاج کا اظہار اور اس امر کا اعلان ہے کہ دعا مانگنے والا اپنے آپ کو اﷲ تعالیٰ کے فضل و کرم کا محتاج سمجھتا ہے۔ اﷲ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مختلف طریقوں سے دعا کی تلقین و ترغیب فرمائی ہے اور اسے قبول کرنے کا حتمی وعدہ بھی فرمایا ہے۔ اس حوالے سے چند آیات کریمہ درج ذیل ہیں:

---

(۱) الزمر، ۳۹: ۸

۱۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ○(۱)

''اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہئے کہ میری فرمانبرداری اختیار کریں اور مجھ پر پختہ یقین رکھیں تاکہ وہ راہِ (مراد) پا جائیں○''

۲۔ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ○(۲)

''اور زمین میں اس کے سنور جانے (یعنی ملک کا ماحولِ حیات درست ہو جانے) کے بعد فساد انگیزی نہ کرو اور (اس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت کی) امید رکھتے ہوئے اس سے دعا کرتے رہا کرو، بیشک اللہ کی رحمت احسان شعار لوگوں (یعنی نیکوکاروں) کے قریب ہوتی ہے○''

۳۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ○(۳)

''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو میں ضرور قبول کروں گا، بیشک جو لوگ میری بندگی سے سرکشی کرتے ہیں وہ عنقریب دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے○''

۴۔ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ

(۱) البقرہ، ۲: ۱۸۶

(۲) الاعراف ۷: ۵۶

(۳) المومن، ۴۰: ۶۰

خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ط ءَ اِلٰـهٌ مَّعَ اللهِ ط قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○[1]

’’بلکہ وہ کون ہے جو بے قرار شخص کی دعا قبول فرماتا ہے جب وہ اسے پکارے اور تکلیف دور فرماتا ہے اور تمہیں زمین میں (پہلے لوگوں کا) وارث و جانشین بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو○‘‘

مذکورہ بالا آیات کریمہ کی تائید میں احادیث مبارکہ میں بھی کثرت سے دعا کی اہمیت وفضیلت بیان ہوئی ہے اور اللہ ﷻ سے دعا مانگنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

سَلُوا اللهَ من فَضْلِهِ، فَإِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُحِبُّ أَنْ يُسْأَلَ، وَأَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اِنتظارُ الْفَرَجِ۔[2]

’’اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو! بیشک اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ اس سے مانگا جائے اور بہترین عبادت (صبر کے ساتھ) فراخی کا انتظار ہے۔‘‘

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِي صَعِيْدٍ وَاحِدًا فَسَأَلُوْنِي. فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخيَطُ إِذَا أَدْخِلَ الْبَحرَ۔[3]

---

(۱) النمل، ۲۷: ۶۲

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوت، باب في انتظار الفرج وغير ذلك، ۵: ۵۳۲، رقم: ۳۵۷۱

(۳) مسلم، الصحيح، كتاب البر و الصلة و الأدب، باب تحريم الظلم، ۴: ۱۹۹۴، رقم: ۲۵۷۷

اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کا سوال پورا کردوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہوگا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر (نکالنے سے) اس میں کمی ہوتی ہے۔

امام قشیری علیہ الرحمۃ (۳۷۶۔۴۶۵ھ) حضرت سہل بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ کا فرمان نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے فرمایا: مجھ سے باتیں کرو۔ اگر یہ نہ کرسکو تو میری طرف دیکھو۔ اگر یہ بھی نہ کرسکو تو میری بات کو سنو۔ اگر یہ بھی نہ کرسکو۔ تو میرے دروازے پر رہو اور اگر یہ بھی نہ کرسکو تو میرے پاس اپنی ضرورتوں کو لاؤ۔[1]

حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ ''فتوح الغیب'' میں دعا کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اے بندہ مومن! یہ نہ کہہ کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کروں گا کیونکہ جو میری قسمت میں ہے چاہے مانگوں یا نہ مانگوں وہ مجھے مل جائے گا۔ بلکہ اے بندے! دنیا و آخرت کی ہر وہ بہتر چیز جس کی تجھے حاجت ہے بشرطیکہ وہ حرام یا فساد کا سبب نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے طلب کر۔ یہ نہ کہہ کہ میں اس سے سوال کرتا ہوں اور میرا سوال شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرتا۔ اس لیے میں اس سے سوال نہیں کرتا۔ اے بندہ خدا! ہمیشہ تو اپنے رب سے مانگتا رہ۔ وہ چیز جس کا تو سوال کرتا ہے۔ اگر تیری قسمت میں ہے تو تیری دعا کے بعد تجھے عطا کردی جائے گی۔ اس وقت یہ عطا تیری توحید میں استقامت پیدا کرے گی اور مخلوق سے بے نیازی، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اسی کی ذات پاک تمام حاجات کی روائی کا باعث بن کر ایمان و یقین میں اضافہ کرے گی۔ اگر وہ چیز تیری قسمت میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے تجھے بے نیازی اور حالتِ فقر میں رضامندی کی عظیم دولت عطا کرے گا۔ اگر محتاجی اور بیماری ہے تو تجھے اس میں راضی

---

(۱) قشيري، الرسالة القشيرية: ۲۶۴

کرے گا اور اگر تو مقروض ہے تو قرض خواہ کو سختی سے نرمی اختیار کرنے یا تیری سہولت تک تاخیر کرنے یا معاف کرنے یا کم کر دینے پر مائل کر دے گا۔ ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے۔ اگر وہ قرض دنیا میں نہ دیا تو آخرت میں عظیم ثواب عطا فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کریم ہے، بے نیاز اور رحیم ہے اپنے بندہ سائل کو ناامید نہیں کرتا۔ اس کا فائدہ انسان کو ضرور پہنچتا ہے، دنیا میں ملے چاہے آخرت میں۔''(۱)

۲۔ بارگاہِ اُلوہیّت میں دعا کی قدر و قیمت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ شَيءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللهِ تَعَالَى مِنَ الدُّعَاءِ۔ (۲)

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا سے زیادہ کوئی چیز محترم و مکرم نہیں ہے۔''

۳۔ دعا ہر عبادت کا مغز ہے

دعا خواہ طلبِ مغفرت و بخشش کے لئے ہو یا کسی حاجت روائی اور ضرورت کو پورا کرنے کے ہو وہ بہر صورت عبادت ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنهما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الدُّعَاءُ هو العِبَادَةُ۔ (۳)

---

(۱) عبد القادر جيلانی، فتوح الغيب: ۸۸، ۸۹

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الدعوات عن رسول الله، باب ما جاء فی فضل الدعاء، ۵: ۳۸۵، رقم: ۳۳۷۰

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۳: ۱۵۱، رقم: ۸۷۰

(۳) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، ۵: ۸۰، رقم: ۲۹۶۹

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الصلاة، باب الدعاء، ۱: ۵۵۰، رقم: ۱۴۷۹

''دعا عبادت ہے۔''

دعا نہ صرف خود عبادت ہے بلکہ ہر عبادت کا خلاصہ اور مغز ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الدُّعَاءُ مُخُّ العِبَادَةِ۔ (۱)

''دعا عبادت کا مغز ہے۔''

۴۔ دعا قضائے حاجات کی چابی ہے

دعا قضائے حاجات کی چابی، فاقہ کشوں کے لئے سامانِ راحت، مجبوروں کے لئے جائے پناہ اور حاجت مندوں کے لئے آرام کا سبب ہے۔ ایک مشہور مقولہ ہے:

الدّعاء مفتاحُ الحاجة، و أسنانه لقم الحلال۔ (۲)

''دعا حاجت کی کنجی ہے اور اس کے دندانے حلال کے لقمے ہیں۔''

حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ في العُمرِ إِلَّا البِرُّ۔ (۳)

''تقدیر کو دعا ہی بدل سکتی ہے اور نیکی ہی سے عمر بڑھتی ہے۔''

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ماجاء فی فضل الدعاء، ۵: ۳۸۶، رقم: ۳۳۷۱

(۲) قشيري، الرسالة القشيرية: ۲۶۷

(۳) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب القَدَر، باب ماجاء لَا يَرُدُّ القدرَ إِلَّا الدُّعاء، ۴: ۱۸، رقم: ۲۱۳۹

نے فرمایا: ''زمین پر رہائش پذیر کوئی مسلمان جب دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور وہ چیز عطا فرماتا ہے یا اس سے اس کی مثل برائی دور کر دیتا ہے۔ جب تک گناہ یا قطع رحم (رشتہ داری ختم کرنے) کی دعا نہ کی ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا (یا رسول اللہ) اب تو ہم بہت مانگیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ عطا فرمانے والا ہے۔''(۱)

امام قشیری علیہ الرحمۃ (۳۷۶۔۴۶۵ھ) حضرت عبد اللہ علیہ الرحمۃ کا قول نقل کرتے ہیں: ''ایک بار میں حضرت جنید علیہ الرحمۃ کے پاس تھا کہ ایک عورت نے آ کر عرض کیا: میرا بیٹا گم ہوگیا ہے۔ آپ دعا فرمائیں۔ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جاؤ صبر کرو، وہ چلی گئی اور اگلے دن اپنے مطلب کو دوبارہ بیان کیا۔ حضرت جنید علیہ الرحمۃ نے پھر وہی جواب دیا کہ جاؤ صبر کرو۔ عورت چلی گئی مگر پھر واپس آ گئی۔ اس طرح اس نے کئی بار کیا اور حضرت جنید علیہ الرحمۃ نے ہر بار یہی کہا کہ صبر کرو۔ آخر کار اس نے کہا: اب میرے صبر کا پیمانہ چھلک چکا ہے اور مزید صبر کی طاقت نہیں ہے۔ لہٰذا میرے لیے دعا فرما دیں۔ حضرت جنید علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو جاؤ تمہارا بیٹا واپس آ چکا ہے۔ وہ گئی تو اس کا بیٹا آ چکا تھا۔ پھر وہ شکریہ ادا کرنے کے لئے حضرت جنید علیہ الرحمۃ کے پاس آئی۔ دریافت کیا گیا کہ آپ علیہ الرحمۃ نے کیسے معلوم کرلیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَ یَجۡعَلُکُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ۔(۲)

''بلکہ وہ کون ہے جو بے قرار شخص کی دعا قبول فرماتا ہے جب وہ اسے پکارے اور تکلیف دور فرماتا ہے اور تمہیں زمین میں (پہلے لوگوں کا) وارث و جانشین بناتا ہے۔''(۳)

---

(۱) ترمذی الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب في انتظارِ الفرج وغیر ذلك، ۵: ۵۳۳، ۵۳۴، رقم: ۳۵۷۳

(۲) النمل، ۲۷: ۶۲

(۳) قشیري، الرسالة القشیریة: ۲۶۴

۵۔ دعا بنیادی ضرورتوں کی کفیل ہے

انسانی معاشرے میں بہت کم لوگ اتنے مضبوط اعصاب کے مالک ہوں گے جو زندگی کی مشکلات جھیلنے کے اکیلے ہی متحمل ہوسکیں۔ بعض اوقات پریشانیاں اس قدر داخلی اور شخصی نوعیت کی ہوتی ہیں کہ انسان ان کا ذکر اپنے کسی عزیز ترین دوست اور رشتہ دار سے کرتے ہوئے بھی جھجکتا ہے۔ دعا غموں اور پریشانیوں کے اس بوجھ کو کم کرنے کا بہترین اور آسان ذریعہ ہے۔ یہ ہماری بنیادی ضرورتوں کی کفیل بن کر ہمیں احساسِ تنہائی سے نکالتی ہے۔ یہ امرِ مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی وجہ سے اعصابی تناؤ کا شکار ہو یا کسی روحانی کرب میں مبتلا ہو تو ماہرِ نفسیات اسے ان تکالیف و مشکلات کو کسی اپنے کے سامنے بیان کرنے کا مشورہ دے گا۔ اس کا مقصد اس شخص کے دل و دماغ پر موجود بوجھ کو ہلکا کرنا ہوتا ہے۔ دعا میں بھی انسان اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے جو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے اپنی مشکلات کا ذکر کرتا ہے۔ اس عمل سے اسے ذہنی آسودگی نصیب ہوتی ہے اور دل سے بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اس امر کی تلقین فرمائی ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی حاجت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سَلوا اللہ ما بدالکم من حوائجکم حتی شِسع النّعل فإنّہ إن لم یُیَسرہ لم یَتَیَسَّرْ۔(۱)

’’اپنی ضروریات میں سے جو بھی مانگنا چاہتے ہو اللہ سے مانگو یہاں تک کہ اپنے جوتے کا تسمہ بھی (اسی سے مانگو) کیونکہ اگر اس کی (عطا کرنے میں) رضا نہ ہوتو وہ (جوتے کا تسمہ) بھی میسر نہ ہو۔‘‘

حضرت بکر بن عبد اللہ المزنی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۴۱، رقم: ۱۱۱۸

فرمایا کرتے تھے:

سَلُوْا اللّٰہَ حَوَائِجَکُمْ حَتیَّ الْمِلْحَ۔ (۱)

’’اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات کا سوال کرو خواہ وہ نمک ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

٦۔ دعا شرک سے بچاؤ کا ذریعہ ہے

امام بخاری علیه الرحمة ’’الأدب المفرد‘‘ میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنھما سے بیان کرتے ہیں: ’’میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! شرک کا حصہ تم لوگوں میں چیونٹی کی چال سے بھی خفیف تر ہوتا ہے۔ اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے علاوہ اور بھی کسی صورت میں شرک ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔شرک کا حصہ چیونٹی کی چال سے بھی خفیف تر ہوتا ہے۔کیا تمہیں وہ دعا نہ بتا دوں کہ اگر وہ اپنا معمول بنا لیا کرو تو شرک کا قلیل و کثیر سب تم سے دفع ہو جائے، فرمایا:

قل اللّٰهُمَّ إِنّی أعُوذُ بكَ أن أشرك بكَ و أنا أعلم، و أستغفرك لما لا أعلم۔ (۲)

کہو اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں جان بوجھ کر تیرے ساتھ کسی کو شریک کروں اور جو میں نہیں جانتا ہوں اس کے لئے تجھ سے مغفرت کا طالب ہوں۔‘‘

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۴۲، رقم: ۱۱۳۰

(۲) بخاری، الأدب المفرد: ۷۱٦

۷۔ دعا بخشش و مغفرت کا ذریعہ ہے

دعا لمحہ بہ لمحہ ہماری زندگی کی ساتھی اور انیسِ جاں ہے۔ دعا نہ صرف زندگی میں قدم قدم پر ہمارا سہارا بنتی ہے بلکہ عالمِ برزخ میں بھی ہماری ترقی مدارج کا باعث بنے گی۔

امام ترمذی علیہ الرحمۃ (۲۱۰۔۲۷۹ھ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ قدسی نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے انسان! جب تک تو مجھ سے دعا کرتا اور امید رکھتا رہے گا میں تیرے گناہ بخشتا رہوں گا، چاہے تجھ میں کتنے ہی گناہ کیوں نہ ہوں، مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اے انسان! اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر تو بخشش مانگے تو میں بخشش دونگا، مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اے انسان! اگر تو زمین بھر گناہ بھی کرکے میرے پاس آئے لیکن تو نے شرک نہ کیا ہو تو میں تجھے اسکے برابر بخش دونگا۔''(۱)

امام مسلم علیہ الرحمۃ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی دعائے مغفرت کے متعلق حضرت اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں: ''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جب اہل یمن میں سے کوئی کمک آتی تو وہ ان سے سوال کرتے۔ کیا تم میں کوئی اویس بن عامر ہے۔ حتی کہ ایک دن حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ان کے پاس آ گئے، حضرت عمر نے کہا: کیا آپ اویس بن عامر ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! فرمایا۔ کیا آپ قبیلہ مراد سے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ قرن سے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ کو برص کی بیماری تھی؟ اور ایک درہم کے برابر داغ رہ گیا ہے۔ اور باقی داغ ختم ہوگئے ہیں انہوں نے کہا ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ اہلِ یمن کی امداد کے ساتھ تمہارے پاس قبیلہ مراد سے قرن کا ایک شخص آئے گا۔ جن کا نام اویس بن عامر ہوگا، ان کو برص کی بیماری تھی اور ایک درہم

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب فی فضل التوبة والاستغفار وَمَا ذُكِرَ من رحمة الله بعباده، ۵: ۵۴۹، رقم: ۳۵۴۰

کی مقدار کے علاوہ باقی ٹھیک ہوچکی ہوگی۔ قرن میں ان کی والدہ ہیں جن کے ساتھ وہ نیکی کرتے ہیں اگر وہ کسی چیز پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور پورا کرے گا۔ اگر تم سے ہوسکے تو تم ان سے مغفرت کی دعا کروانا، سو اب آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کیجئے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے استغفار کیا۔‘‘(۱)

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ سے دعا کی اہمیت وفضیلت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انسان لاکھ عبادت و ریاضت کرلے معلوم نہیں کہ وہ شرفِ قبولیت پا سکے گی یا نہیں، لیکن اگر وہ عبادات کے ساتھ اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں بھی کرے تو اللہ عزوجل مانگنے والوں کو محبوب رکھتا ہے، وہ اس کی بخشش کا سامان پیدا فرما دیتا ہے۔

شرائطِ دعا

اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کرنے والے بندے کی دعا کو ضرور سنتا اور قبول فرماتا ہے، بلکہ اس رحیم و کریم ذات نے اپنے بندوں کی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔(۲)

’’اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔‘‘

ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی

---

(۱) مسلم، الجامع الصحیح، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل أویس قرنی رضی اللہ عنہ، ۴: ۱۹۶۸ء رقم: ۲۵۴۲

(۲) البقرة، ۲: ۱۸۶

خلاف ورزی نہیں فرماتا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے وعدے میں سچا ہے تو پھر بسا اوقات دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟ دعا کی بظاہر عدم قبولیت پر غور و خوض سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی بعض دعائیں کسی نہ کسی حکمت کی بناء پر قبول نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ کسی حکمت کی وجہ سے اپنے بندے کی کوئی ایسی دعا قبول نہیں فرماتا جس کے نتیجے میں اسے شرمندگی یا مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے سے محبت و رحمت کی نشانی ہے۔

حضور سیدنا غوث الاعظم عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ (۴۷۰۔۵۶۱ھ) ’’**فتوح الغیب**‘‘ میں فرماتے ہیں: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ مقبولیتِ دعا کی تاخیر کی وجہ سے اپنے رب سے اظہارِ ناراضگی کرتے ہوئے کہتے ہو کہ مخلوق سے سوال کرنا تو ہم پر حرام کر دیا گیا ہے اور خدا سے سوال کرنا فرض قرار دیا گیا۔ لیکن جب ہم اُس سے دعا کرتے ہیں تو وہ قبول نہیں فرماتا۔ اس بارے میں تم سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا تم آزاد ہو یا غلام ہو؟ اگر تم خود کو آزاد بتاتے ہو تو کافر ہو اور اگر غلام کہتے ہو تو تم سے کہا جاتا ہے کہ تم قبولیتِ دُعا کی تاخیر پر اپنے آقا پر کیوں تہمت لگاتے ہو۔ اور جو اپنی مخلوق کے تمام احوال سے باخبر ہے اس کی رحمت و حکمت میں جو تمہارے اور مخلوق کے لئے عام ہے مشکوک کیوں ہو؟‘‘[1]

اور اگر تم خدا پر الزام نہ لگاتے ہوئے تاخیرِ دعا کے سلسلے میں اس کی حکمت و مصلحت اور ارادے کا اعتراف و اقرار کرتے ہو تو تم پر خدا کی شکر گذاری واجب ہے۔ اس لئے کہ اس نے تمہارے لئے صالح اور بہتر شے کو اختیار کر کے اس میں سے فساد کو دور کر دیا۔ لہٰذا اگر ایسی شکل میں بھی تم اس کو موردِ الزام ٹھہراتے ہو ہو تو اپنے اس اتہام کی وجہ سے تم کافر ہو۔ اس لئے کہ تم اس کی جانب ظلم کو منسوب کر رہے ہو۔ جب کہ نہ تو وہ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم کو پسند فرماتا ہے۔ اور کسی پر اس کا ظلم کرنا اس وجہ سے بھی محال ہے کہ وہ مالک ہے اور جو کسی شئے کا مالک ہوتا ہے اس کے نام کے ساتھ ظلم

(۱) عبد القادر جیلانی، فتوح الغیب: ۸۷

کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ ظالم اس کو کہتے ہیں کہ جو بلا اجازت کسی کی ملکیت میں تصرف کرتا ہو۔ لہٰذا تمہارے لئے خدا تعالیٰ کے فعل میں ناراضگی کا راستہ مسدود کر دیا گیا ہے۔ گویا کہ یہ شئے ظاہری اعتبار سے تمہاری طبیعت نفسانی خواہشات کے خلاف ہے۔ اس کے باوجود تمہارے لئے صبر و شکر اور مواقف ضروری ہے۔ اور تمہیں اظہارِ ناراضگی، بہتان طرازی اور رعونتِ نفس پر قیام کو ترک کر دینا چاہیے۔ اور وہ خواہشات جو تمہیں خدا کی راہ سے گمراہ کرنے والی ہیں ان سے بھی گریز کرنا چاہیے۔ اور ہمیشہ صدق دلی و التجا کے ساتھ دعاؤں میں مشغول رہتے ہوئے اپنے رب سے حسنِ ظن کے ساتھ کشادگی اور اس کے وعدہ کی صداقت کا انتظار کرتے رہو۔ اور اس سے شرم وغیرت کے ساتھ اس کے احکام کی موافقت اور اس کی وحدانیت کا تحفظ کرتے رہو اور تعمیلِ احکام میں عجلت سے کام لیتے ہوئے قضا وقدر کے نزول کے وقت مردہ بن جاؤ۔ اور اگر تم خدا پر بہتان طرازی اور بدظنی کو جزوِ لازم تصور کرتے ہو تو اس کا محرک صرف تمہارا نفس ہے۔ جو خدا کی نافرمانی اور برائیوں کا حکم دینے والا ہے اس لئے بہتان اور اتہام کا خدا کے بجائے وہ خود مستحق ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کے بجائے اپنے ہی نفس کی طرف ظلم کو منسوب کرنا زیادہ انسب ہے۔ اس لئے تمہارا فرض ہے کہ نفس کی موافقت و محبت اور اس کی رضا مندی اور اس کی بات تسلیم کرنے سے گریزاں رہو۔ کیونکہ وہ خدا اور تمہارا دونوں کا دشمن ہے اور جو خدا کا اور تمہارا دشمن ہوگا وہ شیطان لعین کا دوست، اس کا جاسوس اور جانشین ہوگا۔ خدا تعالیٰ سے خائف رہو۔ خائف رہو۔ خائف رہو۔ پرہیز کرتے رہو۔ پرہیز کرتے رہو۔ نجات حاصل کرو اور تمہیں چاہیے کہ ظلم و اتہام کو اپنے نفس کی جانب منسوب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد رکھو:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۝ (1)

---

(1) النساء، ۴: ۱۴۷

’’اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور ایمان لے آؤ، اور اللہ (ہر حق کا) قدر شناس ہے (ہر عمل کا) خوب جاننے والا ہےo‘‘

ان کے علاوہ اور بہت سی آیات و احادیث موجود ہیں لہٰذا تمہیں چاہیے کہ اپنے نفس کے دُشمن بن کر ہمیشہ اس سے جھگڑا کرتے رہو اور سپاہی بن کر تلوار لئے ہوئے اس سے جنگ کرو۔ کیونکہ یہی خدا کے دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

’’اے داؤد! خواہشات نفس کو ترک کر دو۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر مجھ سے جھگڑا کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔‘‘(۱)

احادیثِ مبارکہ میں قبولیتِ دعا کی کچھ شرائط بیان ہوئی ہیں مثلاً حرام کھانے پینے سے بچنا، غفلت اور سستی کا مظاہرہ نہ کرنا اور جلد بازی سے گریز کرنا وغیرہ۔اس کے علاوہ چند اہم شرائط احادیث کی روشنی میں درج ذیل ہیں:

۱۔ دعا میں اخلاصِ نیت

رحمتِ الٰہیہ پر ایمانِ کامل اور اخلاص کے ساتھ دستِ دعا دراز کرنا قبولیتِ دعا کی اولین شرط ہے۔ جس طرح دیگر عبادات میں اخلاص ضروری ہے اسی طرح دعا کی قبولیت کا انحصار بھی اخلاص پر ہے۔ اس سلسلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ؕo(۲)

’’حالانکہ انہیں فقط یہی حکم دیا گیا تھا کہ صرف اسی کے لئے اپنے دین کو خالص

(۱) عبد القادر جیلانی، فتوح الغیب: ۸۸

(۲) البینۃ، ۹۸: ۵

کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں، (ہر باطل سے جدا ہو کر) حق کی طرف یکسوئی پیدا کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی سیدھا اور مضبوط دین ہےo‘‘

دعا کی قبولیت کے باب میں خدائے رحمان کی رحمت پر ایمان اور یقین ضروری ہے جس قدر اس کی رحمتِ عامہ پر ایمان اور ایقان راسخ ہوگا اسی قدر دعا جلد قبول ہوگی۔ قرآن حکیم نے بھی قبول دعا کے لئے اخلاص کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۔ (۱)

’’وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم اس کی عبادت اُس کے لئے طاعت و بندگی کو خالص رکھتے ہوئے کیا کرو۔‘‘

کتبِ سماویہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ رحمتِ حق کا دریا ہر اس شخص کے لئے موجزن ہے جو اس کا متلاشی اور پیاسا ہو۔ قدرت خود مانگنے کے طریقے سکھاتی ہے اور صرف طریقے ہی نہیں بلکہ دعا کے الفاظ بھی عطا فرماتی ہے۔ جب ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے جنت میں بھول ہوگئی تو روئے زمین پر اترنے کے بعد بے بسی کے عالم میں ان کی نگاہیں رحمتِ خداوندی کی طرف اٹھی۔ نگاہ کے اٹھنے کی دیر تھی کہ رحمتِ الٰہی نے آگے بڑھ کر دست گیری کی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کلماتِ مغفرت سیکھنے کی طلب کی تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوا:

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِن رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُo (۲)

’’پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے (عاجزی اور معافی کے) چند کلمات سیکھ

---

(۱) المؤمن، ۴۰: ۶۵

(۲) البقرہ، ۲: ۳۷

لئے پس اللہ نے ان کی توبہ قبول فرما لی، بیشک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہےo''

تجربہ شاہد ہے کہ بے توجہی سے جو کام کیا جائے وہ کبھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ اس لئے دعا میں بھی توجہ اور شوق کا ہونا ازبس ضروری ہے۔اس کی تائید درج ذیل حدیثِ مبارکہ سے ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ادْعُوا اللّٰہَ وَ أَنْتُمْ مُوقِنُوْنَ بِالإِجَابَةِ، وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللّٰہَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعاءً من قَلْبِ غَافِلٍ لَاهٍ۔(۱)

''اللہ تعالیٰ سے قبولیت کے یقین کے ساتھ مانگا کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل دل سے دعا قبول نہیں فرماتا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کسی ریاکار اور دل لگی کرنے والے کی دعا قبول نہیں فرماتا بلکہ اس دعا کو قبول کرتا ہے جو سائل کے دل سے نکلے۔''(۲)

لٰہذا بندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ رحمتِ الٰہیہ سے کبھی مایوس نہ ہو۔جب پُر امید ہو کر خالصۃً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کی جائے گی تو قبول ہوگی۔

امام قشیری علیہ الرحمۃ اس حوالے سے ایک روایت نقل کرتے ہیں: ''حضرت موسیٰ

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب جامع الدعواتِ عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۵: ۴۶۵، رقم: ۳۴۷۹
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۸، رقم: ۶۶۵۵

(۲) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد، ۲: ۶۵
۲۔ ابن مبارک ، الزھد: ۸۳

علیہ السلام ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو گڑ گڑا کر دعا کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یا الٰہی! اگر تیرے اس بندے کی حاجت میرے پاس ہوتی تو میں پوری کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی۔ اے موسیٰ! میں تم سے زیادہ اس پر رحم کرنے والا ہوں مگر وہ پکارتا مجھے ہے اور اس کا دل اپنی بکریوں میں اٹکا ہوا ہے۔ میں کسی ایسے بندے کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل میرے سوا کسی اور کے پاس ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اس شخص سے کہہ دی۔ پھر اس نے خالص اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دل سے دعا کی تو اس کی دعا قبول ہوئی۔''

امام قشیری علیہ الرحمۃ ہی کی نقل کردہ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: ''کیا بات ہے کہ ہم دعا مانگتے ہیں مگر ہماری دعا قبول نہیں ہوتی؟ انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ تم ایسے خدا کو پکارتے ہو جسے تم پہچانتے ہی نہیں۔''[1]

۲۔ رزقِ حلال

قبولیتِ دعا کے لئے رزقِ حلال شرط ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ج وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝[2]

''(اور تم سے فرمایا) ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جن کی ہم نے تمہیں روزی دی ہے اور اس میں حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب واجب ہو جائے گا، اور جس پر میرا غضب واجب ہو گیا سو وہ واقعی ہلاک ہو گیا۔''

ایک مقام پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

(۱) قشیري، الرسالة القشیریة: ۲۶۷

(۲) طه، ۲۰: ۸۱

یا سعد! أطب مطعمَك تکن مستجابَ الدّعوة ۔(۱)

''اے سعد! اپنی کمائی پاک رکھو تمہاری دعا قبول ہوگی۔''

حدیثِ نبوی ﷺ سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ جب تک انسان کا کھانا پینا پاکیزہ اور حلال نہ ہو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ موجودہ زمانے میں دعا کے قبول نہ ہونے کا ایک سبب اکلِ حرام بھی ہے۔ حرام کھا کر رَبَّنَا (اے ہمارے پالنے والے) کہہ کر اللہ کے حضور دستِ دعا دراز کرنا خلافِ ادب بلکہ سوءِ ادب ہے۔ ہمارے اسلاف اکلِ حلال کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اس لئے ان کی دعائیں بھی قبول ہوتی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیز کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا تھا اور فرمایا: اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو، میں تمہارے کاموں سے باخبر ہوں اور فرمایا: اے مسلمانو! ہماری دی ہوئی چیزوں سے پاک چیزیں کھاؤ پھر آپ ﷺ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے یا رب! یا رب اور اس کا کھانا پینا حرام ہو، اس کا لباس حرام ہو، اس کی غذا حرام ہو تو اس کی دعا کہاں قبول ہوگی؟''(۲)

امام غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰۔۵۰۵ھ) نقل کرتے ہیں کہ حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''ایک بار بنی اسرائیل میں قحط پڑا۔ لوگوں نے بار بار نمازِ استسقاء

(۱) ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۹۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب و تربیتها، ۲: ۷۰۳، رقم: ۱۰۱۵

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، ۵: ۹۵، رقم: ۲۹۸۹

پڑھی لیکن دعا قبول نہ ہوئی۔ ان کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ ان لوگوں سے کہئے: تم دعا کے لئے تو نکلے ہو لیکن تمہارے بدن ناپاک، پیٹ حرام سے بھرے ہوئے ہیں اور ہاتھ ناحق خون سے آلودہ ہیں۔ جب اس حال میں تم نکلے ہو تو میرا غصہ تم پر اور بڑھ گیا ہے۔ اس لئے میرے سامنے سے دور رہو۔‘‘[۱]

۳۔ گناہوں سے توبہ کرنا

اکثر دعاؤں کے رد ہونے کا سبب دل کی غفلت اور گناہوں کی ظلمت ہے۔ اس لئے دعا مانگنے سے پہلے بارگاہِ الٰہیہ میں معافی مانگنا، اپنے گناہوں کا اقرار کرنا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا قبولیتِ دعا کے لئے لازمی شرط ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ط عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○[۲]

’’اور دوسرے وہ لوگ کہ (جنہوں نے) اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے انہوں نے کچھ نیک عمل اور دوسرے برے کاموں کو (غلطی سے) ملا جلا دیا ہے، قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرما لے، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○‘‘

امام غزالی علیہ الرحمۃ حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت نقل کرتے ہیں: ’’حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ایک سخت قحط پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ بارش کے لئے دعا کرنے نکلے مگر بارش نہ برسی۔ پھر آپ علیہ السلام تین دن باہر دعا کے لئے جاتے رہے اور بارش نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میں تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی دعا قبول نہیں کروں گا۔ کیونکہ تم میں سے ایک

---

(۱) غزالی، کیمیائے سعادت: ۱۹۷

(۲) التوبہ، ۹: ۱۰۲

چغل خور ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! مجھے اس شخص کے متعلق بتا دے۔ تا کہ میں اس کو نکال دوں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں چغلی کھانے سے منع کرتا ہوں تو خود یہ کام کیسے کروں؟ چناچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمام لوگوں کی توجہ اس طرف دلائی کہ وہ چغل خوری سے توبہ کریں۔ جب سب نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کی بارش سے سرفراز فرمایا۔''(۱)

حاصلِ کلام یہ ہے کہ دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب وہ تمام شرائط کوملحوظِ خاطر رکھ کر مانگی جائے اور بندے کے حق میں اس کی قبولیت بہتر ہو، کیونکہ اگر وہ داعی کے حق میں باعثِ نفع نہ ہوتو تمام شرائط پوری کرنے کے باوجود بھی شرفِ قبولیت نہیں پا سکتی۔

آدابِ دعا

دعا کے بہت سے آداب ہیں جن کو بجالانا اور ان کا خیال رکھنا سائل اور داعی کے لئے لازمی امر ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے آدابِ دعا کو ظاہری اور باطنی آداب میں تقسیم کیا ہے۔باطنی آداب میں توبہ، حضورِقلب، اللہ پرتوکل اور نا امیدی سے دوری شامل ہیں جبکہ ظاہری آداب میں نماز، روزہ، صدقہ و خیرات، طہارت، قبلہ رو ہونا، خوشبو لگانا، پست آواز، ہاتھوں کو اٹھانا، دعا کے بعد ہاتھ چہرے پر پھیرنا، حمد و ثنا اور درود و سلام کو مقدم رکھنا ضروری تقاضے ہیں۔(۲)

آداب مذکورہ میں سے چند آداب کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔قبلہ رُو ہوکر دعا کرنا

قبلہ فضیلت والی جہت ہے جس طرح نماز میں قبلہ رخ منہ کرنا شرط ہے اس

(۱) غزالی، کیمیائے سعادت: ۱۹۷

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۳۶۵

طرح دعا میں بھی قبلہ رو ہونا آدابِ دعا میں سے ایک ادب ہے۔ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''غزوۂ بدر کے دن حضور نبی اکرم ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ کے ساتھ تین سو تیرہ (۳۱۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر باآوازِ بلند اپنے رب سے یہ دعا کی:

اللّٰهُمَّ، أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي. اللّٰهُمَّ، آتِ مَا وَعَدْتَنِي. اللّٰهُمَّ، إِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ ـ (۱)

''اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما، اے اللہ! تو نے جس چیز کا مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ عطا فرما، اے اللہ! اہلِ اسلام کی یہ جماعت اگر ہلاک ہوگئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔''

آپ ﷺ ہاتھ پھیلا کر باآواز بلند مسلسل دعا کرتے رہے حتی کہ آپ ﷺ کے شانوں سے چادر گر گئی۔

۲۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

دونوں ہاتھ اٹھا کر ہتھیلیوں کو منہ کی جانب کر کے دعا مانگنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی و انکساری اور خاکساری کا اظہار ہے۔ یہ بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

دَعَا النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ، حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ۔ (۲)

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد والسير، باب الإمداد بالملائكة فى غزوةِ بدر و إباحة الغنائم، ۳: ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، رقم: ۱۷۶۳

(۲) بخاری، الصحيح، كتاب الدعوات، باب رفع الأيدِي فى الدُّعَاءِ، ۵: ۲۳۳۵، رقم: ۵۹۸۱

''حضور نبی اکرم ﷺ نے (دعا کے لئے) ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی بغل مبارک کی سفیدی دیکھی۔''

۳۔ خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کرنا

اپنے اوپر خوف وخشیت کی کیفیت طاری کر کے، خشوع وخضوع کے ساتھ گڑ گڑا کر دعا مانگنے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ غم و یاس کے بادل جو دل و دماغ پر چھائے ہوتے ہیں وہ اشک بن کر برسنے لگتے ہیں اور دکھ درد کی تلخی کم ہو جاتی ہے۔ تضرع اور عجز و نیاز میں خوف اور طمع کے جذبات اپنی پوری شدت کے ساتھ کارفرما ہوتے ہیں۔ یہ خوف اپنے گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیشی کے احساس کا نتیجہ ہوتا ہے اور یوں حصولِ مغفرت کے طمع کی وجہ سے انسان رحمتِ الٰہی کا زیادہ سے زیادہ مشتاق اور امیدوار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دونوں طریقوں سے دعا کرنے کا حکم دیا ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً۔ (۱)

''تم اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ (دونوں طریقوں سے) دعا کیا کرو۔''

حضرت ابو دقاق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جب گنہگار روتا ہے تو یوں سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا پیغام پہنچا دیا اور اس کے آنسو اس کے دل کی ترجمانی کرتے ہیں اور اس کے قلب کے راز کو ظاہر کر دیتے ہیں۔''(۲)

۴۔ قبولیّتِ دعا میں عجلت اور بے صبری نہ کرنا

دعا کا ایک اہم ترین ادب یہ ہے کہ دعا مسلسل جاری رکھی جائے اور تاخیرِ

(۱) الاعراف، ۷: ۵۵

(۲) قشيري، الرسالة القشيرية: ۲۷۰

قبولیت کی بنا پر دلبرداشتہ اور نا امید نہ ہوا جائے کیونکہ سائل کو علم نہیں کہ دعا کے فوری قبول نہ ہونے میں کیا مصلحت ہے؟ یا اس کے ذریعے کوئی اور مصیبت ٹالی گئی ہے یا اسے آخرت کے لئے اجر کا ذخیرہ بنا دیا گیا ہے؟ اس لئے انسان کو چاہئے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور دعا کی قبولیت میں جلدی نہ کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ، يَقُوْلُ: دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي۔ (۱)

’’تم میں سے کسی شخص کی دعا تب قبول ہوتی ہے جب وہ (دعا مانگنے میں) جلدی نہیں کرتا (اور یہ نہیں) کہتا کہ میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی (لہٰذا مایوس ہوکر دعا نہ چھوڑ بیٹھے)۔‘‘

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنّ اللّٰهَ لَيُحِبُّ الْمُلِحِّيْنَ فِي الدُّعَاءِ۔ (۲)

’’بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ دعا میں اصرار کے ساتھ مانگنے والے کو پسند فرماتا ہے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الدعوت، باب يُسْتَجَابُ للعَبْدِ مَا لَمْ يَعْجَلْ، ۵: ۲۳۳۵، رقم: ۵۹۸۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر و الدعاء و التوبة و الاستغفار، باب بیانه أنه یستجاب للداعی ما لم یعجل فیقول: دعوت فلم یستجبلی، ۴: ۲۰۹۵، رقم: ۲۷۳۵

(۲) بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۳۸، رقم: ۱۱۰۸

اللہ تعالیٰ اپنے بعض پیارے اور محبوب بندوں کی آہ و بکاء اور پکار کو بار بار سننا پسند فرماتا ہے۔ امام قشیری علیہ الرحمۃ کی نقل کردہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت یحییٰ بن سعید قطان علیہ الرحمۃ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو عرض کیا: یا الٰہی! میں کب تک تجھے پکارتا رہوں گا اور تو میری پکار سنے گا؟ جواب ملا اے یحییٰ! یہ اس لئے ہے کہ مجھے تمہاری آواز پسند ہے۔ (۱)

۵۔ دعا کے اَوّل اور آخر میں درود پڑھنا

حضور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا بجائے خود ایک دعا ہے۔ اگر اسے دعا سے پہلے پڑھا جائے تو یہ قبولِ دعا میں کنجی کا کام کرتا ہے۔ بہت سی احادیث مبارکہ میں دعا سے پہلے درود پڑھنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو نماز کے بعد دعا کرتے ہوئے سنا جبکہ اس نے نہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور نہ حضور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس نے جلدی کی، پھر اسے بلا کر اس سے یا کسی دوسرے سے فرمایا:

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُبْدَأْ بِتَمْجِيدِ رَبِّهِ جلّ و عزّ والثَّنَاءِ عَلَيْهِ، ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَدْعُو بَعْدُ بِمَا شَاءَ۔ (۲)

''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے رب کی حمد و ثنا سے ابتدا کرے۔ پھر نبی ﷺ پر درود بھیجے اور اس کے بعد جو چاہے دعا کرے۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الأَرْضِ، لا يُصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى

(۱) قشيري، الرسالة القشيرية: ۲۶۵، ۲۶۶

(۲) أبو داؤد، السنن، كتاب الصلاة، باب الدعاء، ۱: ۵۵۰، رقم: ۱۴۸۱

تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ ۔[1]

’’دعا، زمین و آسمان کے درمیان ٹھہری رہتی ہے اور اوپر کی طرف نہیں جاتی (قبول نہیں ہوتی) جب تک تو اپنے نبی مکرّم ﷺ پر درود نہ بھیجے۔‘‘

٦۔ دعا کا حمد و ثناء سے شروع کرنا

اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کا یہ تقاضا ہے کہ دعا سے پہلے اس کی حمد و ثناء اور صفات بیان کی جائیں۔ قرآنِ حکیم میں بکثرت ایسی دعائیں موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًاۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○[2]

’’اے ہمارے رب! تو نے یہ (سب کچھ) بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا، تو (سب کوتاہیوں اور مجبوریوں سے) پاک ہے پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے○‘‘

اس طرح سورۂ فاتحہ کی ابتدائی آیات بھی حمد و ثناء پر مشتمل ہیں۔ بہت سی احادیثِ مبارکہ میں دعا سے پہلے حمد و ثناء کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ بھی دعا سے پہلے حمد و ثناء کے کلمات کہتے تھے۔ حضرت سلمہ بن الأکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو کبھی نہیں سنا کہ آپ ﷺ نے دعا شروع کی ہو اور پہلے یہ کلمات نہ کہے ہوں:

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَلِيِّ الأعلى الوهّاب۔[3]

’’میرا رب بلند، اعلیٰ اور عطا کرنے والا پاک ہے۔‘‘

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الوتر، باب ماجاء فی فضل الصّلاة علی النّبی ﷺ، ۱: ۴۹۶، رقم: ۴۸۶

(۲) آل عمران، ۳: ۱۹۱

(۳) ۱۔ حاکم، السمتدرک، ۱: ٦٧٦، رقم: ۱۸۳۵

←

۷۔ دعائیہ کلمات تین بار کہنا

دعا کو اگر دو یا تین مرتبہ دہرایا جائے تو اس سے کیفیتِ گریہ و زاری ظاہر ہوتی ہے۔ تین سے زیادہ مرتبہ دہرانا بھی درست ہے مگر افضل تین مرتبہ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ يَدْعُوَ ثَلَاثًا وَ يَسْتَغْفِرَ ثَلَاثًا (۱)

''بیشک رسول اللہ ﷺ تین مرتبہ دعا اور تین مرتبہ استغفار کرنا پسند فرماتے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تکرار، طوالت اور بالکل واضح الفاظ کے ساتھ دعا مانگتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ الٰہی! میرا ہر گناہ معاف کردے تو یہ مختصر دعا ضرور ہے مگر دعا میں بندگی، عاجزی، گریہ و زاری کے ساتھ طوالت نہیں ہونی چاہیئے۔ جتنی زیادہ عاجزی اور گریہ و زاری کا اظہار کیا جائے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ خوش ہوگا۔

۸۔ دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا

دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا احادیث سے ثابت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی تلقین فرمائی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ، لَمْ يَحُطَّهُمَا حَتَّى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ۔ (۲)

.... ۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۷: ۲۰، رقم: ۶۲۵۳

(۱) أبوداود، السنن، کتاب الصلاۃ، باب فی الاستغفار، ۱: ۵۴۳، رقم: ۱۵۲۴

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب ما جاء فی رَفع الأیدي عند الدُّعَاءِ، ۵: ۳۹۵، رقم: ۳۳۸۶

۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۷۱۹، رقم: ۱۹۶۷

’’حضور نبی اکرم ﷺ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو اپنے چہرہ اقدس پر پھیرنے سے پہلے (ہاتھ) نیچے نہ چھوڑتے۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا دَعَوْتَ اللّٰهَ فَادْعُ بِبُطُوْنِ كَفَّيْكَ وَلَا تَدْعُ بِظُهُوْرِهِمَا فَإِذَا فَرَغْتَ فَامْسَحْ بِهِمَا وَجْهَكَ۔(۱)

’’جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو اپنے ہاتھ کی ہتھیلیوں سے دعا کیا کرو نہ کہ ان کی پشت سے اور جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے ہاتھوں کو منہ پر مل لو۔‘‘

۹۔ نیک اَعمال کو یاد کرنا

دعا مانگتے وقت اپنی کسی گزشتہ نیکی کو یاد کرنا اور اس کو وسیلہ بنا کر مانگنا یقیناً دعا کی قبولیت کا ضامن ہے۔ اس کا ثبوت درج ذیل حدیث مبارکہ سے ملتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضي الله عنهما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’ایک مرتبہ تین آدمی جا رہے تھے کہ ان کو بارش نے آ لیا۔ انہوں نے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی۔ اتنے میں غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان آ گری اور یہ لوگ بند ہو گئے، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا تم لوگوں نے جو اللہ تعالیٰ کے لئے نیک اعمال کئے ہیں ان کو یاد کرو اور ان اعمال کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، شاید اللہ تعالیٰ تم سے یہ مصیبت دور کر دے۔ سو ان میں سے ایک نے یہ دعا کی۔ اے اللہ! میرے بوڑھے ماں باپ تھے، میری بیوی اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، میں بکریاں چراتا تھا، جب میں واپس آتا تو دودھ دوہتا اور اپنے بچوں سے پہلے اپنے ماں باپ کو دودھ پلاتا، ایک دن

(۱) ابن ماجة، السنن، كتاب الدعاء، باب رفع اليدين فى الدعاء، ۴: ۳۲۲، رقم: ۳۸۶۶

درختوں نے مجھے دور پہنچا دیا اور میں رات سے پہلے نہ لوٹ سکا، جب میں آیا تو ماں باپ سو چکے تھے، میں نے حسبِ معمول دودھ دوہا اور ایک برتن میں دودھ ڈال کر ماں باپ کے سرہانے کھڑا ہوگیا۔ میں ان کو نیند سے بیدار کرنا نا پسند کرتا تھا اور ان سے پہلے بچوں کو دودھ پلانا بھی ناپسند کرتا تھا حالانکہ بچے میرے قدموں میں چیخ رہے تھے، فجر ہونے تک میرا اور میرے والدین کا یونہی معاملہ رہا۔ اے اللہ! یقیناً تجھے علم ہے کہ میں نے یہ عمل تیری رضا جوئی کے لئے کیا تھا۔ تو ہمارے لئے کچھ کشادگی کردے (اس دعا کے بعد) انہوں نے اس غار سے آسمان کو دیکھ لیا۔ پھر دوسرے آدمی نے دعا کی اے اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی جس سے میں جنون کی حد تک محبت کرتا تھا جیسا کہ مردوں کو عورتوں سے لگاؤ ہوتا ہے۔ میں نے اس سے مباشرت کی درخواست کی۔ اس نے انکار کیا اور کہا پہلے سو دینار لاؤ۔ میں نے مشقت کرکے سو دینار جمع کئے۔ میں اس کے پاس وہ دینار لے کر گیا۔ جب میں اس کے ساتھ جنسی عمل کرنے کے لئے بیٹھا تو اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور ناجائز طریقہ سے مہر نہ توڑ۔ سو میں اسی وقت اس سے الگ ہوگیا۔ اے اللہ! تجھے یقیناً علم ہے کہ میں نے یہ فعل تیری رضا مندی کے لئے کیا تھا۔ پس تو ہمارے لئے اس غار کو کچھ کھول دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے غار کو (مزید) کھول دیا اور تیسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میں نے ایک شخص کو ایک فرق (ایک پیمانہ آٹھ کلوگرام) چاولوں کی اجرت پر رکھا تھا۔ جب اس نے اپنا کام پورا کرلیا تو اس نے کہا: میری اجرت دو، میں نے اس کو مقررہ اجرت دے دی۔ اس نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔ میں ان چاولوں کی کاشت کرتا رہا حتی کہ میں نے اس (کی آمدنی) سے بیل اور چرواہے جمع کرلئے پھر ایک دن وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اللہ سے ڈرو اور میرا حق نہ مارو۔ میں نے کہا یہ بیل اور چرواہے لے جاؤ اور اپنا حق لے لو۔ اس نے کہا: اللہ سے ڈرو اور میرے ساتھ

مذاق نہ کرو۔ میں نے کہا: میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کرتا یہ بیل اور چرواہے لے لو۔ وہ ان کو لے کر چلا گیا۔ تجھ کو یقیناً علم ہے کہ میں نے یہ کام تیری رضا جوئی کے لئے کیا تھا۔ تو اب غار کا باقی ماندہ منہ بھی کھول دے۔ سو اللہ نے غار کا باقی ماندہ منہ بھی کھول دیا۔‘‘[۱]

مقبول ترین اَوقاتِ دعا

اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات کو مقبولیت کے اعتبار سے بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ اگر ان اوقات کے اندر دعا مانگی جائے تو قبولیتِ دعا کی غالب امید ہے۔ چند افضل اوقات درج ذیل ہیں۔

۱۔ سحری کا وقت

دعا کے لئے رات کا وقت بالعموم اور سحری کا وقت بالخصوص شرفِ قبولیت کا ہے۔ سحری کے وقت دعا اور استغفار کرنا اللہ کے نیک بندوں کی صفات میں سے ہے۔ قرآنِ مجید ان بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِo[۲]

’’اور (یہ لوگ) رات کے پچھلے پہر (اٹھ کر) اللہ سے معافی مانگنے والے ہیںo‘‘

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَo[۳]

’’وہ راتوں کو تھوڑی سی دیر سویا کرتے تھےo‘‘

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الذکر و الدعاء، باب قصة أَصْحَابِ الغارِ الثلاثة و التوسُّل بِصَالِحِ الأعمال، ۴: ۲۰۹۹، رقم: ۲۷۴۳

(۲) آل عمران، ۳: ۱۷

(۳) الذّٰریٰت، ۵۱: ۱۷

۲۔ عرفہ کا دن

دعا کی قبولیت کے حوالے سے یومِ عرفہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دن رب کائنات اپنے بندوں کو خصوصی رحمت سے نوازتا ہے۔ ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما بواسطہ والد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خَیْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ یَوْمِ عَرَفَةَ۔ (۱)

''بہترین دعا یوم عرفہ کی دعا ہے۔''

یومِ عرفہ کی دعا کی قبولیت صرف میدان عرفات کے ساتھ خاص نہیں، دعا کا اس دن میں کیا جانا ضروری ہے خواہ کہیں پر ہو، البتہ میدانِ عرفات میں دعا کرنے کو مکانی و زمانی دونوں طرح کی فضیلت حاصل ہے۔

۳۔ رمضان کا مہینہ

اللہ تعالیٰ نے بعض مہینوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ انہی میں ایک رمضان کا مہینہ ہے۔ جس میں رحمتوں اور عطاؤں کی بارش ہوتی ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا دخل رمضانُ فتّحت أبوابُ الجنّة وغُلّقت أبوابُ جهنّمَ وسُلسِلَتِ الشّياطينُ۔ (۲)

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب فی فضل لاحول و لا قوة إلّا باللّٰه، ۵: ۵۷۲، رقم: ۳۵۸۵

(۲) ا۔ بخاری، الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب صفة إبلیس وجنوده، ۳: ۱۱۹۴، رقم: ۳۱۰۳

←

’’جب رمضان شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔‘‘

ایک روایت میں ہے کہ آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ وَابْتَهَلَ فِي الدُّعَاءِ وَ أَشْفَقَ مِنْهُ۔(۱)

’’جب ماہِ رمضان شروع ہوتا تو آپ ﷺ کا رنگ مبارک متغیر ہو جاتا اور آپ ﷺ نمازوں کی مزید کثرت کر دیتے اور اللہ تعالیٰ سے عاجزی اور گڑگڑا کر دعا کرتے اس ماہ میں نہایت محتاط رہتے۔‘‘

رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں دعا کی قبولیت کے زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔

۴۔ جمعہ کا دن

جمعہ کے روز قبولیت کی ایک ساعت ایسی آتی ہے جس میں دعا کی جائے تو یقینی طور پر قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے جمعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

’’اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس کو مسلمان نماز کے دوران پالے تو اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا اس کو پالے گا۔‘‘(۲)

.... ۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب فضل شهر رمضان، ۲: ۷۵۸، رقم: ۱۰۷۹

(۱) بیهقی، شعب الإیمان، ۳: ۳۱۰، رقم: ۳۶۲۵

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الجمعه، باب فی الساعة التی فی یوم الجمعه، ۲: ۵۸۳، ۵۸۴، رقم: ۸۵۲

۵۔ سجدہ کی حالت

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی عاجزی بہت پسند ہے۔ سجدہ کمالِ عجز کا مظہر ہے۔ اس کیفیت میں جب بندہ مولا سے مانگتا ہے تو وہ اس کے دامن مراد کو بھر دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَ هُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوْا الدُّعَاءَ۔ (۱)

''بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے اس لئے تم سجدہ میں بکثرت دعا کیا کرو۔''

۶۔ اذان اور اِقامت کے درمیان

اذان اور اقامت کا درمیانی عرصہ اللہ کو بڑا محبوب ہے۔ اس دوران بندہ جماعت کے انتظار میں بیٹھا اپنے مولا کو یاد کرتا ہے، اس کا سارا دھیان عبادت الٰہی کی طرف مرکوز ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کیفیت میں کی گئی دعا کبھی رد نہیں ہوتی، اللہ عزوجل ضرور قبول فرماتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الدُّعاء لا يُرَدُّ بين الأذان و الإقامة۔ (۲)

''اذان اور اقامت کے درمیان مانگی جانے والی دعا رد نہیں ہوتی۔''

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب ما يقال فى الركوع و السجود، ۱: ۳۵۰، رقم: ۴۸۲

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الصلاة، باب فى الدعاء فى الركوع و السجود، ۱: ۳۳۲، ۳۳۳، رقم: ۸۷۵

(۲) ترمذى، الجامع الصحيح، أبواب الصلاة، باب ما جاء فى أن الدعاء لا يردُّ بين الأذان و الإقامة، ۱: ۲۵۳، رقم: ۲۱۲

اس قبولِ دعا کی وجہ یہ ہے کہ اذان کے وقت شیاطین دور بھاگتے ہیں اور لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف بدرجۂ اولیٰ متوجہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس وقت دعا قبول ہونے کی کافی اُمید ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مرض وفات میں) حجرہ کا پردہ اٹھایا اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں صف باندھے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! بشارات نبوت میں سے اب صرف اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں جنہیں ایک مسلمان خود دیکھتا ہے یا اس کے لئے کوئی اور شخص دیکھتا ہے اور یاد رکھو مجھے رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا۔ رہا رکوع تو اس میں **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ** کہو اور سجدہ میں خوب کوشش سے دعا مانگو امید ہے کہ تمہاری دعا مقبول ہوگی۔''(۱)

۸۔ فرض نماز کے بعد

فرض نمازوں کے بعد دعا کی مقبولیت احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا گیا (یا رسول اللہ!) کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: رات کے آخری حصے میں (کی گئی دعا) اور فرض نمازوں کے بعد (کی گئی دعا جلد مقبول ہوتی ہے)۔''(۲)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یوں کہا کرتے تھے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الصلوة، باب النهی عن قراءَ ةِ القرآن فی الرکوع والسجود، ۱: ۳۴۸، رقم: ۴۷۹

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوت، باب ما جاء فی عَقْدِ التسبیح بِالْیَدِ، ۵: ۴۷۹، رقم: ۳۴۹۹

عَلَى كُلِّ شَيءٍ قَدِيْرٌ. اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (۱)

''نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے سب تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اے اللہ! جسے تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے تو روکے اسے کوئی دینے والا نہیں اور کسی دولت مند کو تیرے مقابلے میں دولت نفع نہیں دے گی۔''

حضرت عمرو بن میمون الاودی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما اپنے صاحبزادوں کو ان کلمات کی ایسے تعلیم دیتے جیسے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے اس کے بعد فرماتے: ''بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعے اللہ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَ أَعُوذُبِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمْرِ وَ أَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَحَدَّثْتُ بِهِ مُصْعَبًا فَصَدَّقَهُ۔ (۲)

''اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب، صفة الصلاة، باب، الذكر بعد الصلاة، ۱: ۲۸۹، رقم: ۸۰۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب: المساجد ومواضع الصلاة، باب: استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفة، ۱: ۴۱۴۔ ۴۱۵، رقم: ۵۹۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب: الجهاد والسير، باب: مايتعوذ من الجبن، ۳: ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹، رقم: ۲۶۶۷

۲۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب: الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، باب: في دعاء النبي وتعوذه في دبر كل صلاة، ۵: ۵۲۸، رقم: ۳۵۶۷

ذلت کی زندگی کی طرف لوٹایا جاؤں اور دنیا کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور عذابِ قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں) جب میں نے یہ حدیث حضرت مصعب (بن سعد) کے سامنے بیان کی تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔‘‘

فرض نمازوں کے بعد کی قرآنی دعائیں

ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء کرتے وقت ان قرآنی دعاؤں کو شامل کریں جو انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہیں اور جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن حکیم میں فرمایا ہے۔ان میں سے چند منتخب دعائیں درج ذیل ہیں:

ا۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ قرآن حکیم کی سب سے پہلی اور سوائے سورۃ توبہ کے ہر سورۃ کے ساتھ دہرائی جانے والی تمہید ہے۔ یہ بھی ایک دعا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلِلّٰہِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی فَادۡعُوۡہُ بِھَا ۪ وَذَرُوا الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اَسۡمَآئِہٖ ؕ سَیُجۡزَوۡنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱﴾

’’اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں، سو اسے ان ناموں سے پکارا کرو اور ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حق سے انحراف کرتے ہیں عنقریب انہیں ان (اعمالِ بد) کی سزا دی جائے گی جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں٥‘‘

اس لیے ہر کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی تلاوت سے نہ صرف کام میں برکت ہوتی ہے بلکہ تلاوت کرنے والا ناجائز کام کرنے سے بھی بچ جاتا ہے۔

(۱) الاعراف، ۷: ۱۸۰

۲۔ سورۃ الدّعا

سورۃ فاتحہ جو پورے قرآن کی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور معارفِ قرآن کے لئے تمہید کا کام دیتی ہے۔ اس کا نہ صرف نصف حصہ دعا پر مشتمل ہے بلکہ یہ سورت ہی دعا کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے دعائیہ وصف کی وجہ سے ہی اس کے آخر میں آمین کا اضافہ کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ کسی اور سورت کے آخر میں یہ التزام نہیں ہے۔ مزید برآں اس سورت کا ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ۔[1]

’’بہترین ذکر ’’لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ ‘‘اور بہترین دعا ’’الْحَمْدُ لِلّٰهِ‘‘ ہے۔‘‘

۳۔ دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝[2]

’’اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں (بھی) بھلائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) بھلائی (سے نواز) اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۝‘‘

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب الدعوات عن رسول الله، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة، ۵: ۴۶۲، رقم: ۳۳۸۳

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الأدب، باب فضل الحامدين، ۲: ۱۲۴۹، رقم: ۳۸۰۰

(۲) البقرة، ۲: ۲۰۱

۴۔ استقامت اور ثابت قدمی کے لئے

۱۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ج اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○[۱]

”(اور عرض کرتے ہیں:) اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے اور ہمیں خاص اپنی طرف سے رحمت عطا فرما، بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے○“

۲۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ○[۲]

”اے ہمارے رب! تو ہم پر صبر کے سرچشمے کھول دے اور ہم کو (ثابت قدمی سے) مسلمان رہتے ہوئے (دنیا سے) اٹھالے۔“

۵۔ نقصان سے نجات کے لئے

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتة وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ○[۳]

”اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی۔ اور اگر تو نے ہم کو نہ بخشا اور ہم پر رحم (نہ) فرمایا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے○“

---

(۱) آل عمران، ۳: ۸

(۲) الاعراف، ۷: ۱۲۶

(۳) الاعراف، ۷: ۲۳

۶۔ نماز میں استقامت کے لئے

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ۝ (۱)

’’اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم رکھنے والا بنا دے، اے ہمارے رب! اور تو میری دعا قبول فرما لے۝‘‘

۷۔ کینہ وبغض سے نجات کے لئے

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ۝ (۲)

’’اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ایمان لانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کینہ اور بغض باقی نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بیشک تو بہت شفقت فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۝‘‘

۸۔ مغفرت کے لئے

ا۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۝ (۳)

’’اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں پس تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو (ہی) سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۝‘‘

۲۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ

---

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۴۰

(۲) الحشر، ۵۹: ۱۰

(۳) المؤمنون، ۲۳: ۱۰۹

اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا‌ ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ‌ ۚ وَاعۡفُ عَنَّا وَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا‌ اَنۡتَ مَوۡلٰٮنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ○[1]

''اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہماری گرفت نہ فرما، اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر اتنا (بھی) بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر اتنا بوجھ (بھی) نہ ڈال جسے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں، اور ہمارے (گناہوں) سے درگزر فرما، اور ہمیں بخش دے، اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا کارساز ہے پس ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما○''

۹۔ نیک اور نرینہ اولاد کے لئے

رَبِّ هَبۡ لِىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ‌ ۚ اِنَّكَ سَمِيۡعُ الدُّعَآءِ ○[2]

''میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے○''

۱۰۔علم میں اضافہ کے لئے

رَبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا○[3]

''اے میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھا دے○''

(۱) البقرہ، ۲: ۲۸۶

(۲) آل عمران، ۳: ۳۸

(۳) طہ، ۲۰: ۱۱۴

۱۱۔ آخرت کی رسوائی سے بچنے کے لئے

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْعَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ (۱)

''اے ہمارے رب! (ہم تجھے بھولے ہوئے تھے) سو ہم نے ایک ندا دینے والے کو سنا جو ایمان کی ندا دے رہا تھا کہ (لوگو!) اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! اب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری خطاؤں کو ہمارے (نوشتۂ اعمال) سے محو فرما دے اور ہمیں نیک لوگوں کی سنگت میں موت دے ۝''

۱۲۔ اِنشراحِ صدر کے لئے

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝ (۲)

'' (موسیٰ علیہ السلام نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کشادہ فرما دے ۝ اور میرا کارِ (رسالت) میرے لئے آسان فرما دے ۝ اور میری زبان کی گرہ کھول دے ۝ کہ لوگ میری بات (آسانی سے) سمجھ سکیں ۝''

۱۳۔ فتح و نصرت کے لئے

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ (۳)

''اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری (مخالف) قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ۝''

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹۳

(۲) طٰہٰ، ۲۰: ۲۵-۲۸

(۳) الاعراف، ۷: ۸۹

۷۔ فرض نمازوں کے بعد کی مسنون دعائیں

ذیل میں چند ایسی دعائیں درج کی جاتی ہیں جو نہ صرف حضور نبی اکرم ﷺ خود مانگا کرتے تھے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ان کی تلقین فرماتے:

۱۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (یا رسول اللہ!) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگنا ہرگز نہ چھوڑنا:

اللّٰهُم أَعِنّي عَلَى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وحُسْنِ عِبَادَتِكَ وَأَوْصَى بِذَالِكَ مُعَاذٌ الصُّنَابِحِيَّ وَ أَوْصَى بِهِ الصُّنَابِحِيُّ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ۔ (۱)

’’اے اللہ! اپنے ذکر، شکر اور اچھی طرح عبادت کی ادائیگی میں میری مدد فرما پھر حضرت معاذ نے اس دعا کی نصیحت صنابحی کو کی اور انہوں نے ابوعبدالرحمٰن کو نصیحت کی (کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگنا)۔‘‘

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’آج رات میرا رب میرے پاس نہایت احسن صورت میں آیا ...... اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: اے محمد! جب آپ نماز ادا کر چکیں تو یہ دعا مانگیں:

---

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الصلاة، باب في الاستغفار، ۲: ۵۶۴، رقم: ۱۵۲۲

۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۶: ۳۲، رقم: ۹۹۳۷

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَ تَرْكَ الْمُنكَرَاتِ، وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ، وَإِذَا أَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ۔ (۱)

''اے اللہ! میں تجھ سے اچھے اعمال کے اپنانے، برے اعمال کو چھوڑنے اور مساکین کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور جب تو اپنے بندوں کو آزمانے کا ارادہ کرے تو مجھے اس سے پہلے ہی اپنے پاس بلا لے۔''

۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''(حالتِ نماز میں) میں حضور نبی اکرم ﷺ کے عین پیچھے کھڑا ہوتا تھا۔ پس آپ ﷺ جب سلام پھیرتے تو فرماتے:

اللّٰهُمَّ، اجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِي آخِرَهُ، اللّٰهُمَّ، اجْعَلْ خَوَاتِيْمَ عَمَلِي رِضْوَانَكَ. اللّٰهُمَّ، اجْعَلْ خَيْرَ أَيَّامِي يَوْمَ أَلْقَاكَ ۔ (۲)

''اے میرے اللہ! میری عمر کا آخری حصہ بہترین بنا دے، اے میرے اللہ! میرے اعمال کا خاتمہ اپنی رضا پر کر، اے میرے اللہ! میرے دنوں میں سے بہترین دن اس کو بنا جس دن میں تیرے ساتھ ملاقات کروں۔''

۴۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں جب بھی فرض نماز یا نفل نماز میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو ان کلمات سے

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله ﷺ، باب ومن سورة ص، ۵: ۳۸۲، رقم: ۳۲۳۳

۲۔ حاكم، المستدرك، ۱: ۷۰۸، رقم: ۱۹۳۲

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۹: ۱۵۷، رقم: ۹۴۱۱

۲۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۴۸۰، رقم: ۱۹۶۲

دعا فرماتے ہوئے سنا جن میں آپ ﷺ نہ اضافہ فرماتے تھے اور نہ کمی:

اللّٰهُمَّ، اغْفِرْلِي ذُنُوبِي وَخَطَايَايَ، اللّٰهُمَّ، أَنْعِشْنِي وَاجْبُرْنِي وَاهْدِنِي لِصَالِحِ الْأَعْمَالِ وَالْأَخْلَاقِ فَإِنَّهُ لَا يَهْدِي لِصَالِحِهَا وَلَا يَصْرِفُ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ۔[1]

''اے میرے اللہ! میری خطائیں اور گناہ بخش دے، اے میرے اللہ! مجھے (اپنی عبادت اور اطاعت کے لئے) ہشاش بشاش کر دے اور میرے حال کو درست فرما اور مجھے نیک اعمال اور اخلاق کی رہنمائی عطا فرما پس بیشک تیرے سوا ان نیک اعمال کی رہنمائی کوئی نہیں فرماتا اور نہ ہی تیرے سوا برے اعمال و اخلاق سے کوئی بچاتا ہے۔''

۵۔ حضرت مروان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی موجودگی میں حضرت کعب (احبار) رضی اللہ عنہ نے حلف اٹھایا: ''اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کو چیر دیا۔ ہم نے تورات میں دیکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب نماز سے فارغ ہوتے تو آپ علیہ السلام یوں دعا کرتے:

اللّٰهُمَّ أَصْلِحْ لِي دِينِي الَّذِي جَعَلْتَهُ لِي عِصْمَةً وَ أَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي جَعَلْتَ فِيهَا مَعَاشِي، اللّٰهُمَّ، إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَأَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ نِقْمَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ، قال: وَحَدَّثَنِي كَعْبٌ أَنَّ صُهَيْبًا حَدَّثَهُ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ كَانَ يَقُولُهُنَّ عِنْدَ

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۸: ۲۰۰، رقم: ۷۸۱۱

۲۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۴۷۵، رقم: ۱۹۳۵

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۱۱۲

انْصِرَافِهِ مِنْ صَلَاتِهِ۔ (۱)

''اے اللہ! وہ دین جو میرے لئے ذریعہ نجات ہے اسے درست فرما دے اور میری دنیا جس میں میرا رزق ہے اس کی اصلاح فرما، اے اللہ! میں تیرے غضب سے تیری رضامندی کی پناہ طلب کرتا ہوں اور تیرے عذاب سے تیری معافی کی پناہ مانگتا ہوں۔ تو جو کچھ عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے۔ اور مال دار کا مال تیرے نزدیک کسی کام نہ آئے گا۔ حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز ادا فرما لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہ کلمات ارشاد فرماتے۔''

۶۔ حضرت ابو زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہر نماز میں سلام پھیرنے کے بعد کہا کرتے تھے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلَى كُلِّ شَيءٍ قَدِيْرٌ. لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ. لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ. وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ. لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ. وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ. لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَو كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ. وَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُهَلِّلُ بِهِنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ۔ (۲)

(۱) ۱۔ نسائي، السنن، كتاب السهو، باب نوع آخر من الدعاء و عند الإنصراف من الصلاة، ۳: ۵۰، رقم: ۱۳۴۶
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۸: ۳۳، رقم: ۷۲۹۸
۳۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۸: ۶۵، رقم: ۵۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة و بيان صفته، ۱: ۴۱۵، رقم: ۵۹۴

←

’’اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہی ہے، اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اللہ کے سوا کوئی غالب آنے والا اور قوت رکھنے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے۔ اور ہم سوائے اس کے کسی کی عبادت نہیں کرتے اسی کی تمام نعمتیں ہیں اور اسی کے لئے فضل اور تمام اچھی تعریفیں ہیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کا دین خالص ہے اگرچہ کافروں کو یہ ناگوار گزرے۔‘‘

کن لوگوں کی دعا جلد قبول ہوتی ہے؟

احادیثِ مبارکہ میں ایسے لوگوں کی نشان دہی کی گئی ہے جن کی دعا جلد قبول ہوتی ہے وہ مستجاب الدعوات درج ذیل ہیں:

۱۔ مظلوم، مسافر اور والد کی دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثُ دَعْوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ، دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَ دَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ۔(۱)

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الوتر، باب ما یقول الرجل إذا سلم، ۲: ۵۵۸، رقم: ۱۵۰۶

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۲: ۱۸۴، رقم: ۲۸۳۹

۴۔ طبرانی، کتاب الدعاء، ۱: ۲۱۲، رقم: ۶۸۱

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب البر و الصلة، باب ما جاء فی دعوةِ الوَالِدَیْنِ، ۳: ۴۶۹، رقم: ۱۹۰۵

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الصلاة، باب الدعا بظهر الغیب، ۱: ۵۶۸، رقم: ۱۵۳۶

’’تین (قسم کے لوگوں کی) دعائیں بلا شک و شبہ مقبول ہیں۔ مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد کی اپنے بیٹے کے لئے کی گئی بددعا۔‘‘

۲۔ غائب کی دعا

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُوْ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الغَيْبِ إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ وَلَكَ بِمِثْلٍ۔(۱)

’’جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے اس کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے تو مقرر کردہ فرشتہ کہتا ہے تجھے بھی ایسے ہی نصیب ہو۔‘‘

۳۔ روزہ دار اور عادل حکمران کی دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الصَّائِمُ حَتّٰى يُفْطِرَ، وَالإِمَامُ الْعَادِلُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَ يَفْتَحُ لَهَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ وَ يَقُوْلُ الرَّبُّ وَ عِزَّتِي لَأَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ ۔(۲)

’’تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی روزہ دار جب کہ افطار کرے، عادل حکمران

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الذكر و الدعاء و التوبة و الاستغفار، ۴: ۲۰۹۴، رقم: ۲۷۳۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۴۵۲، رقم: ۲۷۵۹۸

(۲) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الدعوات، باب في العَفْوِ وَالْعَافِيَةِ، ۵: ۵۴۶، رقم: ۳۵۹۸

اور مظلوم کی دعا، اللہ تعالیٰ اس کو بادلوں سے بھی اوپر اٹھاتا ہے۔ اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں ضرور تیری مدد کروں گا۔ اگرچہ ایک مدت کے بعد ہو۔‘‘

علاوہ ازیں مجاہد، حاجی، بیمار اور عفو و درگزر کرنے والے کی بھی دعا قبول ہوتی ہے۔

روز مرّہ کی چند مسنون دعائیں

روز مرّہ کی دعائیں جو مختلف مواقع پر حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ارشاد فرمائیں اور جن کا صبح و شام مختلف اوقات میں مانگنا سنت ہے۔ ان میں سے چند منتخب دعائیں درج ذیل ہیں:

۱۔ اذان کے بعد کی دعا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اذان سنے اسے چاہیئے کہ یہ کہے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ،آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَحْمُوْداً الَّذِي وَعَدْتَهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۱)

’’اے اللہ! اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب! حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما، اور انہیں مقام محمود پر فائز فرما، تو اس کے لیے قیامت کے روز میری شفاعت حلال ہوگئی۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأذان، باب الدُّعَاءَ عند الله أذن، ۱: ۲۲۲، رقم: ۵۸۹

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یقول إذا أذن المؤذن، ۱: ۲۵۲، رقم: ۲۱۱

۲۔ مسجد میں داخل ہونے کی دعا

حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے:

اللّٰهُمَّ! افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ ۔(۱)

اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''

۳۔ مسجد سے نکلنے کی دعا

اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ ۔(۲)

اے اللہ! ''میں تیرے فضل سے سوال کرتا ہوں۔''

۴۔ گھر میں داخل ہونے کی دعا

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو کہے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَ خَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللهِ وَ لَجْنَا،

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب ما يقول إذا دخل المسجد، ۱: ۴۹۴، رقم: ۷۱۳

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الصلوٰة، باب ما يقول عند دخوله المسجد، ۱: ۳۴۷، رقم: ۳۱۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب ما يقول إذا دخل المسجد، ۱: ۴۹۴، رقم: ۷۱۳

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الصلوٰة، باب ما يقول عند دخوله المسجد، ۱: ۳۴۷، رقم: ۳۱۴

وَ بِسْمِ اللهِ خَرَجْنَا، وَ عَلَى اللهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا، ثُمَّ يُسَلِّمْ عَلَى أَهْلِهِ (۱)

’’اے اللہ! میں تجھ سے (گھر میں) داخل ہونے کی بھلائی مانگتا ہوں اور (گھر سے باہر) نکلنے کی بھلائی۔ اللہ کے نام کے ساتھ ہم داخل ہوئے اور اللہ کے نام کے ساتھ ہم نکلے اور اپنے رب پر ہم نے بھروسہ کیا پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔‘‘

۵۔ گھر سے باہر نکلنے کی دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گھر سے باہر جاتے وقت یہ کلمات کہے جائیں:

بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ (۲)

’’اللہ کے نام سے (باہر جاتا ہوں) میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے کی قوت اسی (کی عطا) سے ہے۔‘‘

۶۔ بازار میں داخل ہونے کی دعا

حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر بواسطہ والد اپنے دادا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’جو شخص بازار میں داخل ہو تو یہ کلمات کہے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي

(۱) أبوداود، السنن، كتاب الأدب، باب ما جاء فيمن دخل بيته ما يقول، ۴: ۳۶۰، رقم: ۵۰۹۶

(۲) ترمذى، الجامع الصحيح، أبواب الدعوات، باب ما يقول إذا خرَجَ من بَيْتِهِ، ۵: ۴۲۶، رقم: ۳۴۲۶

وَيُمِيْتُ وَ هُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔(۱)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے بادشاہی ہے وہی لائق ستائش ہے۔ وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے وہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا اس کے قبضہ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

۷۔ سفر کی دعا

حضرت علی ازدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بتلایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کہیں سفر پر جاتے تو سورۃ الزخرف کی درج ذیل آیت نمبر ۱۳ اور ۱۴ پڑھے:

سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ ○ وَ إِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ○(۲)

پاک ہے وہ ذات جس نے اِس کو ہمارے تابع کر دیا حالانکہ ہم اِسے قابو میں نہیں لا سکتے تھے○ اور بیشک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹ کر جانے والے ہیں○‘‘

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الدعوات، باب ما يقول إذا دخل السُّوق، ۵: ۴۲۷، رقم: ۳۴۲۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب ما يقول إذا ركب إلى سفر الحج وغيره، ۲: ۹۷۸، رقم: ۱۳۴۲۔

۲۔ ترمذي، الجامع الصحيح، أبواب الدعوات، باب ما يقول إذا ركب دابة، ۵: ۴۴۳: رقم: ۳۴۴۶۔

۸۔ سفر سے واپسی کی دعا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حج یا عمرہ ادا کرنے کے بعد سفر سے واپس تشریف لاتے تو یوں فرمایا کرتے تھے:

آيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔(۱)

’’ہم آنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، سجدہ کرنے والے اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔‘‘

۹۔ قبروں کی زیارت کی دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے اور اہل قبور کو ان کلمات سے سلام فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللهُ تَعَالَى بِكُمْ لَاحِقُوْنَ۔(۲)

’’اے مومن اہل قبور! تم پر سلامتی ہو اور بے شک ہم اگر اللہ نے چاہا تو تم سے ملنے والے ہیں۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العمرة، باب ما یقول إذا رجع من الحج أوالغزو، ۲: ۶۳۷، رقم: ۱۷۰۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب ما یقول إذا رکب إلی الحج وغیره، ۲: ۹۷۸، رقم: ۱۳۴۲

(۲) ابن ماجه، السنن، کتاب الزهد، باب ذِکْرِ الْحَوْضِ، ۴: ۵۶۴، رقم: ۴۳۰۶

۱۰۔ مریض کی عیادت کی دعا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان بندہ کسی ایسے بیمار کی عیادت کرے جس کی موت کا وقت نہ آ چکا ہو تو وہ سات بار یوں کہے:

أَسْأَلُ اللّٰهَ العظيمَ رَبَّ العَرْشِ الْعَظِيْمِ أَن يَشْفِيَكَ إِلَّا عُوفِيَ۔ (۱)

''میں اللہ بزرگ و برتر اور عرش عظیم کے رب سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفاء عطا فرمائے۔''

۱۱۔ کھانا شروع کرنے کی دعا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُم فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللهِ فَإِن نسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اسْمَ اللهِ فی أَوّلِهَ فَلْيَقُلْ بِسِمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَ اٰخِرَهُ (۲)

''جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اللہ کا نام ضرور لے۔ اگر کھانے سے پہلے اللہ کا نام لینا بھول جائے تو بسم اللہ اولہ و آخرہ کہنا چاہیے۔''

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب طب، باب ما جاء فی التَّداوي بالعَسَل، ۴: ۵۹۳، رقم: ۲۰۸۳

(۲) أبو داود، السنن، كتاب الأطعمة، باب التسميه على الطعام: ۳، ۳۵۶، رقم: ۳۷٦۷

۱۲۔ کھانے کے بعد کی دعا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو کہتے:

اَلْحَمْدُ ِللهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ(۱)

''سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔''

۱۳۔ کسی کے ہاں کھانا کھانے کی دعا

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کے پاس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اورانہوں نے کھانا تناول فرمانے کے بعد یہ دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ، بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَ اغْفِرْلَهُمْ وَارْحَمْهُمْ ۔(۲)

اے اللہ! ''جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں برکت فرمایا: ان کی بخشش فرما، اوران پر رحم فرما۔''

---

(۱) أبو داود، السنن، کتاب الأطعمة، باب ما یقول الرجل إذا طعم، ۳: ۳۸۱، رقم: ۳۸۵۰

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأشربة، باب استحباب وضع النوی خارج النحر، و استحباب دعاء الضیف لأهل الطعام، ۳: ۱٦۱۵، رقم: ۲۰۴۲

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب فی دعاء الضیف، ۵: ۵۳۵، رقم: ۳۵۷٦

۱۴۔ چھینکتے وقت کی دعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ کہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ چھینک سننے والا یہ کہے: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ (اللہ تم پر رحم فرمائے)۔ پھر اس کے جواب میں چھینکنے والا اس طرح کہے:

يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔ (۱)

''اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری اصلاح فرمائے۔''

۱۵۔ بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو کہتے:

اللّٰهُمَّ، إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ ۔ (۲)

''اے اللہ! میں ناپاکی اور ناپاکیوں سے تیری پناہ لیتا ہوں۔''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب إِذَا عَطَسَ كَيْفَ يُشَمَّتُ، ۵: ۲۲۹۸، رقم: ۵۸۷۰

۲۔ ترمذي، الجامع الصحیح، أبواب الأدب عن رسول الله، باب ما جاء كيف يُشَمَّتُ الْعَاطِسُ، ۴: ۴۵۶، رقم: ۲۷۴۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب ما يقول عند الخلاء، ۱: ۶۶، رقم: ۱۴۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحیض، باب ما يقول إذا أراد دخول الخلاء، ۱: ۲۸۳، رقم: ۳۷۵

۱۶۔ بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو کہتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی أَذْهَبَ عَنِّی الْأَذٰی وَ عَافَانِی۔(۱)

’’خدا کا شکر ہے جس نے تکلیف مجھ سے دور کر دی اور عافیت بخشی۔‘‘

۱۷۔ نیا چاند دیکھنے کی دعا

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیا چاند دیکھتے تو یہ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ، أهلِلهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَ الْإِيمَانِ وَ السَّلَامَةِ وَ الإِسْلَامِ، رَبِّي وَرَبُّكَ اللّٰهُ ۔(۲)

’’اِلٰہی! اس کا طلوع ہونا ہمارے لئے امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کا ذریعہ بنا اور تیرا رب اللہ ہے۔‘‘

۱۸۔ آئینہ دیکھنے کی دعا

حضرت یحییٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئینہ دیکھتے وقت فرمایا کرتے تھے:

---

(۱) ابن ماجة، السنن، كتاب الطهارة، باب ما يقول إذا خَرَج من الخلاء، ۱: ۱۷۷، رقم: ۳۰۱

(۲) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الدعوات، باب ما يقُولُ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْهَلَالِ، ۵: ۴۴۷، رقم: ۳۴۵۱

اللّٰهُمَّ، حسّنت خَلْقي فأحسن خُلُقي۔(۱)

’’اے اللہ! تو نے مجھے حسین بنایا پس میرے اخلاق کو بھی خوبصورت بنا۔‘‘

۱۹۔ نیا لباس پہننے کی دعا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے خواہ وہ قمیض ہوتی یا عمامہ اور پھر کہتے:

اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ، أسأَلُكَ مِنْ خَيْرِهِ وَ خَيْرِ مَا صُنِعَ لَهُ، وَ أعوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ و شَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ ۔(۲)

’’اے اللہ! تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں تو نے مجھے یہ پہنایا میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس کی برائی سے نیز جس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے اس کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔‘‘

سوتے وقت کی مسنون دعائیں

سوتے وقت درج ذیل دعائیں مانگنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے:

۱۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر پر جاتے تو کہتے:

بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَ أَحْيَا ۔(۳)

---

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۶: ۳۶۴، رقم: ۸۵۴۲

(۲) أبو داود، السنن، کتاب اللباس، باب ما یقول إذا البس ثوبًا جدیداً، ۴: ۴۱، رقم: ۴۰۲۰

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب الدعوات، باب ما یقول إذا نام، ۵: ۲۳۲۶، رقم: ۵۹۵۳

’’تیرے نام کے ساتھ سوتا اور جاگتا ہوں۔‘‘

۲۔ امام ترمذی علیہ الرحمۃ (۲۱۰۔۲۷۹ھ) نے اسی روایت کو بعض الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیتے اور یہ دعاء پڑھتے:

اللَّهُمَّ، قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَجْمَعُ أَوْ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ۔(۱)

’’اے اللہ! مجھے اپنے عذاب سے بچا جس دن تو بندوں کو جمع کرے گا یا (قبروں سے) اٹھائے گا۔‘‘

۳۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’جب تم سونے لگو تو نماز جیسا وضو کر لیا کرو، پھر داہنی کروٹ پر لیٹ جایا کرو۔ پھر کہو:

اللَّهُمَّ، أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَ فَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَ أَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَ رَهْبَةً إِلَيْكَ، لا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، اللَّهُمَّ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَ بِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ۔(۲)

’’اے اللہ! میں نے اپنا چہرہ تیری طرف کر دیا اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب ماجاء فی الدعا إذا أوی إلی فراشه، ۵: ۴۰۴، رقم: ۳۳۹۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب فضل من بات علی الوضوء، ۱: ۹۷، رقم: ۲۴۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر والدعاء و التوبة والاستغفار، باب ما یقول عند النوم وأخذ المضجع، ۴: ۲۰۸۱، ۲۰۸۲، رقم: ۲۷۱۰

اور تجھ سے رغبت اور خوف رکھتے ہوئے اپنی پیٹھ جھکا دی۔ تیرے سوا کوئی جائے پناہ اور نجات کی جگہ نہیں۔ اے اللہ! میں تیری کتاب پر ایمان لایا جو تو نے اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمائی جسے تو نے بھیجا۔‘‘

۴۔ سوتے وقت یہ تصور کرے کہ سونا ایک طرح کی وفات ہے اور جاگنا ایک طرح کا جی اٹھنا ہے۔ سوتے وقت وہ اپنے دل کو ٹٹولے کہ کس بات پر وہ نیند کر رہا ہے اور اس وقت دل پر کیا چیز غالب ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت یا اس سے ملنے کی محبت زیادہ ہے یا دنیا کی محبت زیادہ ہے۔ اس کے بعد یقین کر لے کہ میری موت بھی اسی حال پر ہو گی جو دل پر غالب ہے اور اسی پر میرا حشر ہو گا۔

جاگتے وقت کی مسنون دعائیں

جاگتے وقت درج ذیل دعائیں مانگنا سنت نبوی ﷺ ہے:

۱۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کہ جب آپ ﷺ بیدار ہوتے تو فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَ إِلَيْهِ النُّشُورُ۔[1]

’’تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مرنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف (مرنے کے بعد) اٹھ کر جانا ہے۔‘‘

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ’’جب کبھی رات کو سونے کے دوران حضور نبی اکرم ﷺ کی آنکھ کھل جاتی تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

لَا إِله إِلا اللهُ الوَاحِدُ القَهَّارُ، رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالأَرض وما بَيْنَهُمَا العزيزُ الغفّار۔[2]

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الدعوات، باب ما يقول إذا نام، ۵: ۲۳۲۶، رقم: ۵۹۵۳

(۲) ابن حبان، الصحیح، ۱۲: ۳۴۰، رقم: ۵۵۳۰

حضور نبی اکرم ﷺ نیند سے بیدار ہوتے تو سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات تلاوت فرماتے اور دعائے نور بھی آپ ﷺ کے رات کے مرغوب اوراد میں شامل تھی۔

دعائے نور

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ میں دعائے نور درج ذیل الفاظ کے ساتھ منقول ہے:

اَللّٰهُمَّ، اجْعَلْ لِي نُورًا فِي قَلْبِي، وَنُورًا فِي قَبْرِي، وَنُورًا مِنْ بَيْنَ يَدَيَّ، وَنُورًا مِنْ خَلْفِي، وَنُورًا عَنْ يَمِينِي، وَنُورًا عَنْ شِمَالِي، وَنُورًا مِنْ فَوْقِي، وَنُورًا مِنْ تَحْتِي، وَنُورًا فِي سَمْعِي، وَنُورًا فِي بَصَرِي، وَنُورًا فِيْ شَعْرِي، وَنُورًا فِي بَشَرِي، وَنُورًا فِيْ لَحْمِي، وَنُورًا فِي دَمِي، وَنُورًا فِي عِظَامِي. اَللّٰهُمَّ، أَعْظِمْ لِي نُورًا، وَأَعْطِنِي نُورًا، وَاجْعَلْ لِّي نُورًا۔ (۱)

''اے اللہ! میرے دل میں نور بھر دے، میری قبر میں نور بھر دے، میرے آگے نور کر دے، میرے پیچھے نور کر دے، میرے دائیں نور کر دے، میرے بائیں نور کر دے، میرے اوپر نور کر دے، میرے نیچے نور کر دے، میری سماعت میں نور کر دے، میری بصارت میں نور کر دے، میرے بالوں میں نور کر دے، میری جلد میں نور بھر دے، میرے گوشت میں نور بھر دے، میرے خون میں نور بھر دے اور میری ہڈیوں میں نور بھر دے۔ اے اللہ! میرے لئے نور کو بڑھا دے، مجھے نور عطا فرما اور مجھے نور ہی نور بنا دے۔''

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الدعوات، باب ما جاء ما یقول إذا قام من اللیل إلی الصلاۃ، ۵: ۴۱۹، ۴۲۰، رقم: ۳۴۱۹
۲۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۲۷، کتاب الدعوات، رقم: ۵۹۵۷
۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاۃ المسافرین، ۱: ۵۲۶، رقم: ۷۶۳

حاصلِ کلام

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ دعا عاجزی و انکساری کی حالت میں کیفیتِ قلب کے اظہار کا نہایت آسان اور ایسا محبوب ترین عمل ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے بھی شامل حال رہا۔ اور ہمارے آقا و مولا ﷺ کا پسندیدہ معمول بھی یہی تھا دعا کی فضیلت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں انبیاء علیہم السلام کی زبانِ اقدس سے دعائیہ کلمات ''رَبَّنَا'' ایک سو پانچ (۱۰۵) مرتبہ اور ''ربِّ'' انہتر (٦٩) مرتبہ ادا کروائے۔ علاوہ ازیں لفظ اللّٰھُمَّ کا پانچ (۵) مرتبہ ذکر آیا ہے۔ کتبِ حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسوب بے شمار مسنون دعاؤں کا ذکر ملتا ہے۔

باب ہشتم

فضائلِ صدقات و خیرات

دینی زندگی میں صدقہ و خیرات کی جو اہمیت ہے اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ صدقہ و خیرات سے کیا مراد ہے اور یہ کن کن فضیلتوں کا حامل ہے اس کا ذکر ہم ذیل میں تفصیل سے کریں گے:

معنی و مفہوم

صدقہ کا لغوی معنی خیرات ہے۔ اس سے مراد وہ مال ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے غریب لوگوں کو دیا جائے۔[1]

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

’’صدقہ وہ مال ہے جس کا ادا کرنا واجب نہ ہو بلکہ خیرات دینے والا اس سے اصلاح وتقویٰ کا قصد کرے۔‘‘[2]

مذکورہ بالا معانی سے صدقہ کا مفہوم یہ ہوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد زائد مال و دولت کو مستحقین کے درمیان اس طرح خرچ کیا جائے کہ ان کا معاشی تعطل ختم ہو۔ ان کی تخلیقی جدوجہد بحال ہو اور وہ معاشرے کی ترقی میں مطلوبہ کردار بحسن وخوبی سرانجام دے سکیں۔

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۰: ۱۹۲

(۲) راغب أصفہانی، مفردات الفاظ القرآن: ۴۸۰

صدقہ و خیرات کا حکم

اسلام میں انفاق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر اللہ رب العزت نے انفاق فی سبیل اللہ کا حکم فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةًط وَاللهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَo[(۱)]

’’کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے پھر وہ اس کے لئے اسے کئی گنا بڑھا دے گا، اور اللہ ہی (تمہارے رزق میں) تنگی اور کشادگی کرتا ہے، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گےo‘‘

دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِلا اَعَدَّ اللهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًاo[(۲)]

’’بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور مومن مَرد اور مومن عورتیں، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور صدق والے مرد اور صدق والی عورتیں، اور صبر والے مرد اور صبر والی عورتیں، اور عاجزی والے مرد اور عاجزی والی عورتیں، اور صدقہ و خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ و خیرات کرنے والی

(۱) البقرة، ۲: ۲۴۵

(۲) الاحزاب، ۳۳: ۳۵

عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ نے اِن سب کے لئے بخشِش اور عظیم اجر تیار فرما رکھا ہےo‘‘

ایک اور مقام پر ارشادِ باری ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰـكُمْ (۱)

’’اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔‘‘

سورۃ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (۲)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔‘‘

متعدد احادیث نبوی ﷺ میں صدقہ و خیرات کی فضیلت و اہمیت بیان ہوئی ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ نے ہر مسلمان کو اس عملِ خیر کی تاکید فرمائی ہے۔

۱۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’ہر مسلمان پر صدقہ ہے۔ آپ سے پوچھا گیا (ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے) جو صدقہ کو نہ پا سکے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے ہاتھوں سے کمائے اور اپنے آپ کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے۔ عرض کیا گیا: اگر یہ بھی نہ کر سکے۔ فرمایا: کسی مجبور اور پریشان آدمی کی مدد کرے۔ پوچھا گیا: اگر یہ بھی نہ کر سکے۔ فرمایا: نیکی کا حکم دے۔ کہا گیا

(۱) البقرہ، ۲:۲۵۴

(۲) البقرہ، ۲:۲۶۷

اگر یہ بھی نہ کر سکے، فرمایا: برائی سے باز رہے یہ بھی صدقہ ہے۔‘‘(۱)

۲۔ حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہما نے حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں صدقہ کے متعلق بتائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ثواب کی نیت سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے صدقہ کرتا ہے اس کے لئے یہ آگ سے ڈھال ہے۔‘‘(۲)

۳۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ، وَأَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ. وَلَا تُلَامُ عَلَى كَفَافٍ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ. وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى۔(۳)

’’اے ابن آدم! تیرے لیے ضرورت سے زائد چیز کا خرچ کرنا بہتر ہے اور (ضرورت سے زائد اپنے پاس) روکے رکھنا تیرے لئے برا ہے، اور بقدرِ ضرورت (اپنے پاس) رکھنے پر تجھے کچھ ملامت نہیں اور پہلے ان پر خرچ کرو جو تمہارے زیرِ کفالت ہیں، اور اُوپر کا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) نیچے کے ہاتھ (یعنی لینے والے ہاتھ) سے بہتر ہے۔‘‘

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيانه أنه اسم الصدقة يقع على كل نوع، ۲: ۶۹۹، رقم: ۱۰۰۸

(۲) طبراني، المعجم الكبير، ۲۵، ۳۵، رقم: ۶۲

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب: بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الشهادات عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء في الزّهادةِ في الدُّنيا، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳

’’بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال ان دو شخصوں کی طرح ہے جن پر لوہے کی دو زرہیں ہوں، جب صدقہ دینے والا صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو زرہ کشادہ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کے نشان مٹا دیتی ہے اور جب بخیل صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زرہ اس پر تنگ ہو جاتی ہے، اس کے ہاتھ اس کے گلے میں پھنس جاتے ہیں اور ہر حلقہ دوسرے میں گھس جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا بخیل اسے کشادہ کرنا چاہتا ہے مگر وہ کشادہ نہیں ہوتی۔‘‘(۱)

۵۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَنْفِقِي (أَوِ انْضَحِي، أَوِ انْفَحِي) وَلَا تُحْصِي، فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ ۔(۲)

’’خرچ کرو اور گن گن کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں گن گن کر دے گا۔‘‘

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

’’تم خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا، اور حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن کے خرچ سے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی، بھلا بتلاؤ تو سہی جب سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے کس قدر خرچ کر چکا ہے، (اس کے باوجود) اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اس

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب مثل النفق والبخل، ۲: ۷۰۸، رقم: ۱۰۲۱

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الحث فی الإنفاق، ۲: ۷۱۳، رقم: ۱۰۲۹

کا عرش پانی پر ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں صفت قبض ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بلند کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پست کر دیتا ہے۔‘‘[۱]

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی کوئی حد نہیں

اِنفاقِ فی سبیل اللہ اُصول نصاب اور حد کے تعینات کے ذیل میں نہیں آتا۔ اِس کے لئے نہ کم سے کم نصاب متعین ہے اور نہ زیادہ سے زیادہ حد، کیونکہ یہ ’’اِنفاق‘‘ احسان ہے۔

’’احسان‘‘ ایسا فعل ہے جو حدود و قیود سے بلند و بالا ہے، احسان میں چونکہ محسن کے پیشِ نظر اپنی ذات اور مادی منفعت نہیں ہوتی، اس لئے اس کا کوئی ’’نصاب‘‘ نہیں مقرر۔ مزید برآں احسان میں چونکہ دوسرے شخص کے استحقاق کا قانونی تعین نہیں ہوتا، اس لئے اس پر کوئی حد نہیں ہوتی۔ انفاق، جو فعلِ احسان کی عملی صورت ہے، رضائے اِلٰہی کے نصب العین کی خاطر ہر ایک پر لازم ہے، خواہ غریب ہو یا امیر، صاحبِ نصاب ہو یا غیر صاحبِ نصاب، تھوڑا دے سکے یا زیادہ، جو کچھ بھی اُسے میسر ہو۔ اُسی میں حسبِ استطاعت اِنفاق کرنا ’’احسان‘‘ ہے۔ اس پر یہ شرط نہیں ہے کہ کتنا مال ہو تو اس میں سے دے؟ یہ بات دینے والے کے لئے اپنے ظرف، غنائے نفس اور اُس کے ذاتی حالات پر منحصر ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[۲]

’’اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔‘‘

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی النفقۃ، ۲: ۶۹۱، رقم: ۹۹۳

(۲) القرآن، البقرہ، ۲:۳

یہاں ''ما'' کلمۂ عام ہے۔ جو نصاب کی شرط سے پاک ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ بھی خزانۂ قدرت سے نصیب ہوا ہو اُسی میں سے کم یا زیادہ راہِ خدا میں خرچ کیا جائے۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ فَیَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ○[1]

''اور تم اس (مال) میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اِس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ کہنے لگے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کی مہلت اور کیوں نہ دے دی کہ میں صدقہ و خیرات کر لیتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا○''

اِس آیتِ کریمہ میں ایک بدیہی حقیقت واضح کی گئی ہے وہ یہ کہ اِنفاق کے لئے ڈھیروں مال کا ہونا ضروری نہیں۔ جو کچھ میسر ہو اُسی میں سے خرچ کیا جانا چاہیے۔ اسی کا نام ''احسان'' ہے۔ دوسری یہ بات واضح کی گئی ہے کہ خدا کے مقربین و صالحینِ گروہ میں شامل ہونے کی یہی صورت ہے کہ اِنفاقِ مال کے عمل کو اپنایا جائے۔

صدقہ و خیرات کی اَہمیت و فضیلت

حضور نبی اکرم ﷺ کے متعدد ارشادات میں صدقہ و خیرات کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ذیل میں چند احادیثِ مبارکہ نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ صدقہ اپنے ہاتھوں سے وصول فرماتا ہے

اگر مال اللہ کی راہ میں خلوصِ دل سے خرچ کیا جائے تو وہ اسے اپنے ہاتھوں

(۱) المنافقون، ۶۳: ۱۰

سے وصول فرماتا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں سے کسی عمل کو اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں کہا کہ جب بھی تم ادا کرتے ہو تو میں خود بڑھ کر اپنے ہاتھوں سے وصول کرتا ہوں۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ، إِلَّا أَخَذَهَا الرَّحْمٰنُ بِيَمِيْنِهِ وَ إِنْ كَانَتْ تَمْرَةً فَتَرْبُو فِي كَفِّ الرَّحْمٰنِ حَتّٰى تَكُونَ أَعْظَمَ مِنَ الْجَبَلِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ أَوْ فَصِيلَهُ۔(۱)

’’جو شخص پاکیزہ مال سے صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ پاکیزہ مال کے سوا قبول نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے خواہ وہ ایک کھجور ہو، پھر وہ صدقہ دستِ قدرت میں بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ پہاڑ سے زیادہ ہو جاتا ہے، جس طرح تم میں سے کوئی شخص گھوڑے یا اونٹ کے بچے کو پالتا ہے۔‘‘

۲۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’تم میں سے ہر شخص عنقریب اللہ تعالیٰ سے اس طرح کلام کرے گا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ جب انسان اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اسے صرف اپنے بھیجے ہوئے اعمال نظر آئیں گے اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی اسے وہ اعمال نظر آئیں گے، جو اس نے آگے بھیجے ہیں سامنے دیکھے گا تو دوزخ نظر آئے گی، پس تم آگ سے بچو، خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے، ایک اور سند میں ہے خواہ اچھی بات سے۔‘‘(۲)

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب، ۲: ۷۰۲، رقم: ۱۰۱۴

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولوبشق تمرۃ، ۲: ۷۰۳، رقم: ۱۰۱۶

۲۔ صدقہ و خیرات نیکی اور تقویٰ کی بنیاد ہے

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔(۱)

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔‘‘

یہاں ’’بر‘‘ یعنی نیکی اور دینداری کا حصول ’’اِنفاق فی المال‘‘ کے بغیر ناممکن قرار دے دیا گیا ہے۔ قرآن کا اس سے زیادہ صریح اعلان اور کیا ہوسکتا ہے کہ تمہاری نیکی صرف اور صرف خدا کے راستے میں اِنفاق مال پر منحصر ہے۔ گویا عام لفظوں میں ’’اِنفاق‘‘ ہی کو ’’بر‘‘ یعنی نیکی قرار دے دیا گیا۔

۲۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۷ کے الفاظ بھی اِسی حقیقت کی تائید کر رہے ہیں کہ اصل نیکی ’’اِنفاق فی المال‘‘ ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَلٰـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِی الرِّقَابِ۔(۲)

’’بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔‘‘

---

(۱) آلِ عمران، ۳: ۹۲

(۲) البقرة، ۲: ۱۷۷

اس آیت کریمہ میں جملہ احکام و اعمال کو ''تصورِ نیکی'' کے ضروری جُز کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ لیکن قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ قرآن شرطِ ایمان پوری کرنے کے بعد نیکی کے حصول کا سب سے اوّلین تقاضا ''اِنفاق فی المال'' ہی کو قرار دے رہا ہے اور اس آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔[1]

''یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔''

گویا نیکی اور صدق و تقویٰ جیسے تمام تصورات کا تقاضائے اوّلین ''اِنفاق فی المال'' ہے۔ اس کے بغیر انسان صالحیت کے کسی مقام کو حاصل نہیں کر سکتا۔

''اِنفاق فی سبیل اللہ'' دینِ حق کے جملہ مقاصد کی تائید و تصدیق ہے اور اس سے انحراف، دینِ حق کے جملہ مقاصد کی تکذیب و تردید۔ یعنی اگر یہ نہ ہو تو دین کی کوئی حقیقت ہی نہیں رہتی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ کس طرح ہو گا کہ کون نیکی کی تصدیق کر رہا ہے اور کون تکذیب؟ قرآن نے اِس اَمر کا دوٹوک فیصلہ فرما دیا:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى○ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى○ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى○[2]

''پس جس نے (اپنا مال اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری اختیار کی○ اور اس نے (اِنفاق و تقویٰ کے ذریعے) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کی تصدیق کی○ تو ہم عنقریب اسے آسانی (یعنی رضائے الٰہی) کے لئے سہولت

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷

(۲) اللیل، ۹۲: ۵-۱۰

فراہم کر دیں گے○ اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا○ اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا○ تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)○''

''سورۃ الماعون'' کا پورا نفسِ مضمون اِسی امر کی تائیدی شہادت فراہم کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَ یْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ○ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ○ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ○ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ○ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ○ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُ وْنَ○ وَ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ○[1]

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟ تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)○ اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)○ پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئے○ جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)○ وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجا لاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں)○ اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتے○''

مذکورہ بالا سورت میں اوّل سے آخر تک ''دین کے جھٹلانے والوں'' کی اصل پہچان بیان کی گئی ہے۔

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۱-۷

گویا بندگی یہ ہے کہ انسان کس حد تک اپنے خالق و مالک کی رضا کی خاطر اس کے پریشان حال بندوں سے عملی ہمدردی اور بہی خواہی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر دل میں انسانیت کا یہ درد اور جذبہ خدمت نہ ہو بلکہ اس کے برعکس زندگی کا طرزِ عمل خودغرضانہ، مفاد پرستانہ ہو تو کوئی عبادت، عبادت نہیں اور نہ کوئی نماز، نماز ہے۔ بلکہ سب دکھلاوا اور ریاکاری بن جاتا ہے، جو انسان کو بجائے خدا کے قریب کرنے کے، جہنم کا ایندھن بنا دے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يَا عَائِشَةُ لَا تَرُدِّي الْمِسْكِيْنَ وَلو بِشَقِّ تمرةٍ، يَا عَائِشَةُ أَحِبِّي الْمَسَاكِيْنَ وَ قَرِّبِيهم فَإِنَّ اللّٰهَ يُقَرِّبُكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ـ (۱)

''اے عائشہ! مسکین (کے سوال) کو کبھی رد نہ کرنا اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔ اے عائشہ! مساکین سے محبت رکھ اور انہیں اپنے قریب کر (ایسا کرنے سے) اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اپنا قرب نصیب کرے گا۔''

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

وَأَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا۔ (۲)

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہونگے، پھر آپ ﷺ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔''

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر سورۃ ماعون کے مضمون کے تعلیمی پہلو کو اس

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الشهادات، باب ماجاء أنَّ فُقُرَاءَ المهاجرين، ۴: ۱۷۲، رقم: ۲۳۵۲

(۲) بخاری الصحیح، الطلاق، باب اللِّعَانِ، ۵، ۲۰۳۲، رقم: ۴۹۹۸

طرح دہرایا گیا ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○[۱]

’’اور (اپنا) کھانا اﷲ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوُجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں ○‘‘

۳۔ صدقہ و خیرات اَصل دین داری ہے

۱۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ○ فَكُّ رَقَبَةٍ ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ○ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ○ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ○ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ○ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ○[۲]

’’اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہے○ وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہے○ یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطّل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)○ قرابت دار یتیم کو ○ یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہے○ پھر (شرط یہ ہے کہ ایسی جدّ و جہد کرنے والا) وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و تحمّل کی نصیحت کرتے ہیں اور باہم رحمت و شفقت کی تاکید کرتے ہیں○ یہی لوگ دائیں طرف والے (یعنی اہلِ سعادت و مغفرت) ہیں○ اور جن لوگوں نے

(۱) الدھر، ۷۶: ۸

(۲) البلد، ۹۰: ۱۲۔۱۹

ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں (یعنی اہلِ شقاوت و عذاب) ہیںo‘‘

مذکورہ بالا آیات نے ’’العقبۃ‘‘ سے علامتی طور پر دینِ حق کی پیروی کا وہ اصل راستہ دکھایا ہے جو شہادت گہِ الفت ہے۔ یہ عنوان سے اس عمل کی نشان دہی کرتا ہے جو صرف اور صرف ضرورت مندوں اور محتاجوں کے معاشی ابتلاء و تعطل کو دور کر کے انہیں زندگی میں آسودگی و آسائش مہیا کرنے سے عبارت ہے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی تخلیقی جدوجہد جاری رکھ سکیں۔ بالآخر اسی عمل کو شرطِ ایمان قرار دے کر صبر و تحمل اور باہمی مودت و رحمت کی تلقین کی گئی ہے اور ایسے لوگوں کو ’’اصل دیندار اور جنتی‘‘ قرار دیا گیا ہے۔ جو انفاق فی سبیل اللہ کی راہ پر گامزن ہیں۔ جب کہ اس طرزِ عمل اور ہدایاتِ ربانی سے انکار و انحراف کرنے والوں کو لادین اور جہنمی قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح قوم ثمود کی تباہی و ہلاکت کا بیان کرتے ہوئے قرآنِ مجید ’’سورۃ الماعون‘‘ کے مضمون کو پھر دہراتا ہے۔ جس سے بے دینی کے قرآنی تصور کا اندازہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَo وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِo وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّاo وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاo[1]

’’یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتےo اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہوo اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)o اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہوo‘‘

(۱) الفجر، ۸۹: ۱۷۔۲۰

مذکورہ بالا حتمی دلائل و شواہد کی روشنی میں اس امر کو تسلیم کرنے میں کوئی تامل باقی نہیں رہنا چاہیے کہ ’’انفاق فی المال‘‘ ہی حقیقت میں تصدیقِ دین اور اس کا ترکِ تکذیب دین ہے۔

۴۔ صدقہ و خیرات رضائے اِلٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے

رضائے الٰہی کے حصول کے لئے صدقہ و خیرات کا کیا کردار ہے اس اٹل اور نا قابلِ تردید حقیقت کو قرآن نے ایک شاندار تمثیل کے ذریعے بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَاوَابِلٌ فَاٰ تَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ج فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌo (۱)

’’اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اپنے آپ کو (ایمان و اطاعت پر) مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ کی سی ہے جو اونچی سطح پر ہو اس پر زوردار بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے اور اگر اسے زوردار بارش نہ ملے تو (اسے) شبنم (یا ہلکی سی پھوار) بھی کافی ہو، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہےo‘‘

اس آیتِ کریمہ نے پیشِ نظر مضمون کو اس طرح اجاگر کر دیا کہ اس کی صحت و حقانیت پر کسی مزید تصدیق کی ضرورت نہ رہی۔ آیت کریمہ کا مدعا یہ ہے کہ جس طرح مرطوب آب و ہوا سے کسی علاقے میں اونچائی پر واقع باغ کو اس سے بے نیاز کر دیا کہ بارش ہو نہ ہو ہر حال میں پھل دیتا ہے۔ اسی طرح ’’انفاق فی المال‘‘ تھوڑا ہو یا زیادہ ہر صورت میں رضائے الٰہی کا پھل لاتا ہے۔ رضائے الٰہی کے حصول کی حتمی ضمانت جس

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۶۵

انداز سے ’’عملِ انفاق‘‘ کے نتیجے میں بیان کی گئی ہے۔ کسی اور عمل کے نتیجے میں نہیں کی گئی۔ اس تمثیل کے ذریعے دراصل یہ واضح کیا گیا ہے کہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص رضائے الٰہی کی خاطر ’’انفاق‘‘ کرے اور اسے بالیقین رضائے الٰہی کا ثمر نصیب نہ ہو۔ گویا ’’انفاق فی المال‘‘ اور ’’رضائے الٰہی‘‘ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ یا ’’شرط‘‘ اور ’’صلہ‘‘ ہیں۔ اگر مطلوبہ شرط پوری کی جائے تو صلہ بہر صورت میسر آ کر رہے گا۔

۲۔ قرآنِ حکیم نے اسی تصور کو ایک اور مقام پر یوں بیان کیا ہے:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ط سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُo[1]

’’اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہِ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو! بیشک وہ ان کے لئے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo اور مہاجرین اور ان کے مددگار (انصار) میں سے سبقت لے جانے والے، سب سے پہلے ایمان لانے والے اور درجۂ احسان کے ساتھ اُن کی پیروی کرنے والے، اللہ ان (سب) سے راضی ہوگیا اور وہ (سب) اس سے راضی ہوگئے اور اس نے ان کے لئے جنتیں تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی

(۱) التوبۃ، ۹: ۹۹، ۱۰۰

ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی زبردست کامیابی ہےo‘‘

پہلی آیت نے ’’انفاق‘‘ کے وجوب کو قربِ الٰہی و رضائے الٰہی اور قرب و رضائے رسول ﷺ کا باعث قرار دیا ہے تو دوسری آیت نے اس عمل کو احسان کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے رضائے الٰہی کی حقیقی اساس قرار دیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حیاتِ انسانی کا اصل نصب العین اور مقصد وحید رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ جس تک رسائی انفاق فی سبیل اللہ کے بغیر ممکن نہیں۔

۵۔ صدقہ و خیرات - قرضِ حسنہ

مال اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا انسان کا کوئی ذاتی کمال نہیں کیونکہ مال و جان سب کچھ اسی خالق کی عطا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے بندے پر یہ احسان کیا کہ اس مال کو وصول کر کے کئی گنا بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور بعض کو بے حساب و کتاب بھی دیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ (۱)

’’صدقہ دولت کو کم نہیں کرتا، معاف کرنے سے بندے کی عزت میں ہی اضافہ ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی شان بلند کر دیتا ہے۔‘‘

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ قطُّ وَمَا مَدَّ عَبْدٌ يَدَهُ بِصَدَقَةٍ إِلَّا أُلْقِيَتْ فِيْ يَدِ اللهِ قَبْلَ أَنْ تَقَعَ فِيْ يَدِ السَّائِلِ وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ لَهُ

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب البر و الصلة والأداب، باب استحباب العفو والتواضع، ۴: ۲۰۰۱، رقم: ۲۵۸۸

عَنْهَا غِنًى إِلَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ.(۱)

''صدقہ دولت کو کم نہیں کرتا۔ جب کوئی آدمی اپنا ہاتھ صدقہ کرنے کے لئے بڑھاتا ہے وہ سائل تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ڈال دیا جاتا ہے اور جو آدمی مستغنی ہوتے ہوئے مانگنا شروع کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے تنگ دستی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''

۳۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ اور میرے نزدیک اپنے مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ بئر حاء (کنویں کا نام) ہے اور وہ آج سے صدقہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے نیکی اور ذخیرہ آخرت کا امیدوار ہوں۔ یا رسول اللہ! آپ اسے اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق کسی مناسب مصرف میں لے آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 'خوب یہ تو نفع مند مال ہے، بہت خوب! یہ تو نفع مند مال ہے۔''(۲)

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَقْبَلُ الصَّدَقَاتِ وَيَأْخُذُهَا بِيَمِيْنِهِ، فَيُرَبِّيْهَا لِأَحَدِكُمْ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ مُهْرَهُ، أَوْ فَلُوَّهُ، أَوْ فَصِيلَهُ، حَتَّى إِنَّ اللُّقْمَةَ لَتَصِيرُ مِثْلَ أُحُدٍ.(۳)

(۱) طبراني، المعجم الكبير، ۱۱: ۳۲۱، رقم: ۱۲۱۵۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الوصايا، باب من تصدق إلى وكيله ثمّ ردالوكيل إليه، ۳: ۱۰۱۲، رقم: ۲۶۰۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة، ۲: ۶۹۳، رقم: ۹۹۷

(۳) أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۷۱، رقم: ۱۰۰۹۰

''اللہ تعالیٰ صدقہ قبول کرتا ہے، اسے دائیں ہاتھ میں پکڑ لیتا ہے۔ اللہ اسے اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح تم گائے یا اونٹنی کے بچے کو پالتے ہو۔ ایک آدمی ایک لقمہ صدقہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ یا ہتھیلی میں بڑھتا رہتا ہے۔ حتی کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم صدقہ کیا کرو۔''

۶۔ صدقہ و خیرات تزکیۂ نفس کا باعث ہے

تزکیہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ تزکیۂ مال اور تزکیہ نفس۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ تزکیہ کی دونوں صورتیں ''انفاق'' پر منحصر ہیں اور دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ○(۱)

''آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے○ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے○''

(۱) التوبہ، ۹: ۱۰۳۔ ۱۰۴

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ نے اس امر کی وضاحت کر دی کہ راہِ خدا میں صدقہ کے بغیر طہارت و تزکیہ ناممکن ہے۔

۷۔ صدقہ و خیرات اِجابتِ دعا کا باعث ہے

سورۃ التوبۃ کی اسی آیتِ متذکرہ میں ترتیبِ الفاظ پر دوبارہ غور فرمایئے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً۔

''آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے۔''

تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔

''کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرما دیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں۔''

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○[1]

''اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ○''

اس آیۂ کریمہ میں سب سے پہلے صدقہ و اِنفاق کا عمل جاری کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس ''اِنفاق'' کے ذریعے تمہاری ظاہری و باطنی میل کچیل دُور ہو جائے گی۔ تمہارا قلب و باطن اور نفس، رُوحانی آلودگیوں سے پاک و صاف ہو جائے گا۔ تزکیہ و تصفیہ کا یہ عمل جو محض ''اِنفاق فی المال'' کا نتیجہ و ثمرہ ہے انسان کو ظلماتِ نفسانی سے نجات دلا دے گا۔ گویا خلقِ خدا کی منفعت اور فیض رسانی کو اپنا شعار بنا کر جب تم اپنے لئے بارگاہِ ایزدی کی طرف متوجہ ہو گے تو تمہاری دُعائیں قبولیت سے نوازی جائیں گی اور یہ قبولیتِ دعا کا احساس تمہیں قلبی سکون عطا کرے گا۔ بیشک اللہ تمہاری ان دعاؤں کو بھی

(۱) التوبہ، ۹: ۱۰۳

سنتا ہے جو اپنی منفعت کے لئے دُعا مانگتے ہو اور تمہارے اس عمل کو بھی جانتا ہے جو تم دوسروں کی منفعت کی خاطر کرتے ہو (یا نہیں کرتے) گویا خلقِ خدا کے حق میں صدقہ و اِنفاق جتنا کثیر ہو گا اسی قدر اجابتِ دُعا نصیب ہو گی اور اگر اِنسان دوسروں کی منفعت سے صرف نظر کرتے اور دوسروں کے حقوق پامال کرتے ہوئے دوسروں کے حق میں نفع بخشی، فیض رسانی اور دردمندی کا عمل نظر انداز کر لے اور خود کو اپنے ذاتی مفادات اور حقوق و منافع کے تنگ حصار میں محصور کر لے تو دُعائیں شانِ اجابت سے بہرہ ور نہیں ہوا کرتیں۔

قرآن حکیم آیتِ مذکورہ بالا سے متصل آیت میں اس شرط کو زور دار انداز سے دوبارہ بیان کر رہا ہے:

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ○[1]

''کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے○''

اس آیتِ کریمہ کا مدعا یہ ہے کہ اے خدا کے بندو! بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری دُعائیں سنتا اور توبہ قبول فرماتا ہے۔ لیکن تمہاری دعاؤں کی قبولیت و اجابت کے لئے ایک شرط مقرر کر دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے تمہیں جس مال و دولت سے نوازا ہے وہ ہماری امانت ہے۔ تمہارے ہی معاشرے اور گرد وپیش میں ہمارے کتنے بندے ایسے ہوں گے جو معاشرتی نا انصافیوں کا شکار ہو کر معاشی تعطل کی نذر ہو گئے ہیں۔ تم اگر ان کی پریشانیوں کی پروا نہ کرو، ان کے معاشی تعطل کو رفع کرنا اپنا فرض نہ سمجھو، اُنہیں ضروریاتِ زندگی بہم پہنچا کر اُن کی تخلیقی جدوجہد بحال کرنے کی سعی نہ کرو، اور ان سے دل سوزی و دردمندی کا

(۱) التوبہ، ۹: ۱۰۴

عملی مظاہرہ نہ کرو، تو ہم سے کیسے توقع رکھتے ہو کہ ہم تم سے راضی ہو جائیں گے کیونکہ ان پریشان حال لوگوں کا ہماری ذات سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ جو کچھ بھی صدقہ و خیرات تم اُنہیں دینا چاہو وہ ہم براہِ راست اپنے دستِ قدرت سے وصول کرتے ہیں اور اپنی طرف سے اُنہیں عطا کرتے ہیں تاکہ ان کی عزتِ نفس مجروح نہ ہونے پائے۔

لہٰذا اجابت و قبولیتِ دُعا کی متعدد صورتوں میں سے سب سے نمایاں صورت یہی ہے کہ انسان خلقِ خدا کے حق میں سراپا رحم و کرم بن جائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنے رحم و کرم کے دروازے کھول دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ۔[1]

’’جو لوگوں پر رحم نہ کرے اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔‘‘

۸۔ صدقہ و خیرات مہلک بیماریوں کا شافی علاج ہے

انسان کی روحانی و نفسیاتی بیماریوں میں سب سے بڑی بیماری بخل کو قرار دیا گیا ہے کیونکہ باقی ساری بیماریاں اسی حبِ مال سے جنم لیتی ہیں۔ اس مہلک روحانی بیماری کا شافی علاج صدقہ و خیرات سے ممکن ہے۔ صدقہ و خیرات میں جب انسان مال کو لوگوں میں تقسیم کرتا ہے تو حبِ مال پر ایک ضرب کاری لگتی ہے جس سے اس کے دل و دماغ میں اس مال کی وقعت کم ہوتی ہے۔ جب اس مال سے انسان کو نفرت ہونے لگے تو اس کے دل پر زنگ جو حبِ مال کی وجہ سے چڑھا ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ صدقہ و خیرات سے اترنا

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب رحمة الولد و تقبيله و معانقته، ۵: ۲۲۳۵، رقم: ۵۶۵۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب رحمة صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الصبيان والعيال، ۴: ۱۸۰۷، رقم: ۲۳۱۸

شروع ہوجاتا ہے۔ اور اسی سے اس کا روحانی علاج ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَدَاوُوْا أَمْرَاضَكُمْ بِالصَّدَقَةِ۔[۱]

''اور اپنی بیماریوں کا علاج صدقہ کے ذریعے کرو۔''

۹۔ صدقہ و خیرات ذلت آمیز موت سے بچنے کا ذریعہ ہے

۱۔ حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مسلمان کا صدقہ عمر میں اضافہ کرتا ہے اور بری موت کو روکتا ہے۔''[۲]

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''صدقہ کرنے میں جلدی کرو، مصیبت صدقے سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔''[۳]

۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ۔[۴]

''بے شک! صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا اور بری موت کو دور کرتا ہے۔''

---

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۱۲۸، رقم: ۱۰۱۹۶

(۲) طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۷: ۲۲، رقم: ۳۱

(۳) بیہقی، السنن الکبری، ۴: ۱۸۹، رقم: ۷۲۳

(۴) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الزکاۃ، باب ماجاء في فضلِ الصَّدَقَةِ، ۲: ۴۴، رقم: ۶۶۴

۱۰۔ صدقہ و خیرات جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے

۱۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”کیا میں تمہیں نیکی کے دروازے نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو ایسے ختم کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو۔“(۱)

۲۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا:

”آگ سے بچ جاؤ اگرچہ کھجور کے ٹکڑے کے ذریعے بچنا پڑے۔ یہ گرتے کا سہارا ہے، بری موت کا دفاع ہے، بھوکے کے لئے اسی طرح کام آتی ہے جیسی شکم سیر کے لئے۔“(۲)

۱۱۔ صدقہ و خیرات دائمی نیکی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ (۳)

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب العیدین، باب ما ذکر في فصل الصلاۃ، ۱: ۲۰۱، رقم: ۶۱۴

(۲) أبو یعلی، المعجم، ۱: ۳۲۶، رقم: ۹

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الإنسان من الثواب، ۳: ۱۲۵۵، رقم: ۱۶۳۱

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، باب ۳۶، ۳: ۲۶۰، رقم: ۱۳۷۶

''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل منقطع نہیں ہوتے۔ صدقۂ جاریہ یا علم نافع یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہتی ہے۔''

۱۲۔ روزِ قیامت مومن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا

۱۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئ عَنْ أَهْلِهَا حَرَّ الْقُبورِ وَ إِنَّمَا يَسْتَظِلُّ الْمُؤمِنُ يَومَ الْقِيَامَةِ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ۔ (۱)

''صدقہ اہلِ قبور سے گرمی کو ختم کرتا ہے اور مومن قیامت کے دن اپنے صدقے کے سائے تلے ہوگا۔''

۲۔ یزید بن ابی حبیب علیہ الرحمۃ روایت کرتے ہیں کہ مرثد بن عبداللہ مزنی علیہم الرحمۃ اہلِ مصر میں سے مسجد میں جانے والے پہلے شخص ہیں۔ جب بھی میں انہیں مسجد کی طرف جاتے دیکھتا ان کی آستین میں کسی نہ کسی شکل میں صدقہ ضرور ہوتا۔ روپیہ پیسہ یا روٹی یا گندم ہوتی بلکہ میں نے انہیں پیاز لے جاتے بھی دیکھا۔ میں ان سے کہتا: اے ابو الخیر! یہ تمہارے کپڑوں کو بدبو دار کردے گا۔ وہ مجھے کہتے: اے ابن ابی حبیب! مجھے گھر میں صدقے کے لئے اس کے علاوہ کوئی چیز مل نہیں سکی۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی نے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مومن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۔ (۲)

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۷: ۲۸۶، رقم: ۷۸۸

(۲) ابن خزیمہ، الصحیح، ۴: ۹۵، رقم: ۲۴۳۲

طبقۂ نسواں کو صدقہ و خیرات کی تلقین

۱۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو، خواہ زیورات سے کیا کرو۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ تم خالی ہاتھ اور مفلس ہو اور حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا ہے۔ تم جا کر حضور نبی اکرم ﷺ سے معلوم کرو اگر (تمہیں دینا) ادائیگی صدقہ سے کافی ہو تو فبہا ورنہ میں تمہارے سوا کسی اور کو دے دیتی ہوں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: تم خود جاؤ! حضرت زینب کہتی ہیں کہ میں گئی تو دیکھا کہ انصار کی ایک عورت حضور نبی اکرم ﷺ کے دروازے پر کھڑی ہے اور اسے بھی یہی مسئلہ درپیش تھا اور ہم پر حضور نبی اکرم ﷺ کا بہت رعب و دبدبہ تھا، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر آئے تو ہم نے کہا آپ جا کر حضور نبی اکرم ﷺ سے کہیں کہ دو عورتیں دروازے پر یہ معلوم کرنے کے لیے کھڑی ہیں کہ اگر وہ اپنے شوہروں اور جو ان کی گود میں یتیم بچے ہیں ان کو صدقہ دیں تو ادا ہو جائے گا! اور یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ سے یہ مسئلہ معلوم کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا وہ عورتیں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا ایک انصار کی عورت ہے دوسری زینب رضی اللہ عنہا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کون سی زینب؟ انہوں نے کہا عبداللہ بن مسعود کی بیوی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا انہیں دو اجر ملیں گے ایک اجر قرابت کا اور دوسرا اجر صدقہ کا۔''[1]

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقة والصدقة، ۲: ۶۹۴، رقم: ۱۰۰۰

۲۔ حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہما، حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے مثل سابق روایت کرتے ہیں اور اس میں یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں مسجد میں تھی، مجھے دیکھ کر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ۔(۱)

''صدقہ کیا کرو خواہ زیورات ہوں۔''

صدقات و خیرات کے حق دار

صدقات و خیرات کے اصل حقدار وہ افراد ہیں جو معاشی ابتلاء کا شکار ہوں، ضروریات زندگی سے محروم ہوں یا ان کی زندگی ایسے تعطل کی نذر ہوگئی ہو جو ان کی تخلیقی جدوجہد پر اثر انداز ہو رہی ہو، ایسے ضرورت مند افراد کی مالی اعانت اس انداز سے کی جائے کہ ان کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو، ان کی ضروریات بھی پوری ہوں اور وہ ہر وقت دوسروں کی اعانت کے محتاج نہ رہیں بلکہ ان کی زندگی سے معاشی تعطل ختم ہو اور ان کا اپنا تخلیقی عمل بحال کر دیا جائے تاکہ وہ معاشرے میں صحیح مقام اور مطلوبہ کردار سرانجام دینے کے قابل ہوسکیں۔ اس سلسلے میں اپنے اعزہ و اقارب اور پڑوسیوں کے علاوہ سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود کو خدمتِ اسلام میں اس طرح وقف کر دیا ہو کہ ان میں روزگارِ حیات کی سکت ہی باقی نہ رہی ہو۔ ان سے مراد وہ مجاہدین اسلام ہیں جن کی زندگیاں اسلام کی عملی وفکری اور عملی و انقلابی جد و جہد میں بسر ہو رہی ہیں۔ یہی لوگ راہِ حق کے راہرو ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة، ۲: ۶۹۲، رقم: ۱۰۰۰

لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○(۱)

’’(خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں (کسبِ معاش سے) روک دیئے گئے ہیں وہ (امورِ دین میں ہمہ وقت مشغول رہنے کے باعث) زمین میں چل پھر بھی نہیں سکتے ان کے (زُھداً) طمع سے باز رہنے کے باعث نادان (جو ان کے حال سے بے خبر ہے) انہیں مالدار سمجھے ہوئے ہے، تم انہیں ان کی صورت سے پہچان لو گے، وہ لوگوں سے بالکل سوال ہی نہیں کرتے کہ کہیں (مخلوق کے سامنے) گڑگڑانا نہ پڑے، اور تم جو مال بھی خرچ کرو تو بیشک اللہ اسے خوب جانتا ہے○ جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے○‘‘

۲۔ اسی سورت میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○(۲)

’’آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم

(۱) البقرہ، ۲: ۲۷۳۔۲۷۴

(۲) البقرہ، ۲: ۲۱۵

کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہےo‘‘

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ انفاقِ مال کے سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جو دینِ حق کی راہ میں خود کو وقف کر چکے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ۔ (۱)

’’بیوہ اور مسکین کے لیے امدادی کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔‘‘

بخل کی مذمت

بخیل وہ ہیں جو مال کو جان سے بھی عزیز سمجھتے ہیں، اس کو سمیٹتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے کہا گیا ہے کہ نہ ان کا دین ہے نہ ان کی دنیا۔ انہوں نے اپنے بخل کے سبب اللہ کے دین کو جھٹلایا۔ قرآنِ حکیم اس پر شاہد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰیo وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰیo (۲)

’’اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہاo اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایاo‘‘

اگر انسان کنجوسی کرے گا تو دین کو جھٹلائے گا اور اگر دنیاوی جاہ حشمت، مال و دین سے مستغنی ہو جائے تو اس سے نہ صرف دین کی تصدیق ہوگی بلکہ اس پر اللہ رب العزت اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ جبکہ بخیل شخص اپنی بخیلی کے سبب مال و

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب السَّاعِي عَلَى الْمِسْكِيْن، ۵: ۲۲۳۷، رقم: ۵۶۶۱

(۲) اللیل، ۹۲: ۸۔ ۹

دولت کی محبت کے سبب سے جہنم کے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی مال اس کے لئے آخرت میں طوق بن کر اس کے گلے میں لٹکے گا اور کہے گا کہ میں وہ ہی مال ہوں جس کو تو سمیٹ سمیٹ کر رکھتا تھا جس کے ساتھ تجھے محبت تھی۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ، إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُولُ الْآخَرُ: اللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا۔(۱)

''ہر روز صبح کو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک کہتا ہے اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اور مال عطا کر اور دوسرا کہتا ہے الٰہی بخیل کا مال تباہ کر دے۔''

۲۔ حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

تَصَدَّقُوا فَيُوشِكُ الرَّجُلُ يَمْشِي بِصَدَقَتِهِ، فَيَقُولُ الَّذِي أُعْطِيَهَا لَوْ جِئْتَنَابِهَا بِالْأَمْسِ قَبِلْتُهَا فَأَمَّا الْآنَ فَلَا حَاجَةَ لِي بِهَا. فَلَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا۔(۲)

''صدقہ کیا کرو کیونکہ عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے جب آدمی اپنے صدقہ کا مال لیے لیے پھرے گا اور جس کو دے گا وہ کہے گا کل لے آتے تو میں لے لیتا آج مجھے ضرورت نہیں، غرضیکہ کوئی صدقہ لینے والا نہیں ملے گا۔''

۳۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فی المنفق والمسك، ۲: ۷۰۰، رقم: ۱۰۱۰

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الترغيب فی الصدقة، ۲: ۷۰۰، رقم: ۱۰۱۱

فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَ لَا مَنَّانٌ وَ لَا بَخِيلٌ۔ (۱)

’’بخیل، احسان جتانے والا اور مکار جنت میں داخل نہیں ہوگا۔‘‘

۴۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’رب کعبہ کی قسم وہ لوگ خسارے والے ہیں۔ میں آ کر بیٹھ گیا، پھر بے چینی سے کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ جو بڑے بڑے سرمایہ دار ہیں ماسوا ان کے جو اِدھر اُدھر آگے پیچھے دائیں بائیں خرچ کرتے ہیں۔‘‘ (۲)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَالْبُخِيلُ بَعِيدٌ مِّنَ اللهِ بَعِيدٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ۔ مِّنَ النَّاسِ قَرِيبٌ مِّنَ النَّارِ وَلَجَاهِلٌ سَخِيٌّ اَحَبُّ اِلَى اللهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيلٍ۔ (۳)

’’بخیل آدمی اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے اور لوگوں سے دور اور جہنم سے قریب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو جاہل سخی، بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہے۔‘‘

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلسَّخَآءُ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ فَمَنْ كَانَ سَخِيًّا أَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في البخیل، ۴: ۳۴۳، رقم: ۱۹۶۳

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب تغلیظ عقوبة من لا یؤدی الزکاة، ۲: ۶۸۶، رقم: ۹۹۰

(۳) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في السخاء، ۳: ۵۱۰، رقم: ۱۹۶۱

يُتْرُكُهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَالشُّحُّ شَجَرَةٌ فِي النَّارِ فَمَنْ كَانَ شَحِيْحًا أَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ۔(۱)

''سخاوت جنت میں ایک درخت ہے پس جو شخص سخی ہوگا وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑ لے گا، جس کے ذریعہ سے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور بخل جہنم کا ایک درخت ہے جو شخص بخیل ہوگا وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑ لے گا، یہاں تک کہ وہ ٹہنی اس کو جہنم میں داخل کر کے رہے گی۔''

۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

شَرُّمَا فِي رَجُلٍ شُحٌّ هَالِعٌ وَ جُبْنٌ خَالِعٌ۔(۲)

''بدترین عادتیں جو آدمی میں پائی جائیں (۱) وہ بخل ہے جو بے صبر کر دینے والا ہو۔ (۲) وہ نامردی اور خوف، جو جان نکال دینے والا ہو۔''

۸۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يُجَاءُ بِابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّه بَذَجٌ فَيُوْقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ، فَيَقُوْلُ اللهُ لَهٗ: أَعْطَيْتُكَ وَخَوَّلْتُكَ وَأَنْعَمْتُ عَلَيْكَ، فَمَاذَا صَنَعْتَ؟ فَيَقُوْلُ: يَارَبِّ جَمَّعْتُهٗ ثَمَّرْتُهٗ فتركْتهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِي آتِكَ

(۱) بيهقى، شعب الإيمان، ۷: ۴۳۵، رقم: ۱۰۸۷۷

(۲) أبو داؤد، السنن، كتاب الجهاد، باب في الجرأة و الجبن، ۳: ۳۴۹، رقم: ۲۵۱۱

(۳) ترمذى، الجامع الصحيح، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، باب في القيامة، ۴: ۲۲۳، رقم: ۲۴۲۷

بِهٖ كُلِّهٖ، فَإِذَا عَبْدٌ لَمْ يُقَدِّمْ خَيْرًا، فَيُمْضٰى بِهٖ إِلَى النَّارِ۔[۳]

’’قیامت کے دن انسان کو اس طرح لایا جائے گا گویا کہ وہ بھیڑ کا بچہ ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے اسے کھڑا کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھے (سب کچھ) دیا اور طرح طرح کے انعام کئے، تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا میں نے اسے جمع کیا اور اتنا بڑھایا کہ پہلے سے زیادہ کر کے چھوڑا، پس تو واپس کر تا کہ میں وہ سب کچھ لے آؤں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے یہ بتا کہ تو نے آگے کیا (عمل) بھیجا، وہ پھر کہے گا میں نے جمع کیا اور اتنا بڑھایا کہ پہلے سے زیادہ ہوگیا۔ پھر وہ کہے گا: اے اللہ! تو مجھے واپس بھیج تا کہ میں وہ سب کچھ لے آؤں، پس اگر اس بندے نے نیکی آگے نہ بھیجی ہوگی تو اسے دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔‘‘

۹۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أول صلاح هذه الأمة باليقين والزهد وأول فسادها بالبخل والأمل۔[۱]

’’اس امت کی صلاح کی ابتدا (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) یقین اور دنیا سے بے رغبتی سے ہوئی اور اس کے فساد کی ابتدا بخل اور لمبی لمبی امیدوں سے ہوئی۔‘‘

۱۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلٰى بَلَالٍ وَ عِنْدَهٗ صرة مِّنْ تَمَرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا بِلَالُ قَالَ: شَيْءٌ اِدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ: أَمَا تَخْشٰى أَنْ تَرٰى لَهٗ غَدًا

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۷: ۴۲۷، رقم: ۱۰۸۴۴

(۲) بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۲۰۹، رقم: ۳۳۳۸

بُخَارًا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ القيامَة أَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعِرْشِ اِقْلَالًا۔ (۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے تو ان کے سامنے کھجوروں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: بلال یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: حضور ﷺ آئندہ کی ضروریات کے لئے ذخیرہ کے طور پر رکھ لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بلال تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اس کی وجہ سے کل قیامت کے دن جہنم کی آگ کا دھواں تم دیکھو۔ بلال اسے خرچ کر ڈالو اور عرش والے (جل جلالہ) سے کمی کا خوف نہ کرو۔‘‘

بحث کا ماحاصل

اوپر کی گئی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فریضۂ زکوٰۃ کی بجا آوری کے بعد صدقات و خیرات انفاق فی سبیل اللہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان کی ادائیگی قرآن و سنت کے احکام کی رو سے ہر مسلمان پر واجب ہے اسلامی نظام معیشت میں زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کے نظام کا اجراء ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر معاشرت سے معاشی تعطل کو دور نہیں کیا جاسکتا اور اسلامی مملکت کا قیام ٹھوس، دیر پا بنیادوں پر عمل میں نہیں لایا جاسکتا۔ صدقہ و خیرات کی روح قرآنی ارشاد قل العفو میں مضمر ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر حالات ناگزیر ہو جائیں تو لازم ہو جاتا ہے کہ ضرورت سے زائد ہر چیز کو اللہ کی راہ میں معاشرے کے حاجت مند افراد میں تقسیم کر دیا جائے۔

باب نہم

فاقہ اور کم خوری

کم خوری اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنا سرورِ دو جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا زندگی بھر معمول رہا اور جملہ اولیاء وصوفیائے کرام آپ ﷺ کی سنتِ مبارکہ کی اتباع میں اسی روش پر گامزن رہے۔

کھانے کا مقصد زندگی کی بقاء، عبادتِ الٰہی میں تسلسل اور غور وفکر کے لئے قوت حاصل کرنا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ کھانا نہ تو اتنا زیادہ کھایا جائے کہ معدہ بوجھل ہو جائے اور نہ اتنا کم کہ بھوک کی تکلیف کا احساس باعث آزار ٹھہرے، اس لئے کھانے پینے میں میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ اسلام نے جہاں دیگر امورِ حیات میں اسراف سے منع کیا ہے وہاں کھانے پینے میں بھی حدِ اسراف تک پہنچنے سے روکا ہے۔

فاقہ اور کم خوری کی اَہمیت وضرورت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○[۱]

’’اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا○‘‘

بھرا ہوا پیٹ طرح طرح کی نفسانی خواہشات اور اخلاقی برائیوں کی آماجگاہ

(۱) الأعراف، ۷: ۳۱

ہے۔ جاہ و مال اور مرتبہ کی محبت، ریاکاری، باہمی فخر وغرور، حسد، عداوت، بغض اور سرکشی وغیرہ یہ تمام خرابیاں ضرورت سے زیادہ کھانے اور خوب پیٹ بھرنے کا نتیجہ ہیں۔جو شخص ان باطنی و روحانی عوارض سے نجات، تزکیہ نفس کی دولت اور معرفتِ الٰہی کی منزل تک رسائی حاصل کرنا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو کم خوری اور فاقہ کا عادی بنائے۔فاقہ کی بہترین صورت روزہ ہے۔مسلمانوں پر سال میں ایک ماہ یعنی رمضان المبارک کے روزے فرض کئے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝(۱)

’’اے ایمان والو! تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ ۝‘‘

اسی طرح نفلی روزے رکھنا بھی مسنون عمل ہے۔ روزہ انسان کے جسم کو تمام آلائشوں سے پاک وصاف کردیتا ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لِكُلِّ شَيْءٍ زَكَاةٌ وَزَكَاةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ۔(۲)

’’ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔‘‘

اگر انسان اپنے نفس پر بھوک کے ذریعے قابو پالے اور شیطان کے حملوں کے تدارک میں کامیاب ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب ہو جاتا ہے، پھر وہ سرکشی اور تکبر کے راستوں پر چلنے کی بجائے آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) البقرہ، ۲: ۱۸۳

(۲) إبن ماجة، السنن، كتاب الصّيام، باب في الصَّوْمِ زَكَاةُ الْجَسَدِ، ۲: ۳۶۱، رقم: ۱۷۴۵

اِلْبَسُوْا الصُّوْفَ وَكُلُوْا فِيْ أَنْصَافِ الْبُطُوْنِ فَإِنَّهُ جُزْءٌ مِّنَ النُّبُوَّةِ (۱)

''اونی لباس پہنو اور آدھا پیٹ کھاؤ، یہ نبوت کا ایک حصہ ہے۔''

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شیطان سے چھٹکارا پانا اور خواہشاتِ نفسانی پر قابو پانا بھوک کی اذیت سہنے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ حضرت علی ہجویری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اَلْجُوْعُ طَعَامُ الصِّدِّيْقِيْنَ وَمَسْلَكُ الْمُرِيْدِيْنَ وَقَيْدُ الشَّيَاطِيْنِ ۔ (۲)

''بھوک صدیقین کا طعام، مریدین کا راستہ اور شیاطین کو قید کرنے کا ذریعہ ہے۔''

شیطان کس طرح انسان کو اس کی خواہشات کے جال میں پھنساتا ہے؟ اس حوالے سے شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ ایک روایت نقل کرتے ہیں:

''ایک بار ابلیس لعین حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سامنے آیا۔ اس کے پاس بہت سے پھندے اور کانٹے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہیں؟ اس نے جواب دیا یہ خواہشات دنیا ہیں جن کے ذریعے میں ابن آدم کو پھنساتا ہوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے دریافت کیا: کیا تو نے مجھے بھی کبھی کسی خواہش میں مبتلا پایا؟ اس نے کہا: بس ایک رات جب آپ نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا تھا تو میں نے آپ کو نماز اور ذکر سے غافل کر دیا تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: اب میں کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھاؤں گا۔ یہ سن کر ابلیس نے جواب دیا کہ آئندہ میں بھی کسی سے خیر خواہانہ بات نہیں کروں گا اور نہ کسی کو نصیحت کروں گا۔''(۳)

---

(۱) دیلمی، الفردوس بمأ ثور الخطاب، ۱: ۱۰۳، رقم: ۳۴۰

(۲) علی ہجویری، کشف المحجوب: ۴۷۰

(۳) شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف: ۴۸۱

حضرت کنانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

’’مرید کے لئے تین حکم ماننے ضروری ہیں۔ وہ نیند کے غلبہ کے وقت سوئے، ضرورت سے زیادہ کلام نہ کرے اور کھانا فاقہ کے بغیر نہ کھائے۔‘‘(۱)

طبی حوالے سے بھی کم خوری انسان کی صحت و تندرستی کے لئے ضروری ہے۔ بسیار خوری جہاں روحانی بیماریوں کا باعث ہے وہاں بے شمار جسمانی بیماریوں کو بھی جنم دیتی ہے۔ تمام اطباء و حکماء بیماری سے بچنے کے لئے کم خوری کی تلقین کرتے ہیں۔

کم خوری کی فضیلت

کم خوری یعنی فاقہ سے رہنے کا مقام بہت بلند ہے۔ یہ عمل تمام انبیاء و کرام علیہم السلام کی امتوں میں پسندیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ انعاماتِ الٰہیہ کا ذریعہ اور مجاہدہ کے ارکان میں سے ایک رکن بھی ہے۔ بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ بھوک زہد کی کنجی، آخرت کا دروازہ اور نفسانی خواہشات کو کمزور کرنے والی ہے۔ قرآن حکیم میں بھوک برداشت کرنے اور آزمائش میں ثابت قدم رہنے والوں کو یہ خوشخبری سنائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ○(۲)

’’اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیں ○‘‘

(۱) علی ہجویری، کشف المحجوب: ۴۷۰

(۲) البقرہ، ۲: ۱۵۵

حضور نبی اکرم ﷺ نے کم خوری کو پسند فرمایا اور اسے مومن کی نشانی قرار دیا جبکہ بسیار خوری کو نا پسند جانا اور اسے کفار کی عادت قرار دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''ایک شخص بہت زیادہ کھانا کھایا کرتا تھا پھر وہ مسلمان ہوگیا تو کم کھانے لگا۔ اس بات کا تذکرہ حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ، وَالْكَافِرَ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ[۱]

''بیشک مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔''

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کافر مومن سے سات گنا زیادہ کھاتا ہے گویا اس کی نفسانیت مومن کی خواہش سے سات گنا زیادہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ حدیثِ مبارکہ سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ جس دل میں ایمان کی دولت ہوگی وہ پیٹ کی خواہشات پر قابو پا لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کم کھانے والے آخرت میں کھانے پینے کی بے شمار نعمتوں سے نوازے جائیں گے اور زیادہ کھانے والے ان سے محروم کئے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَهْلَ الشَّبَعِ فِي الدُّنْيَا هُمْ أَهْلُ الْجُوْعِ فِي الآخِرَةِ غَدًا۔[۲]

''جو لوگ دنیا میں سیر ہوکر کھانے والے ہیں وہ آخرت میں بھوکے ہوں گے۔''

اس حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں بھوک پیاس برداشت

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأطعمة، باب الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي معًى وَاحِدٍ، ۵:۲۰۶۳، رقم: ۵۰۸۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأشربة، باب الْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ في مَعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ في سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ، ۳:۱۶۳۲، رقم: ۲۰۶۳

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۱: ۲۶۳، رقم: ۱۱۶۹۳

کریں گے ان کے لئے آخرت میں طرح طرح کی نعمتیں اور ربِّ رحیم کی طرف سے دعوتیں ہوں گی۔ فاقہ کش کا دل و دماغ روشن اور طبیعت صحت مند رہتی ہے۔ بھوک نفس کو انکساری اور عجز سکھاتی اور نفس کی اشتہا کو ختم کرتی ہے جس سے بھوکے آدمی کے جسم میں منکسر مزاجی اور دل میں عاجزی پیدا ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ صلحائے امت نے ہر دور میں کم خوری اور فاقہ کشی کو بطور عادت اپنائے رکھا اور نفلی روزوں کا اہتمام کر کے فاقہ اور کم خوری میں زندگی بسر کی۔

نفلی روزوں کی فضیلت

حضور نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ متعدد احادیثِ مبارکہ میں نفلی روزوں کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ذیل میں چند مخصوص ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت بیان کی جاتی ہے۔

ا۔ ایّامِ بیض کے روزے

بہت سے مشائخ عظام ہر قمری مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزے رکھنا پسند فرماتے تھے۔ عرفِ عام میں ان روزوں کو ایّام بیض کے روزے کہا جاتا ہے۔ مختلف روایات میں آیا ہے کہ جب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام سے بھول ہوگئی اور انہوں نے شیطان کے وسوسے کے تحت قربِ الٰہی کے حصول اور ہمیشہ رہنے کے ارادے سے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا تو انہیں زمین پر اتارا گیا۔ اس بھول کی وجہ سے ان کا تمام جسم سیاہ ہوگیا تھا پھر انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں توبہ کی تو اللہ رب العزت نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ایّام بیض کے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہر روز روزے کی برکت سے ان کے سیاہ جسم کا ایک تہائی حصہ سفید ہو جاتا تھا۔ اس طرح ایامِ بیض کے تین روزوں کی تکمیل پر تمام جسم سفید ہوگیا۔

باقاعدگی سے ہر اسلامی مہینے کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کو روزہ رکھنے سے عمر بھر

کے روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

صَوْمُ ثَلَاثَةٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَرَمَضَانَ إِلَى رَمَضَانَ صَوْمُ الدَّهْرِ۔[1]

’’ہر ماہ تین دن کے روزے رکھنا اور ایک رمضان کے بعد دوسرے رمضان کے روزے رکھنا یہ تمام عمر کے روزوں کے مترادف ہیں۔‘‘

۲۔ پیر اور جمعرات کا روزہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن باقاعدگی سے روزہ رکھتے تھے۔ حدیث مبارکہ میں ان دنوں کی خاص فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تُعْرَضُ الأَعْمَالُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ، فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ۔[2]

’’سوموار اور جمعرات کو اعمال (بارگاہِ الٰہی میں) پیش کئے جاتے ہیں۔ میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل روزے کی حالت میں پیش ہو۔‘‘

۳۔ یومِ عاشورہ کا روزہ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے یوم عاشورہ کے روزہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الصّيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام مِنْ كل شهر، ۲: ۸۱۹، رقم: ۱۱۶۲

(۲) ترمذي، الجامع الصحيح، أبواب: الصّوم عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب: ماجاء فی صوم يوم الاثنين والخميس، ۲: ۱۱۴، رقم: ۷۴۷

يُكَفِّرُ السَّنَةَ المَاضِيَةَ. (۱)

''یہ گزشتہ سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

۴۔ یوم عرفہ (نو ذوالحجہ) کا روزہ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے یوم عرفہ کے روزہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ. (۲)

''(یوم عرفہ کا روزہ) گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔''

جامع ترمذی کے الفاظ یہ ہیں

صِيَامُ يَومِ عَرَفَةَ إِنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ. (۳)

''یوم عرفہ کے روزہ کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اسے گزشتہ اور آئندہ سال کا کفارہ بنا دیتا ہے۔''

۵۔ ماہِ شوال کے چھ روزے

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب: الصّيام، باب: استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر وصوم يوم عرفة و عاشوراء، ۲: ۸۱۹، رقم: ۱۱۶۲

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب: الصّيام، باب: استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر وصوم يوم عرفة، ۲: ۸۱۹، رقم: ۱۱۶۲

(۳) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الصوم، باب ماجاء في فَضْلِ صَوْمِ عُرفة، ۲: ۱۱۵، رقم: ۷۴۹

مَنْ صَامُ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ۔(۱)

’’جو شخص رمضان المبارک کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے گویا اس نے عمر بھر کے روزے رکھے۔‘‘

۶۔ پندرہ شعبان کا روزہ

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روزوں کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب روزے رکھتے تھے تو ہم کہتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے ہی رکھیں گے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افطار کرتے تو ہم کہتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افطار ہی کریں گے اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان کے علاوہ کسی اور ماہ میں (اتنی کثرت سے) روزے رکھے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند روزوں کے سوا شعبان کے پورے روزے رکھتے تھے۔‘‘(۲)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جس قدر آپ شعبان میں روزے رکھتے ہیں اس قدر میں نے آپ کو کسی اور مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ذَاكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَ رَمَضَانَ وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الْأَعْمَالُ إِلَى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فَأُحِبُّ أَنْ يُرْفَعَ عَمَلِي وَ أَنَا صَائِمٌ(۳)

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب: الصّیام، باب استحباب صوم ستة أيام من شوال إتباع ا الرمضان، ۲: ۸۲۲، رقم: ۱۱۶۴

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب:الصیام، باب:صیام النّبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی غیر رمضان، ۲: ۸۱۰، رقم: ۱۱۵۶

(۳) نسائی، السنن، کتاب: الصّیام، باب: صوم النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أبي هو وأمّي وذكر اختلاف الناقلين للخبر في ذلك، ۴: ۲۰۱، رقم: ۲۳۵۷

’’یہ ایسا مہینہ ہے جو رجب اور رمضان کے درمیان میں (آتا) ہے اور لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں حالانکہ اس مہینے میں (پورے سال کے) عمل اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل روزہ دار ہونے کی حالت میں اٹھائے جائیں۔‘‘

حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی آلِ پاک کی کم خوری و فاقہ کشی

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ امت کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے امت کو جس بات کی تعلیم دی پہلے خود اس پر عمل کیا۔ اگر امت کو فقر و فاقہ اور سادگی کی تلقین کی تو سب سے پہلے اس کی مثال خود قائم کی۔ کم خوری میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی نہ تھا۔ آپ ﷺ بے تحاشا بھوک برداشت کرتے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے اہل بیت اطہار اور ازواج مطہرات نے اس کا عملی نمونہ پیش کیا۔ وہ بلند پایہ مقدس ہستیاں صبر و رضا کی پیکر تھیں۔ فاقہ و کم خوری ان کا معمول تھا، کئی کئی دن گھر میں چولہا نہ جلتا، اس کے باوجود ان کی زبان پر کبھی حرفِ شکوہ نہ آیا، ہمیشہ شکر کے کلمات رہتے۔

درج ذیل احادیث مبارکہ سے تاجدار کائنات ﷺ اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت اطہار کی کم خوری کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُنْذُ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا مِنْ خُبْزِ بُرٍّ حَتَّى تُوُفِّيَ ﷺ۔ (۱)

’’آلِ محمد ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد سے حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال تک متواتر تین رات کبھی گیہوں کی روٹی شکم سیر ہو کر نہیں کھائی۔‘‘

(۱) ابن ماجة، السنن، كتاب الأطعمة، باب خُبز البُرّ، ۴: ۵۱، رقم: ۳۳۴۴

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: میں فاقہ سے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ کی طرف پیغام بھیجا، انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میرے پاس تو پانی کے سوا کچھ نہیں ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری زوجہ کے پاس پیغام بھیجا، انہوں نے بھی اسی طرح کہا، حتیٰ کہ سب نے یہی کہا: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس کو آج رات مہمان بنائے گا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا، انصار میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیك و سلم! اس کو میں مہمان بناؤں گا، وہ شخص اس مہمان کو اپنے گھر لے گیا، اور بیوی سے پوچھا: تمہارے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے؟ بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا ہے۔ اس نے کہا، بچوں کو کسی چیز سے بہلا کر سلا دو، جب ہمارا مہمان آئے تو چراغ بجھا دینا، اور اس پر یہ ظاہر کرنا کہ ہم کھانا کھا رہے ہیں، جب وہ کھانا کھانے لگے تو اس نے پاس جا کر چراغ بجھا دیا، پھر وہ سب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھا لیا، جب صبح کو وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے مہمان کے ساتھ جو (حسنِ) سلوک کیا اللہ تعالیٰ اس پر بہت خوش ہوا۔''(۱)

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت زہد اور فاقہ کشی کی زندگی بسر کرتے تھے وہ بھوک پر صبر کئے رہتے تھے جیسا کہ حدیثِ مبارکہ سے واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی زوجہ محترمہ کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الأشربة، باب إكرام الضيف و فضل إيثاره، ۳: ۱۶۲۴، رقم: ۲۰۵۴

حدیثِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کی مہمان نوازی کے لئے قوم کے رئیس کو پہل کرنا چاہئے اور مہمان کی تعظیم و توقیر اور اس کے لئے ایثار سے کام لینا چاہئے۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے پوچھا یہ ٹکڑا کیسا ہے؟ انہوں نے عرض کی میں نے ایک روٹی پکائی تھی جسے آپ ﷺ کے بغیر کھانا پسند نہ کیا۔ اس لئے یہ ٹکڑا آپ کے پاس لے آئی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تین دن کے بعد یہ پہلا کھانا ہے جو تمہارے والد کے دہن مبارک میں داخل ہوا ہے۔''[۱]

حضور نبی اکرم ﷺ کا فقر اِختیاری تھا

یاد رہے کہ آپ ﷺ کا یہ فقر و فاقہ اختیاری تھا اضطراری نہ تھا اور آپ ﷺ کی شان اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ (فقر میرا فخر ہے) کے عین مطابق تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ فقرِ اختیاری سے بھوک برداشت فرماتے تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لَوْ شِئْنَا أَنْ نَشْبَعَ شَبِعْنَا وَلَكِن مُحَمَّدًا ﷺ كَانَ يُؤْثِرُ عَلَى نَفْسِهِ۔[۲]

''اگر ہم سیر ہو کر کھانا چاہتے تو کھا لیتے لیکن حضرت محمد ﷺ اپنی ذات پر (دوسروں کو) ترجیح دیتے تھے۔''

---

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۲۵۸۔۲۵۹، رقم: ۷۵۰

(۲) بیہقی، شعب الایمان، ۲: ۱۷۳، رقم: ۱۴۶۹

اس حدیثِ مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا فقر اختیاری تھا کیونکہ آپ ﷺ کے اہل خانہ میں سے اگر کوئی پیٹ بھر کر کھانا چاہتا تو وہ ایسا کرنے کی قدرت رکھتا تھا، اسے کسی قسم کی کوئی بندش نہ تھی، مگر حضور نبی اکرم ﷺ اپنے اسوۂ مبارکہ سے ہمیشہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے اور اپنا کھانا غریبوں اور حاجت مندوں کو عنایت فرما دیتے تھے۔

کم خور بندوں پر اللہ تعالیٰ کا اظہارِ فخر

کم خوری اتنا محبوب عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کم خوروں پر اظہارِ فخر فرماتی ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے دنیا میں کم کھانے پینے والے بندوں پر فخر کا اظہار فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندوں کی طرف دیکھو میں نے دنیا میں اسے کھانے پینے کے اعتبار سے آزمائش میں ڈالا تو اس نے صبر کیا اور ان دونوں باتوں کو چھوڑ دیا۔ اے میرے فرشتو! گواہ ہو جاؤ، وہ شخص کھانے کا جو لقمہ بھی چھوڑے گا میں اسے اس کے بدلے میں جنت کے اعلیٰ درجات عطا کروں گا۔''(۱)

ترکِ خواہش کے حوالہ سے دو بصیرت افروز روایات

جب بندہ اپنی خواہشات کو اللہ رب العزت کے حکم کے تابع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے خزانۂ غیب سے عطا فرماتا ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰۔۵۰۵) سے ''إحیاء علوم الدین'' میں دو طویل روایات منقول ہیں۔ ایک روایت حضرت اسامہ بن زید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ہے جس میں انہوں نے فاقہ خوروں کی فضیلت کا ذکر

(۱) أخرجه ابن عدی في الكامل وقد تقدم في الصيام بحواله إحياء علوم الدين، ۳: ۸۱

کرتے ہوئے فرمایا:

’’بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ ہوں گے جو دنیا میں دیر تک بھوکے، پیاسے اور غمگین رہنے والے ہیں۔ یہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل اور متقی ہیں اگر ظاہر ہوں تو ان کو کوئی بھی نہیں پہچانتا اور اگر غائب ہو جائیں تو ان کی گمشدگی محسوس نہیں ہوتی۔ زمین ان سب کو جانتی ہے اور آسمانی فرشتے ان سب کو گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں اچھے ہیں اور عمدگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لوگ نرم نرم بستر بچھاتے ہیں اور یہ لوگ اپنی پیشانیاں اور گھٹنے بچھاتے ہیں۔ لوگوں نے انبیاء کرام علیھم السّلام کے عمل اور اخلاق کو ضائع کر دیا لیکن انہوں نے ان کی حفاظت کی۔ جب چلے جاتے ہیں تو زمین روتی ہے اور جس شہر میں ان میں سے کوئی ایک نہ ہو اس شہر پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے ایسے لوگ دنیا پر اس طرح نہیں جھپٹتے جس طرح کتے مردار پر جھپٹتے ہیں، معمولی کھانا کھاتے اور پرانے کپڑے پہنتے ہیں۔ ان کے بال بکھرے ہوئے اور چہرے پر گرد و غبار ہوتا ہے۔ لوگ ان کو دیکھ کر خیال کرتے ہیں کہ وہ بیمار ہیں حالانکہ وہ بیمار نہیں ہوتے، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی عقل جاتی رہی حالانکہ دنیا والوں کے نزدیک وہ عقل کے بغیر چلتے ہیں، ان لوگوں کے لئے آخرت میں شرف و عزت ہے اور وہ اس شہر والوں کے لئے امن کا باعث ہیں۔ جس قوم میں وہ موجود ہوں ان کو عذاب نہیں ہوتا، زمین ان پر خوش ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتا ہے۔‘‘

دوسری روایت حضرت شقیق بن ابراہیم علیہ الرحمۃ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا:

’’میں نے حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمۃ کو مکہ مکرمہ میں سُوق اللیل (ایک بازار کا نام) میں دیکھا اور یہ بازار حضور نبی اکرم ﷺ کی جائے ولادت کے

قریب ہے۔ حضرت ابراہیم ادھم علیہ الرحمۃ راستے کے کنارے پر بیٹھے رو رہے تھے۔ میں بھی راستہ چھوڑ کر ان کے قریب بیٹھ گیا اور پوچھا: اے ابو اسحٰق! یہ رونا کیسا؟ انہوں نے فرمایا، سب ٹھیک ہے میں نے دو یا تین بار مزید پوچھا تو انہوں نے فرمایا: شقیق! یہ بات کسی کو نہ بتانا: میں نے عرض کیا اے میرے بھائی! آپ جو چاہیں فرمائیں: انہوں نے فرمایا: میرا نفس تیس سال سے حریرہ کی خواہش کر رہا تھا اور میں بہت کوشش کر کے اس کو روکتا رہا۔ لیکن گزشتہ شام میں بیٹھا ہوا تھا اور مجھ پر اونگھ غالب آ گئی۔ میں نے ایک نوجوان کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سبز پیالہ تھا جس میں سے حریرہ کی بھاپ اٹھ رہی تھی اور خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے ہمت کے ساتھ اپنے نفس کو روکا لیکن اس نے وہ پیالہ میرے قریب کر دیا اور کہا: اے ابراہیم! کھاؤ۔ میں نے کہا میں نہیں کھاؤں گا۔ کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اسے چھوڑ دیا ہے۔ اس نے کہا: تمہیں اللہ تعالیٰ کھلا رہا ہے۔ تم کھاؤ۔ میں کوئی جواب نہ دے سکا اور رونے لگا۔ اس نے کہا کھایئے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ میں نے کہا ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب تک ہمیں معلوم نہ ہو کہ یہ کہاں سے آیا ہے ہم برتن میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے۔ آپ کھائیں۔ یہ آپ کو دیا گیا ہے۔ اس نے کہا مجھے حکم ہوا کہ اے خضر علیہ السلام! اسے لے جائیں اور حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمۃ کو کھلا دیں۔ اس نے کتنا طویل عرصہ صبر کیا اور نفس کو اس سے روکا۔ پھر وہ کہنے لگا اے ابراہیم علیہ الرحمۃ! میں نے فرشتوں سے سنا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ جس کو کوئی چیز دی جائے اور وہ نہ لے تو وہ مانگے بھی تو اسے نہیں ملے گی میں نے کہا: اگر یہ بات ہے تو میں آپ کے سامنے ہوں اس عقدہ کو اللہ تعالیٰ ہی کھولے گا۔ پھر میں نے دیکھا تو وہاں ایک دوسرا نوجوان بھی کھڑا تھا جو ان کو کوئی چیز دے کر کہہ رہا تھا اے

خضر علیہ السلام! آپ ان کو خود کھلائیں۔ وہ مسلسل مجھے کھلاتے رہے حتی کہ میں سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو منہ میں اس کا ذائقہ محسوس ہو رہا تھا۔‘‘(۱)

بھوکے کو کھانا کھلانے کی فضیلت

اسلام اپنے ماننے والوں کو ایثار و قربانی کا درس دیتا ہے۔کم خوری اور فاقہ کشی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ معاشرے میں بھوک اور افلاس کا دور دورہ ہو اور فقر و فاقہ کو فروغ دیا جائے۔اسلام احتیاج سے پاک معاشرے کا داعی ہے اور ہر شخص کو خوشحال دیکھنا چاہتا ہے۔اس نے ریاست کے مال دار افراد پر غریبوں اور مفلسوں کے کچھ حقوق عائد کئے ہیں جن کو ادا کرنا ان پر لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ ان حقوق میں سے ایک حق حاجت مندوں کو کھانا کھلانا بھی ہے۔قرآن حکیم میں متعدد آیات میں غریبوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دی گئی ہے ۔ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۝(۲)

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود ایثاراً) محتاج کو یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں○‘‘

ایک دوسرے مقام پر قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اسے دینِ حق کی دشوار گزار گھاٹی سے تعبیر کیا اور پھر ارشاد فرمایا:

أَوْ إِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ۝(۳)

’’یا بھوک والے دن (یعنی قحط و افلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت

---

(۱) غزالي، إحياء علوم الدين، ۳: ۸۱۔ ۹۳

(۲) الدهر، ۷٦: ۸

(۳) البلد، ۹۰: ۱۴

لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کے لئے جد و جہد کرنا ہے)o‘‘

اس آیتِ کریمہ میں غریبوں، محتاجوں اور نادار لوگوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ یہ عمل نہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا باعث ہے بلکہ دوسروں کو کھلانا رزق میں اضافے کا باعث بنتا ہے حتیٰ کہ ایک کا کھانا دو کے لئے کفائت کر جاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمایا:

طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ۔[1]

’’ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے اور دو کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے۔‘‘

قرآنِ حکیم نے اس شخص کی مذمت کرتے ہوئے جو محتاجوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا فرمایا:

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِo[2]

’’اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)o‘‘

تاجدارِ مدینہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی حاجت مندوں کو کھانا کھلاتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنھما روایت کرتے ہیں۔

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الأشربۃ، باب فضیلۃ المواساۃ فی الطعام القلیل، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

(۲) الماعون، ۱۰۷: ۳

’’جب حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ ﷺ کے استقبال کے لئے نکلے۔ وہ کہتے جاتے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ میں بھی آپ ﷺ کے دیدار کے لئے لوگوں کے ساتھ گیا۔ جب آپ ﷺ کا چہرہ اقدس نظر آیا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ آپ ﷺ نے جو پہلی بات فرمائی وہ یہ تھی:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوْا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (۱)

’’اے لوگو! ہر ایک کو سلام کرو، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات کو جب لوگ سوتے ہیں تو نماز پڑھو، جنت میں سلامتی سے داخل ہوجاؤ گے۔‘‘

کم خوری کے فوائد و ثمرات

مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ سے کم خوری کا نفع بخش اور فائدہ مند ہونا ثابت ہوتا ہے اگرچہ ہمیں اس کی نفع بخشی کی عِلت معلوم نہ ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جو دوائی پیتا ہے اسے نفع ہوتا ہے حالانکہ اسے اس کے نفع بخش ہونے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰۔۵۰۵ھ) نے اپنی تصنیف ’’إحياء علوم الدّين‘‘ میں فاقہ اور کم خوری کے متعدد فوائد بیان کئے ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ صفائے قلب و باطن

کم کھانے سے دل کو صفائی، طبیعت کو تیزی اور بصیرت کو درجۂ کمال حاصل ہوتا ہے جبکہ سیر ہو کر کھانے سے ذہن کند اور دل اندھا ہو جاتا ہے۔ پُر خوری سے دماغ میں بخار کی طرح غبار چڑھتا ہے حتی کہ وہ سوچ بچار کی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتا ہے۔ دل فکر

(۱) ابن ماجة، السنن، كتاب الأطعمة، باب إطعَامِ الطَّعَامِ، ۴: ۳، رقم: ۳۲۵۱

سے مغلوب ہو جاتا ہے اور فوری ادراک نہیں کر سکتا۔ حضرت ابو سلیمان دارانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''بھوک کو اختیار کرو، یہ نفس کو ذلیل اور دل کو نرم کرتی ہے اور اسی سے آسمانی علم حاصل ہوتا ہے۔''

۲۔ تواضع و انکساری

بھوک سے نفس کو انکساری اور تواضع و خاکساری حاصل ہوتی ہے جو کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتی کیونکہ بھوک میں انسان اپنے رب کے سامنے زیادہ جھکتا ہے اور اپنی کمزوری اور ذلت کو پہچان لیتا ہے۔ جب تک انسان اپنے نفس کی ذلت اور اس کے عجز کا مشاہدہ نہ کر لے وہ اپنے مولا کے دبدبہ اور قہر کو نہیں دیکھ سکتا، لہٰذا بندہ بھوک کی حالت میں اپنے رب کے سامنے اپنی مجبوری اور اضطرار کی کیفیت میں ذوقِ بندگی کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ حضرت امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں ایک دن بھوکا رہوں گا اور ایک دن شکم سیر ہوں گا پس جب میں بھوکا ہوں گا تو صبر کروں گا اور اپنے رب کے حضور گڑگڑاؤں گا اور جب شکم سیر ہوں گا تو شکر ادا کروں گا۔''(۱)

اس فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم ہوا کہ کم خوری اور بھوک عجز و انکساری کے حصول اور صبر و شکر کا بہترین ذریعہ ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ پیٹ اور شرمگاہ جہنم کے دروازوں میں سے ہیں اور ان کی اصل پیٹ بھر کر کھانا ہے جبکہ انکساری اور عاجزی جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کی اصل بھوک ہے۔ جو شخص جہنم کا کوئی دروازہ بند کرتا ہے تو وہ لازماً جنت کا کوئی دروازہ کھولتا ہے کیونکہ یہ مشرق اور

---

(۱) بیهقي، شعب الایمان، ۷:۳۱۰، رقم: ۱۰۴۱۰

مغرب کی طرح ایک دوسرے کے مقابلے میں ہیں، لہٰذا ان میں سے ایک کے قریب ہونا گویا دوسرے سے دور ہونا ہے۔

۳۔ بھوکوں اور مفلسوں کا احساس

بھوکا انسان افلاس زدہ انسانوں کا احساس کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش اور عذاب کو نہیں بھولتا اور نہ ہی ان لوگوں کو بھولتا ہے جو آزمائش میں ڈالے گئے ہوں کیونکہ پیٹ بھر کر کھانے والا بھوکے آدمی کو بھول جاتا ہے مگر بھوکا آدمی جب کسی مصیبت زدہ کو دیکھتا ہے تو اسے آخرت کی پریشانی یاد آ جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا: ''آپ بھوکے کیوں رہتے ہیں حالانکہ آپ کے قبضے میں زمین کے خزانے ہیں؟'' تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''مجھے ڈر ہے کہ اگر میں سیر ہو کر کھاؤں تو کہیں بھوکے رہنے والوں کو نہ بھول جاؤں۔''

لہٰذا بھوکوں اور محتاجوں کو یاد رکھنا اور اپنا کھانا ان کو کھلانا بہت بڑی نیکی ہے اس طرح بھوک رحمت الٰہی ہے جو مخلوقِ خدا پر شفقت کا درس دیتی ہے جبکہ شکم سیر آدمی بھوکے آدمی کی تکلیف سے غافل ہو جاتا ہے۔

۴۔ گناہوں سے اجتناب

بھوک کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ نفس امّارہ پر قابو پانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ حضرت ذوالنّون مصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ''میں جب بھی سیر ہو کر کھاتا ہوں تو گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہوں یا گناہ کا قصد کرنے لگتا ہوں۔''

بھوک لغو اور فضول کلام سے نجات کا سبب ہے کیونکہ بھوکا آدمی فضول کلام کی خواہش نہیں رکھتا اور یوں وہ زبان کی آفات، غیبت، فحش کلامی، جھوٹ اور چغلی وغیرہ سے بچ جاتا ہے۔

۵۔قلبی بیداری میں دوام

قلبی بیداری تزکیہ و تصفیۂ نفس کے لئے بہترین جوہر ہے اور یہی بندے کا اصل مال ہے۔جبکہ نیند موت ہے جو کثرتِ ریاضت و عبادت کو کم کر دیتی ہے۔کم کھانے سے نیند دور ہو جاتی ہے اور غفلت سے بیداری نصیب ہوتی ہے جبکہ سیر ہو کر کھانے سے نیند زیادہ آتی ہے اور زیادہ نیند سے زندگی ضائع ہو جاتی ہے،تہجد کی نماز سے بندہ محروم ہو جاتا ہے،طبیعت کرخت اور دل سخت ہو جاتا ہے۔

۶۔عبادت میں استقامت

کم کھانے والے کے لئے عبادت پر دوام آسان ہو جاتا ہے جبکہ سیر ہو کر کھانا زیادہ عبادت سے روکتا ہے۔حضرت سری سقطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> ’’میں نے حضرت علی جرجانی علیہ الرحمۃ کے پاس ستو دیکھے جنہیں وہ پھانک رہے تھے میں نے پوچھا: آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ چبانے اور پھانکنے کے درمیان میں ستر تسبیحات کا وقت درکار ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے چالیس سال سے روٹی نہیں کھائی۔‘‘

زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک نفیس بیش قیمت جوہر ہے لہٰذا ہم پہ لازم ہے کہ اس سے ایسا خزانہ حاصل کریں جو آخرت میں باقی رہے۔یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب اپنے وقت کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں صرف کیا جائے۔روزہ رکھنے، ہمیشہ باوضو رہنے اور کھانے پینے کے اسباب میں خرچ ہونے والے اوقات کو عبادات میں صرف کرنے سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۷۔لاتعداد بیماریوں کا علاج

کم کھانے سے بدن کی صحت برقرار رہتی اور بے شمار بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔

جبکہ بیمار انسان دوائی اور ڈاکٹر کا محتاج ہو جاتا ہے۔ پھر ان تمام چیزوں پر روپیہ پیسہ خرچ ہوتا ہے جس کے لئے انسان کو غیر ضروری محنت کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے گناہوں اور خواہشات کا شکار ہونا پڑتا ہے جبکہ بھوک میں یہ تمام باتیں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ ایک روایت منقول ہے کہ ہارون الرشید بادشاہ نے چار طبیب بلائے۔ ایک ہندوستانی، دوسرا رومی، تیسرا عراقی اور چوتھا حبشی۔ اس نے ان سے کہا کہ تم میں سے ہر ایک ایسی دوائی کا ذکر کرے جس سے کوئی بیماری نہ پیدا ہوتی ہو۔ ہندوستانی حکیم نے کہا: میرے نزدیک ایسی دوائی سیاہ ہڑ ہے۔ عراقی نے کہا: میرے نزدیک ترہ تیزک ہے۔ رومی نے کہا: میرے نزدیک ایسی دوائی گرم پانی ہے۔ حبشی جو ان سب سے زیادہ علم رکھتا تھا کہنے لگا: ہڑ معدے کو تنگ کر دیتی ہے اور یہ ایک بیماری ہے جبکہ ترہ تیزک معدے کو نرم کر دیتی ہے اور یہ بھی ایک بیماری ہے۔ گرم پانی معدے کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے اور یہ بھی ایک بیماری ہے انہوں نے پوچھا: تمہارے خیال میں اس کا کیا حل ہے؟ اس نے کہا: ایسی کوئی دوائی نہیں جس میں کوئی بیماری نہ ہو صرف ایک ہی حل ہے وہ یہ کہ جب بھوک لگے اس وقت کھانا کھائے اور ابھی بھوک باقی ہو تو کھانا چھوڑ دے انہوں نے کہا: تم نے سچ کہا ہے۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

وصوموا تصحّوا۔[2]

’’روزہ رکھو صحت مند رہو۔‘‘

کیونکہ روزہ رکھنے، بھوکا رہنے اور کم کھانے میں جسمانی صحت کا راز مضمر ہے نیز اس کی وجہ سے دل سرکشی اور تکبر کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔

---

(۱) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۳:۸۷

(۲) عجلونی، کشف الخفاء، ۱:۵۳۹، رقم: ۱۴۵۵

۸۔ حرام خوری سے اجتناب

جس آدمی کو کم کھانے کی عادت ہو اسے تھوڑا مال بھی کفایت کرتا ہے اور جو شخص شکم سیری کا عادی ہو وہ اپنے آپ کو پیٹ کا بندہ بنائے رکھتا ہے اور ہر دن اس کی گردن پر سوار ہو کر کہتا ہے آج کیا کھاؤ گے، لہٰذا وہ خواہشِ شکم کے زیرِ اثر حرام کاموں سے بھی دریغ نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ لوگوں کی طرف لالچ کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور یہ انتہائی درجہ کی ذلت ہے لہٰذا ہلاکت کا باعث دنیا کی حرص ہے اور دنیوی حرص کا سبب پیٹ کی خواہش ہے، جبکہ کم کھانے سے یہ تمام حرص اور لالچ ختم ہو جاتے ہیں۔

۹۔ صدقہ و خیرات پر قدرت

کم کھانے والا انسان زائد کھانا یتیموں اور مساکین کو بطور صدقہ دینے پر قادر ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن اپنے صدقہ و خیرات پر مبنی عمل کی جزا کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كل إمرئ في ظلّ صدقته۔(۱)

’’ہر شخص قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سائے میں ہو گا۔‘‘

مومن جو کچھ صدقہ کرتا ہے وہ فضل خداوندی سے ذخیرۂ خیر بن جاتا ہے۔ پس بندے کے لئے وہی ہے جو اس نے صدقہ کی صورت میں جمع کر لیا یا کھا کر اور پہن کر خرچ کر دیا۔ زائد کھانا صدقہ کر دینا شکم سیری اور بدہضمی سے بہتر ہے۔ لہٰذا زائد کھانا فقیر کو دیا جائے تا کہ اس کے ذریعے اجر و ثواب جمع ہو جائے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ وہ خود کھائے اور اپنی پُرسش کے بوجھ میں اضافہ کرے۔

---

(۱) ابن خزيمة، الصحيح، ۴: ۹۴، رقم: ۲۴۳۱

شکم سیری کی مذمت میں حکماء وصوفیاء کے اَقوال

پیٹ بھر کر کھانا کوئی قابلِ فخر چیز نہیں۔ ایسا کرنا مویشیوں کے لئے تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن انسان کا پیٹ بھر کر کھانا تن پروری ہے جو کوئی قابل تحسین بات نہیں۔ جو شخص ساری عمر تن پروری میں مصروف رہے اور جسمانی خواہشات کا اسیر رہے اس شخص کے برابر نہیں ہوسکتا جو ساری عمر اپنے باطن کو سنوارنے کے باعث راہِ حق میں منفرد ہو اور علائقِ دنیا سے آزاد ہو۔ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا:

''انسان کا کسی برتن کو بھرنا اتنا بُرا نہیں جتنا پیٹ کو بھرنا، انسان کے لئے اتنے لقمے کھانا کافی ہے جس سے اس کی پیٹھ سیدھی رہے یعنی توانائی برقرار رہے۔''(۱)

امام غزالی علیہ الرحمۃ شکم سیری کی مذمت میں درج ذیل اقوال نقل فرماتے ہیں:

۱۔ حضرت لقمان حکیم علیہ الرحمۃ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ''اے میرے بیٹے! جب تیرا معدہ بھرا ہوگا تو تُو بے فکر ہو جائے گا۔ تیری حکمت بے کار ہو جائے گی اور تیرے اعضا عبادت سے لاچار ہو جائیں گے۔''

۲۔ حضرت سہل بن عبد اللہ تستری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''علم وحکمت کو بھوک میں رکھا گیا ہے جبکہ گناہ اور جہالت کو شکم سیری میں رکھا گیا ہے۔''

۳۔ حضرت ابو سلیمان دارانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جو شخص پیٹ بھر کر کھاتا ہے

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الزّهد، باب: ماجاء في كَرَاهية كثرة الأكُلِ، ۴: ۱۸۸، رقم: ۲۳۸۰

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الأطعمة، باب الأقتصاد في الأكُلِ وكراهة الشّبع، ۴: ۵۳، رقم: ۳۳۴۹

اس پر چھ آفتیں آتی ہیں:

۱۔ وہ مناجاتِ الٰہیہ کی چاشنی سے محروم ہو جاتا ہے۔

۲۔ حکمت کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے۔

۳۔ مخلوق اس کی شفقت سے محروم ہوتی ہے۔

۴۔ عبادت ایک بوجھ بن جاتی ہے۔

۵۔ خواہشات زیادہ ہو جاتی ہیں۔

۶۔ تمام لوگ مساجد کے گرد چکر لگاتے ہیں، پیٹ بھر کر کھانے والا گندی جگہوں کے گرد چکر لگاتا ہے۔''(۱)

گویا معلوم ہوا کہ بھوک رکھ کر کھانا اخروی فوائد کا ایک عظیم خزانہ ہے۔

کم خوری کیوں کر ممکن ہے؟

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نفس کو طمع کا عادی بنایا جائے تو وہ لالچی بن جاتا ہے۔ اگر قناعت کا عادی بنایا جائے تو وہ قانع ہو جاتا ہے اور اگر بھوک کا عادی بنایا جاہے تو اس میں بھوک برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

صوفیاء کرام نے بتدریج بھوک کو اپنی عادت بنایا اور اپنے نفس کو کھانے سے روکا۔ اس کے بدلہ میں انہیں بھوک میں نورِ معرفت اور حکمت کے چشمے ملے۔ اس حوالے سے صوفیاء کی بہت سی حکایات اور واقعات ہوئے ہیں۔ بعض بزرگوں کا یہ طریقہ رہا کہ وہ ہر رات غذا کم کرتے رہتے یہاں تک کہ نفس کو کمترین خوراک کا عادی بنا لیتے۔ بعض نیک بندے خوراک کا چھواروں کی گٹھلیوں سے اندازہ لگاتے اور ہر رات خوراک میں سے ایک گٹھلی کم کر دیتے۔ کچھ درویش روٹی کا اٹھائیسواں حصہ کم کرتے یہاں تک کہ ایک مہینے

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۸۲۔ ۸۷

میں ایک روٹی کم ہو جاتی اور ایک جماعت کا طرزِ عمل یہ ہوتا کہ وہ سات سات دن، پندرہ پندرہ دن یہاں تک کہ چالیس دن تک کھانا نہیں کھاتے تھے۔ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اگر زیادہ کھانا ضروری ہوتو (پیٹ کے تین حصے کرے) ایک تہائی کھانے کے لئے، ایک پانی کے لئے اور ایک سانس لینے کے لئے۔''[۱]

حضرت ابوسلیمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''مجھے رات کے کھانے سے ایک لقمہ چھوڑ دینا رات بھر عبادت کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا: بھوک اللہ کے پاس اس کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور وہ اسی شخص کو عطا کرتا ہے جس کو پسند کرتا ہے۔''[۲]

حدیثِ مبارکہ میں بتائے گئے طریقے کے علاوہ کھانا کم کرنے اور پیٹ کی خواہش پر قابو پانے کے لئے درج ذیل طریق پر بھی عمل کرنا سود مند ہوگا۔

۱۔ کھانا کم کرنے کے سلسلہ میں تدریجاً ریاضت کا راستہ اختیار کیا جائے اور کھانے کی مقدار مقرر کرکے آہستہ آہستہ کھانا کم کیا جائے۔ جس شخص کو زیادہ کھانے کی عادت ہو اگر وہ یکدم تھوڑا کھانے کی طرف آئے گا تو اس کا مزاج برداشت نہیں کر سکے گا اور وہ کمزور ہوتا جائے گا نیز اس میں مشقت بہت زیادہ برداشت کرنا ہو گی، لہٰذا اسے چاہئے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے کمی کرتا رہے مثلاً

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الزّهد، باب: ماجاء في كَرَاهِيَة كثْرَةِ الأُكُلِ، ۴: ۱۸۸، رقم: ۲۳۸۰
۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الأطعمة، باب، الاقتصاد فى الأُكُل وَكَرَاهَة الشبع، ۴: ۵۳، رقم: ۳۳۴۹

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۸۳

اگروہ دو روٹیاں کھاتا ہے اور اپنے آپ کو ایک روٹی تک لانا چاہتا ہے تو روٹی کو اٹھائیس حصوں میں تقسیم کرے اور روزانہ ایک حصہ کم کرے تو یوں ایک مہینے میں ایک روٹی تک آ جائے گا یہاں تک کہ اپنے نفس کو اتنی مقدار تک لے آئے گا جس سے زندہ رہ سکے۔ اس سے نہ تو کوئی نقصان ہوگا اور نہ ہی اس کا کوئی منفی اثر ظاہر ہوگا۔

۲۔ سالک کھانے کو دو حصوں میں تقسیم کر دے مثلاً اگر دو روٹیاں ہوں تو ایک روٹی افطار کے وقت کھائے اور دوسری روٹی سحری کے وقت تاکہ اس کا نفس پرسکون رہے، تہجد کے وقت بدن ہلکا پھلکا ہو اور دن کو زیادہ بھوک نہ لگے۔

۳۔ پسندیدہ اور لذیذ مرغّن کھانے گوشت، مٹھائی اور حلوہ وغیرہ کی خواہش پر قابو پایا جائے، اور درمیانہ قسم کا سالن کھایا جائے۔ آخرت کے راستے پر چلنے والے بزرگان دین کی عادت تھی کہ وہ سالن نہیں کھاتے تھے بلکہ وہ خواہشات کی تکمیل سے بچتے تھے کیونکہ انسان جس لذیذ چیز کی خواہش کرتا ہے تو اسے ضرور کھاتا ہے جس سے نفس پھول جاتا ہے اور دل سخت ہو جاتا ہے نیز وہ دنیا کی لذتوں سے اس درجہ مانوس ہو جاتا ہے کہ اپنی موت اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات تک کو بھول جاتا ہے۔ اس دنیا دار کے لئے دنیا جنت اور موت قیدخانہ بن جاتی ہے لیکن اس کے برعکس جب مومن اپنے آپ کو خواہشات سے بچائے اور اپنے نفس پر سختی کرتے ہوئے ان لذتوں سے اجتناب کرے تو دنیا اس کے لئے قیدخانہ بن جاتی ہے اور وہ اس میں گھٹن محسوس کرتا ہے یہاں تک کہ اس کا نفس موت کے ذریعے زندگی کی قید سے چھٹکارا چاہنے لگتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پسندیدہ کھانوں کی خواہش کو پورا کرنے کی بجائے صبر کیا جائے اور ضرورت سے زیادہ نہ کھایا جائے۔ ضرورت سے زیادہ کھانا اسراف ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ إِذَا تَغَدَّى لَمْ يَتَعَشَّ، وَإِذَا تَعَشَّى لَمْ يَتَغَدَّ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ جب صبح کھانا کھاتے تو شام کو نہ کھاتے اور شام کو تناول فرماتے تو صبح نہ کھاتے۔‘‘

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ نفس کو جائز خواہشات کی تسکین کے لئے بھی کھلی چھٹی نہ دی جائے اور نہ ہی ہر حال میں اس کی تکمیل کی جائے، اسے اس بات سے بھی ڈرنا چاہئے کہ کہیں قیامت کے دن اس سے بھی یہ نہ کہا جائے کہ:

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ○ (۲)

’’تم اپنی لذیذ و مرغوب چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں ہی حاصل کر چکے اور ان سے (خوب) نفع اندوز بھی ہو چکے۔ پس آج کے دن تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے (بھی) کہ تم نافرمانی کیا کرتے تھے○‘‘

انسان جس قدر اپنے نفس کو مجاہدے کا پابند کرے گا اور خواہش کو چھوڑے گا اس قدر آخرت کی نعمتوں سے نفع اٹھائے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًام بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ○ (۳)

’’(اُن سے کہا جائے گا:) خوب لطف اندوزی کے ساتھ کھاؤ اور پیو اُن (اَعمال) کے بدلے جو تم گزشتہ (زندگی کے) اَیّام میں آگے بھیج چکے تھے○‘‘

---

(۱) سیوطی، الجامع الصغیر، ۱:۴۱، رقم: ۶۶۱۷

(۲) الاحقاف، ۴۶: ۲۰

(۳) الحاقة، ۶۹: ۲۴

کھانے پینے میں اِعتدال کا پہلو غالب رہے

افراط وتفریط دونوں قابلِ مذمت ہیں۔ کم خوری کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اس بات کا اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا گیا کہ بھوک کے سلسلے میں حد سے بڑھ جانا مطلوب ہے کیونکہ اگر کوئی چیز بھی حدِ اعتدال سے بڑھ جائے تو شریعت اسلامی اس کی اجازت ہرگز نہیں دیتی۔ شارعِ اسلام حضور نبی اکرم ﷺ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ روزہ رکھنے اور پوری پوری رات کھڑا رہنے سے منع فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

''حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے کہا اے عبداللہ! مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ تم دن کو روزے رکھتے اور رات کو قیام کرتے ہو۔ میں عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیك وسلّم! کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو بلکہ روزے رکھو اور چھوڑ بھی دیا کرو، قیام کرو اور سویا بھی کرو، کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ ہر مہینے تین روزے رکھ لیا کرو، چونکہ ہر نیکی کا اجر دس گناہ ہے تو یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کی طرح ہو جائے گا۔''(۱)

لہٰذا شریعت مطہرہ کا مقصود یہ ہے کہ کھانے پینے میں اعتدال کی راہ اختیار کی جائے اور کھانا اتنا کھایا جائے کہ بھوک مٹ جائے اور اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے حتی کہ وہ اُن فرشتوں کے مشابہ ہو جائے جو فطرتاً کھانے کے بوجھ اور بھوک کی تکلیف دونوں سے پاک ہیں جبکہ انسان صرف اعتدال کی روش پر ہی گامزن رہ کر اس کیفیت کا لطف حاصل

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الصّوم، باب حَق الْجِسْمِ في الصَّوْمِ، ۲: ۶۹۷، رقم: ۱۸۷۴

کرتا ہے۔ حضرت مطرف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا۔ (۱)

''بہترین امور وہ ہیں جن میں اعتدال ہو۔''

نفس کو اعتدال پر لانے اور تربیت کے عمل سے گزارنے کا طریقہ یہ ہے کہ شروع میں اسے تکلیف میں مبتلا کیا جائے کیونکہ ابتدائی مرحلے میں تکمیل خواہشات کا عادی نفس سرکشی پر مائل ہوتا ہے لہٰذا اسے بھی سدھائے جانے والے گھوڑے کی طرح مجاہدے کی اذیت اور بھوک کی تکلیف پہنچائی جاتی ہے تا وقتیکہ وہ اعتدال پر نہ آ جائے۔ اسی حکمت کے پیش نظر شیخ اپنے مرید کو ان کاموں کا حکم دیتا ہے جو وہ خود نہیں کرتا، وہ اسے بھوکا رہنے کا حکم دیتا ہے حالانکہ خود بھوکا نہیں رہتا نیز اسے پھلوں اور من پسند چیزوں سے روکتا ہے حالانکہ خود کو ان سے نہیں روکتا کیونکہ خود مسلسل مجاہدے سے اپنے نفس کی تادیب سے فارغ ہو چکا ہوتا ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ادب سکھایا جب آپ رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ روٹی، گوشت اور گھی کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان پر دُرہ بلند کیا اور فرمایا: ''ایک دن روٹی گوشت سے کھاؤ، دوسرے دن دودھ سے کھاؤ۔ اس طرح کسی دن گھی کے ساتھ، کسی دن زیتون کے ساتھ، کسی دن نمک کے ساتھ اور کسی کسی دن بغیر کسی چیز یا سالن کے کھاؤ کیونکہ یہی راہِ اعتدال ہے۔''(۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۵:۲۶۱، رقم: ۶۶۰۱

(۲) ۱۔ سعید بن منصور، السنن، ۲: ۷۹۵

۲۔ غزالی، إحیاء علوم الدین، ۳: ۹۸

’’جو شخص چالیس دن گوشت کھانا چھوڑ دے وہ بداخلاق ہو جاتا ہے اور جو مسلسل چالیس دن گوشت کھائے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔‘‘(۱)

اس سے یہ نتیجہ کھلا کہ مستقلاً گوشت کھانا اگر خواہشاتِ نفس کی تسکین کے لئے ہو تو افراط اور اسراف کے زمرے میں آتا ہے اور گوشت کو بالکل چھوڑ دینا تنگی اور عدم توازن کو ظاہر کرتا ہے، جو تفریط کا پہلو ہے لہٰذا کھانے پینے میں اعتدال کا پہلو ہر صورت غالب رہنا چاہیے تاکہ کم کھانا حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اور فاقہ ملائکہ کی صفت کے مشابہ ہو جائے۔

(۱) دیلمی، الفردوس بمأ ثور الخطاب، ۳: ۴۷۰، رقم: ۵۴۵۸

باب دہم

خاموشی اور کم گوئی

خاموشی کا مفہوم

خاموشی کے لفظی معنی چپ رہنے کے ہیں مگر اہلِ تصوف کے نزدیک خاموشی باطنی توجہ کو کہتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی بات کہی جائے جس کی ضرورت ہو اور ہر اس بات سے بچا جائے جس میں کوئی دینی و دنیوی منفعت کا پہلو موجود نہ ہو۔

قوتِ گویائی وہ نعمتِ خداوندی ہے جس کی بدولت انسان دیگر مخلوقات سے ممتاز ہوتا ہے۔گفتگو سے انسان کی شخصیت کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے مثبت یا منفی پہلو سامنے آجاتے ہیں۔کلام کرنے سے ہی انسان کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں اور ان میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔لہٰذا خاموشی مطلقاً گفتگو کے متضاد اور مخالف نہیں۔کوئی شخص گفتگو کرنے کے باوجود خاموش طبع ہوسکتا ہے۔مفید اور بامقصد گفتگو خاموشی ہی کے دائرے میں شامل ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰۔۵۰۵ھ) اپنی کتاب ''إحیاء علوم الدین'' میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں:

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ہمیں ایسا عمل بتائیں جس سے ہم جنت میں داخل ہوجائیں۔ آپ علیہ السلام نے خاموش رہنے کی تلقین فرمائی۔ لوگوں نے کہا کہ ایسا تو بہت مشکل ہے۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ صرف بھلائی کی بات کی جائے۔''(۱)

خاموشی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے انسان کے خیالات مجتمع رہتے ہیں اور تفکر و تدبر کے مواقع بھی میسر آتے ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

---

(۱) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۳: ۲۴۶

اَوَلَمۡ يَتَفَكَّرُوۡا فِىۡٓ اَنۡفُسِهِمۡ‌ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى‌ؕ وَ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمۡ لَكٰفِرُوۡنَ۝(۱)

''کیا انہوں نے اپنے مَن میں کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے پیدا نہیں فرمایا مگر (نظامِ) حق اور مقرّرہ مدت (کے دورانیے) کے ساتھ، اور بیشک بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے مُنکِر ہیں۝''

خاموشی وہ نعمت ہے جس سے دل میں نئے نئے خیالات جنم لیتے ہیں اور درست قول وعمل کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔بعض اوقات خاموشی فصیح و بلیغ تقریروں سے زیادہ کام کرتی ہے۔اس سے روشن ضمیری اور پختہ خیالی جنم لیتی ہے۔اس کی بہت سی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں اور روز مرّہ مشاہدہ میں آتی ہیں۔ہر خاموشی میں کوئی نہ کوئی ایسا پیغام چھپا ہوتا ہے جس کی تاثیر کئی تحریروں اور تقریروں سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

خاموش لوگ بلا کے خطیب ہوتے ہیں

کسی دانشور کا قول ہے

''ایک خاموشی ہزار جوابوں سے بہتر ہے۔''

اولیاء کرام چونکہ اکثر خاموش رہتے ہیں اس لئے ان پر انوار وتجلیاتِ الٰہیہ کا نزول ہوتا رہتا ہے،جبکہ جہلاء کا اکثر وقت یاوہ گوئی میں گزرتا ہے اس لئے رحمتِ الٰہیہ سے محرومی اس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

---

(۱) الروم، ۳۰:۸

وقت ایک قیمتی سرمایہ ہے جو شخص اسے لا یعنی گفتگو میں صرف کرتا ہے وہ اپنے مال کو ضائع کر کے اپنی کم عقلی کا ثبوت فراہم کرتا ہے اور جو شخص ہمیشہ تول کر بولتا ہے، وہ اس سرمایہ کی حفاظت کرکے اپنی دانشمندی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

خاموشی کی اقسام

شیخ اکبر علامہ ابن عربی (م ۶۳۸ھ) نے خاموشی کی دو اقسام بیان فرمائی ہیں:

۱۔ زبان کی خاموشی

۲۔ دل کی خاموشی

۱۔ زبان کی خاموشی یہ ہے کہ زبان ان باتوں کو چھوڑ دے جن کا تعلق غیر اللہ کے ساتھ ہو، خاموشی کی یہ قسم عوام اور راہِ طریقت کے سالکین کی منزل ہے۔

۲۔ دل کی خاموشی یہ ہے کہ دل میں شیطانی وسوسہ کسی وقت بھی پیدا نہ ہو۔ خاموشی کی یہ قسم مقربین، اہل مشاہدہ اور صاحبانِ حال کی منزل ہے۔

جو شخص زبان کا خاموش ہو لیکن دل کا خاموش نہ ہو تو اس کے گناہوں کا وزن ہلکا ہوتا ہے۔ جس شخص کا دل خاموش ہو لیکن زبان خاموش نہ ہو تو وہ جب بھی بولے گا حکمت و دانائی کی بات کرے گا۔ جس شخص کی زبان اور دل دونوں خاموش ہوں اس پر مخفی اسرار کھلتے اور تجلیاتِ ربّانی وارد ہوتی ہیں۔ ایسا شخص جس کی نہ زبان خاموش رہے اور نہ دل، شیطان کا غلام اور تابع ہوتا ہے۔ حضور داتا گنج بخش علیہ الرحمة (م ۴۷۰ھ) اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں:

''کلام کی دو اقسام ہیں۔ ایک کلامِ حق ہے اور دوسرا کلامِ باطل، سکوت بھی دو طرح کے ہیں۔ ایک سکوت حصولِ مقصد کے لیے اور دوسرا سکوت غفلت کی وجہ سے ہے۔

حضرت علی ہجویری علیہ الرحمة اس حوالے سے ایک حکایت نقل کرتے ہیں کہ ایک روز ابو بکر

شبلی علیہ الرحمۃ بغداد کے ایک محلّہ میں جا رہے تھے کہ ایک مدعی کہہ رہا تھا۔

اَلسُّکُوْتُ خَیْرٌ مِّنَ الْکَلَامِ۔

’’خاموش رہنا بولنے سے اچھا ہے۔‘‘

حضرت شبلیؒ نے اسے ٹوکا اور فرمایا: تیرا خاموش رہنا بولنے سے اچھا ہے اور میرا بولنا خاموش رہنے سے بہتر ہے، کیونکہ تیرا بولنا لغو ہے اور تیری خاموشی ہزل (بیہودہ بات) ہے، جبکہ میرا کلام میرے سکوت سے یوں بہتر ہے کہ میرا سکوت حلم ہے اور میرا کلام علم ہے۔ اگر نہ کہوں تو حلیم ہوں اور اگر کہوں تو علیم ہوں۔‘‘(۱)

خاموشی کی فضیلت و اہمیت

خاموشی بہت بڑی نعمت کا پیش خیمہ ہے۔اس کے باعث اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو صحیح علم اور راہِ نجات کا شعور عطا فرماتا ہے۔اس سے درست قول و عمل کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔اس کا مقصد دنیوی گفتگو سے پرہیز کرنا اور جو کلام اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دے اس سے بچنا ہے۔خاموشی سے خیالات مجتمع رہتے ہیں، وقار بلند ہوتا ہے، ذکر و فکر اور عبادت کے لئے مواقع میسر آتے ہیں۔ دنیا میں زبان کی آفات سے اور آخرت میں اس کے حساب سے نجات ملتی ہے۔

ا۔قرآن حکیم میں خاموشی کا بیان

درج ذیل آیات کریمہ سے خاموشی کی اہمیت واضح ہوتی ہے:

(ا) خاموشی نعمتِ خداوندی کا پیش خیمہ

خاموشی اختیار کرنا انعاماتِ خداوندی سے بہرہ ور ہونا ہے۔ اس بات پر خود

(ا) علی ہجویری، کشف المحجوب: ۵۱۴

قرآنِ حکیم شاہد ہے۔ اللہ ﷻ نے جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی صورت میں بہت بڑی نعمت عطا کرنا چاہی تو انہیں خاموش رہنے کی تلقین فرمائی اور اس کے ساتھ صبح و شام تسبیح کرنے کا بھی حکم فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝[1]

’’(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارے کے بات نہیں کر سکو گے، اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور شام اور صبح اس کی تسبیح کرتے رہو۔‘‘

اسی طرح قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر سورہ مریم میں بھی خاموشی کا ذکر آیا ہے جس سے اس کی فضیلت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝[2]

’’(زکریا علیہ السلام نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما، ارشاد ہوا: تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم بالکل تندرست ہوتے ہوئے بھی تین رات (دن) لوگوں سے کلام نہ کر سکو گے۔‘‘

(۲) خاموشی اہلِ معرفت کا شیوہ

اہلِ معرفت کا شیوہ ہے کہ وہ اپنے کلام پر خاص نگران ہوتے ہیں، اگر تمام کلام حق ہو تو کہہ دیتے ہیں ورنہ خاموش رہتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ہماری ہر بات کو

---

(۱) آل عمران، ۳:۴۱

(۲) مریم، ۱۹:۱۰

اللہ تعالیٰ براہِ راست سن رہا ہے بلکہ وہ ہماری آپس کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں سے بھی واقف ہے اور فرشتے اس کا تحریری ریکارڈ رکھنے پر مامور ہیں، وہ انسان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں۔ جو لوگ اس حقیقت سے منہ پھیرتے ہیں قرآن ان کے متعلق فرماتا ہے:

اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ ط بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ○[1]

’’کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور اُن کی سرگوشیاں نہیں سنتے کیوں نہیں (ضرور سنتے ہیں) اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے بھی اُن کے پاس لکھ رہے ہوتے ہیں○‘‘

(۳) خاموشی بارگاہِ نبوت کے آداب میں سے

کوئی بارگاہ ایسی بھی ہوتی ہے کہ جہاں خاموشی کلام سے ہزارہا درجہ بہتر ہوتی ہے۔اس کی مثال بارگاہِ نبوت و رسالت ﷺ ہے کہ وہاں کثرتِ کلام انسان کی نیکیوں کی بربادی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بنتی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا شیوہ تھا کہ وہ آپ کی بارگاہ میں خاموش نہ رہتی اور ان سے طرح طرح کے سوالات کرتی رہتی۔ سورہ البقرہ میں مذکور گائے کا واقعہ اس کی ایک قابل ذکر مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدی ﷺ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ط وَ مَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ○[2]

’’(اے مسلمانو!) کیا تم چاہتے ہو کہ تم بھی اپنے رسول (ﷺ) سے اسی طرح

(۱) الزخرف، ۴۳: ۸۰

(۲) البقرہ، ۲: ۱۰۸

سوالات کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیے گئے تھے، تو جو کوئی ایمان کے بدلے کفر حاصل کرے پس وہ واقعۃً سیدھے راستے سے بھٹک گیاo''

اس آیتِ کریمہ میں بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب سکھائے گئے ہیں۔یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح بے جا سوالات نہ کئے جائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورِ نبوت سے تمہارے مسائل کو تم سے بہتر جانتے ہیں۔وہ تمہارے سوال کئے بغیر ہی ان کے بارے میں تمہاری رہنمائی فرما دیں گے۔لہٰذا بارگاہِ رسالت میں ادب کے ساتھ خاموش بیٹھے رہو۔اسی میں تمہارے ایمان کی سلامتی ہے۔قرآن مجید نے سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات میں بھی بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب تفصیل سے بیان کئے ہیں۔قلتِ کلام اس بارگاہ کا اولیں ادب ہے۔بقول کسے:

ادب گا هیست زیر آسماں از عرش نازك تر
نفَس گم کرده می آید جنید بایزید ایں جا

(آسمان کے نیچے ایک بارگاہِ ادب عرش سے بھی زیادہ نازک ہے جہاں حضرت جنید علیہ الرحمۃ اور بایزید علیہ الرحمۃ جیسی ہستیاں بھی دم بخود حاضر ہوتی ہیں۔)

۲۔ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خاموشی کا بیان

احادیثِ مبارکہ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ قوت گویائی جتنی بڑی نعمت ہے اتنی ہی بڑی خرابی کا پیش خیمہ بھی بن سکتی ہے۔اس لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یاوہ گوئی اور لا یعنی گفتگو سے منع فرمایا ہے اور خاموشی وکم گوئی پر زور دیا ہے۔اس موضوع پر کثیر تعداد میں احادیث وارد ہوئی ہیں، جس سے اس کی اہمیت وفضیلت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو تی ہے۔ہم یہاں درج ذیل چند احادیثِ مبارکہ سے اپنی بات واضح کریں گے:

(۱) مومن وہ ہے جو اچھی بات کہے یا خاموش رہے

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ. (۱)

’’جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات منہ سے نکالے یا خاموش رہے۔‘‘

(۲) خاموشی سراسر حکمت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّمْتُ حِكَمٌ وَ قَلِيْلٌ فَاعِلُهُ. (۲)

’’خاموشی سراسر حکمتوں کا نام ہے مگر اسے اختیار کرنے والے بہت کم ہیں۔‘‘

(۳) مفید کلام

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ كَلَامِ ابْنِ آدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهُ إِلَّا أَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ أَوْ ذِكْرُ اللهِ. (۳)

’’انسان کی ہر گفتگو میں اس کا نقصان ہے فائدہ نہیں سوائے اس گفتگو کے کہ جو

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، ۵: ۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۲

(۲) بیہقی، شعب الإیمان، ۴: ۲۶۴، رقم: ۵۰۲۷

(۳) ترمذی، الجامع الصّحیح، أبواب الزّھد، ماجاء في حفظ اللّسان، ۴: ۲۱۲، رقم: ۲۴۱۲

نیکی کا حکم دینے، برائی سے منع کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہو (اس کا فائدہ ہی فائدہ ہے)۔‘‘

(۴) زبان کے فتنوں سے حفاظت کی تلقین

حضرت عبد اللہ الثقفي رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو ہم پر کس بات کا زیادہ ڈر ہے؟

فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِلِسَانِ نَفْسِهِ، ثُمَّ قَالَ: هَذَا. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا اس کا۔‘‘

(۵) تمام اعضا زبان سے کم گوئی کی درخواست

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’جب انسان صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضا جھک کر زبان سے کہتے ہیں:

اِتقِ اللّٰهَ فِينَا فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ، فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا۔ (۲)

’’ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تجھ سے متعلق ہیں اگر تو سیدھی رہے گی ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔‘‘

---

(۱) ابن ماجة، السنن، كتاب الفتن، باب كفِّ اللِّسَانِ فی الْفِتْنَةِ، ۴: ۳۸۲، رقم: ۳۹۷۲

(۲) ترمذی، الجامع الصّحيح، أبواب الزّهد، باب ماجاء في حفظ اللّسان، ۴: ۲۰۸، رقم: ۲۴۰۷

(٦) خاموشی ذریعہ نجات

گفتار کی مثال وہ شراب ہے جو عقل کو مست کر دیتی ہے اور جسے اس کی لت پڑ جائے وہ اسے چھوڑ نہیں سکتا مگر خاموشی کی مثال قیمتی سونے کی سی ہے، جو اسے اختیار کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ نجات پا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ (1)

''جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔''

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا النَّجَاةُ؟

''یارسول اللہ! نجات کیا ہے؟''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلَى خَطِيْئَتِكَ ۔ (2)

''تم اپنی زبان کو (بری باتوں سے) روکے رکھو، چاہیے کہ تمہارا گھر تم پر کشادہ ہو جائے تو تُو اپنے گناہ پر رویا کر۔''

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب صفة القيامة و الرقائق و الورع، باب ماجاء فی صفة أواني الحوض، ۴: ۶۶۰، رقم: ۲۵۰۱

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الزّهد، باب ماجاء في حِفْظِ اللِّسَّان، ۴: ۶۰۵، رقم: ۲۴۰۶

(۷) زبان پر قابو رکھنے والے کو جنت کی ضمانت

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ(۱)

’’جو مجھے اس کی ضمانت دے جو دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان کی) اور اس کی جو دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ کی) تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔‘‘

(۸) اعمال کے ترازو میں سب سے بھاری چیز

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! میں تجھے ایسی باتیں نہ بتاؤں جو نہایت سبک (کم وزن) اور ہلکی ہیں لیکن اعمال کے ترازو میں بہت بھاری ہیں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: جی ہاں ضرور فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقِ بِمِثْلِهِمَا (۲)

’’طویل خاموشی اور خوش خلقی، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان دو خصلتوں سے بہتر مخلوق کے لئے کوئی کام نہیں ہے۔‘‘

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب حِفْظِ اللِّسَانِ، ۵:۲۳۷۶، رقم: ۶۱۰۹

(۲) بیہقی، شعب الإیمان، ۶:۲۳۹، ۸۰۰۶

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَيْسَرِ الْعِبَادَةِ، وَأَهْوَنِهَا عَلَى الْبَدَنِ: الصَّمْتُ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ۔(۱)

''کیا میں تمہیں ایسی عبادت نہ بتاؤں جو سب سے زیادہ آسان اور بدن پر زیادہ ہلکی پھلکی ہے؟ فرمایا: وہ خاموشی اور اچھے اخلاق ہیں۔

(۹) کثرتِ کلام، اللہ عزوجل سے دوری کا باعث

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا زیادہ گفتگو نہ کرو کیونکہ ذکرِ الٰہی کے بغیر کثرتِ کلام دل کی سختی (کا باعث ہے) اور سخت دل آدمی اللہ تعالیٰ سے بہت دور رہتا ہے۔''(۲)

(۱۰) اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟

''اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل کون سا ہے؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش ہوگئے کسی نے جواب نہ دیا پھر آپ ﷺ نے خود ہی جواب دیا:

---

(۱) منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۴۰۴، رقم: ۱۰

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الزھد، باب ماجاء في حِفْظ لِلّسان، ۴: ۲۱۱، رقم: ۲۴۱۱

هُوَ حِفْظُ اللِّسَانِ۔[1]

''وہ زبان کی حفاظت کرنا ہے۔''

اس حدیث مبارکہ میں صحابہ کرام کی خاموشی سے یہ نکتہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ کسی عظیم المرتبت بارگاہ میں خاموش رہنا ادب کا عین تقاضا ہے۔ صحابہ کرام کا معمول تھا کہ وہ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں یوں بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

(۱۱) ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر عبادت

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَقَامُ الرَّجُلِ لِلصَّمْتِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً[2]

''مرد کا خاموش رہنا (اور خاموشی پر ثابت قدم رہنا) ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔''

(۱۲) افضل ترین عبادت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اَلصَّمْتُ أَرْفَعُ الْعِبَادَةِ[3]

''خاموشی سب سے اونچی عبادت ہے۔''

مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہے کہ انسان کو اپنی زبان کی حفاظت کرنی چاہئے اور یہ خاموشی اور کم گوئی کے بغیر ممکن نہیں۔ جو لوگ اپنی زبان کو بیہودہ گوئی اور لغو گوئی سے محفوظ اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھتے ہیں انہیں جنت کی ضمانت دی گئی ہے۔

---

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۴: ۲۴۵، رقم: ۴۹۵۰

(۲) بیہقی، شعب الإیمان، ۴: ۲۴۵، رقم: ۴۹۵۳

(۳) دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۱۷، رقم: ۳۸۴۹

٣۔ خاموشی میں صوفیاء و اَولیاء عظام کے اقوال

اب ہم صوفیاء کرام اور اولیاء عظام کے احوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں خاموشی کی عادت کیسے ڈالی؟

(١) ہر کلمہ لغو پر ملامت

شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمة (م ٣٨٦ھ) اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں لکھتے ہیں:

''جو کلمہ بھی مزاح یا لغو زبان سے نکلے اس کی وجہ سے بندے کو پانچ طرح زجر وملامت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے کہ:

١۔ تو نے یہ کلمہ کیوں کہا؟ کیا یہ بات تیری ضرورت کی تھی؟

٢۔ جب تو نے یہ کلمہ کہا تو کیا تجھے اس سے نفع ہوا؟

٣۔ اگر تو یہ کلمہ نہ کہتا تو کیا تجھے کچھ نقصان ہوتا؟

٤۔ تو خاموش کیوں نہ رہا تاکہ اس کے انجام سے بچ جاتا۔

٥۔ تو نے اس کی جگہ یہ الفاظ کیوں نہ کہے:

سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تاکہ خوب ثواب لیتا۔

ہر کلمہ کے لیے تین دفتر کھولے جاتے ہیں:

١۔ کیوں؟ ٢۔ کیونکر؟ ٣۔ کس کے لیے؟

اگر تینوں سے نجات مل گئی تو ٹھیک ورنہ حساب کے لیے طویل قیام موجود ہے۔''(١)

---

(١) أبو طالب مكي، قوت القلوب، ١: ١٩٩

(۲) خاموشی اختیار کرنے کا منفرد طریقہ

بعض سلفِ صالحین خاموشی کی عادت ڈالنے کے لئے اپنے منہ میں کنکریاں رکھتے تھے تاکہ کلام کرتے وقت زبان میں رکاوٹ ہو اور وہ خاموش رہیں۔ شیخ ابو طالب مکیؒ ایک بزرگ کا قول نقل کرتے ہیں:

’’میں نے فضول گوئی کے ہر کلمہ پر اپنے آپ کو دو رکعت پڑھنے کا پابند بنا لیا اور یہ کام مجھ پر آسان رہا پھر میں نے بے معنی اور فضول بات پر اپنے آپ کو روزہ کا پابند کیا تو یہ بھی مجھ پر آسان رہا۔ آخر کار میں نے ہر بے مقصد اور فضول کلام پر ایک درہم صدقہ کی پابندی لگائی تو یہ کام مجھے مشکل نظر آیا اور میں فضول کلام سے رک گیا۔‘‘[۱]

زبان کی آفتیں اور ان سے بچاؤ کی تدابیر

خاموشی اور کلام میں زبان اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جس کی زبان درست ہو اس کے سارے اعمال اصلاح یافتہ ہوجائیں گے اور جس کی زبان میں خرابی ہو اس کے سارے اعمال میں خرابی ظاہر ہوگی۔ بعض بزرگ صالحین سے مروی ہے:

’’جیسے تم کلام سیکھتے ہو اسی طرح خاموشی سیکھو، کیونکہ اگر کلام تمہیں ہدایت دیتا ہے تو سکوت تمہیں بچاتا ہے اور خاموشی میں تیرے لئے دو خصلتیں ہیں:

۱۔ جو تم سے زیادہ جاہل ہے تم اس کو جہالت سے باز رکھ سکو گے۔

۲۔ جو تجھ سے زیادہ عالم ہے اس سے سیکھ سکو گے۔[۲]

زبان کا کام دل و دماغ کے خیالات، جذبات اور خواہشات کا اظہار اور کوئی سا

---

(۱) أبو طالب مكي، قوت القلوب، ۱: ۱۹۶

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۱۱

بھی علم ہو خواہ وہ حق ہے یا باطل اسے بیان کرنا ہے اور یہ خاصیت جسم کے دوسرے اعضاء کو حاصل نہیں ہے کیونکہ آنکھ کی رسائی صرف رنگوں اور صورتوں تک ہے، جبکہ زبان کا میدان وسیع ہے، اس کی کوئی انتہا اور حد نہیں، اگر نیکی میں اس کا میدان وسیع ہے تو برائی میں بھی لامحدود ہے، جو شخص اپنی زبان کو کھلی چھٹی دیتا ہے شیطان اسے ہلاکت کے کنارے پر لے جاتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلى وُجُوْهِهِمْ أَوْ عَلَى مَناخِرِهِم إِلَّا حَصَائِدُ أَلسِنَتِهِمْ (۱)

''انسان کو اوندھے منہ دوزخ میں گرانے والی چیز اس سے اپنی زبان سے کاٹی ہوئی کھیتی ہے۔''

حضرت طاؤس علیه الرحمة فرماتے ہیں:

''میری زبان ایک درندہ ہے اگر میں اسے کھلا چھوڑوں تو وہ مجھے کھا لے۔'' (۲)

لہٰذا وہی شخص زبان کے شر سے محفوظ رہ سکتا ہے جو اسے شریعت کی لگام کے تابع رکھے، اور اسی بات کے لئے استعمال کرے جو اسے دنیا و آخرت میں نفع دے، اور اس بات سے روکے جس سے گمراہی کا خطرہ ہو۔ کیونکہ انسان کے اعضاء میں سب سے زیادہ نافرمان اور شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار زبان ہے۔ اسے حرکت دینے اور بولنے میں کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ جو لوگ اس کی آفات اور گمراہی سے بچنے میں سستی کرتے ہیں وہ اس کے وبال سے نہیں بچ سکتے۔ زبان کی آفات بیشمار ہیں مثلاً خطا، جھوٹ، غیبت،

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الإيمان، باب ماجاء في حُرْمَةِ الصَّلَاةِ، ۴: ۳۶۳-۳۶۲، رقم: ۲۶۱۶

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۱۱

چغلی، ریاکاری، منافقت، فحش کلامی، جھگڑا اور خودسرائی وغیرہ۔ ان میں زیادہ تر آفات وہ ہیں جن کا تعلق براہِ راست زبان سے ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے ''إحیاء علوم الدین'' میں زبان کی بیس آفات بیان کی ہیں۔ ان میں سے سترہ مع حذف و اضافہ درج ذیل ہیں:

۱۔ بے مقصد گفتگو اور فضول کلام

ایسی گفتگو جس کی حاجت ہو اور نہ ہی اس سے کسی کو فائدہ حاصل ہو بے مقصد گفتگو کہلاتی ہے۔ جبکہ وہ کلام جو فائدہ مند تو ہو لیکن بلا ضرورت ہو فضول کلام کہلاتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کو اپنا ماضی الضمیر بیان کرنا ہو تو وہ مختصر گفتگو کے ذریعے بھی ایسا کر سکتا ہے طویل گفتگو بے مقصد اور فضول کلام سراسر وقت کا ضیاع ہے، وقت انسان کا قیمتی سرمایہ ہے اور جب وہ اسے بے مقصد کام پر لگاتا ہے تو وہ نہ صرف اپنا مال ضائع کرتا ہے بلکہ آخرت کے اجر و ثواب سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص فضول گوئی سے بچتا ہے اس کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ (۱)

''کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو بات کام کی نہ ہو اسے چھوڑ دے۔''

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے درج ذیل سلف صالحین کے اقوال نقل کئے ہیں۔

۱۔ حضرت لقمان حکیم علیہ الرحمۃ سے پوچھا گیا کہ آپ کی حکمت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: جس بات کا علم ہو جائے وہ نہیں پوچھتا اور بے مقصد بات نہیں کرتا۔

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الفتن، باب کفّ اللّسان فی الفتنة، ۴: ۳۸۴، رقم: ۳۹۷۶

۲۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۴: ۲۵۴۔ ۲۵۵، رقم: ۴۹۸۶

۲۔ حضرت مورق عجلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں بیس سال سے ایک چیز کے پیچھے لگا ہوا ہوں، ابھی تک وہ مجھے حاصل نہیں ہوئی اور نہ ہی میں نے اس کی طلب چھوڑی ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا: بے مقصد باتوں سے خاموشی اختیار کرنا۔

۳۔ حضرت ابراہیم تیمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جب مومن بات کرنا چاہتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اگر فائدہ ہو تو بات کرتا ہے ورنہ خاموش رہتا ہے اور فاجر کی زبان خوب چلتی ہے وہ جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتا ہے انہوں نے یہ بھی فرمایا: دو چیزیں آدمی کو ہلاک کرتی ہیں زائد مال اور فضول کلام۔''

۴۔ حضرت حسن علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جس شخص کی گفتگو زیادہ ہو اس کا جھوٹ بھی زیادہ ہوتا ہے۔''

۵۔ حضرت عطا بن ابی رباح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''تم سے پہلے لوگ فضول کلام کو ناپسند کرتے تھے اور وہ اس کلام کو فضول سمجھتے تھے جو قرآن حکیم، سنتِ رسول اللہ ﷺ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علاوہ ہو یا وہ معاشی ضروریات سے متعلق نہ ہو۔ کیا تم اس بات کا انکار کرتے ہو کہ تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے کراماً کاتبین جو دائیں بائیں کاندھے پر موجود ہیں اور انسان جو گفتگو کرتا ہے اس کے پاس ایک نگران تیار بیٹھا ہے۔''(۱)

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ○(۲)

''وہ مُنہ سے کوئی بات نہیں کہنے پاتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار رہتا ہے○''

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۱۳۔۱۱۴

(۲) ق، ۵۰: ۱۸

حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''گفتگو لکھی جاتی ہے حتی کہ ایک شخص اپنے بیٹے کو محض خاموش کرانے کے لئے کہتا ہے میں تمہارے لئے فلاں فلاں چیز خریدوں گا تو وہ جھوٹا لکھا جاتا ہے۔''(۱)

لہٰذا ایسی باتوں سے گریز کرنا چاہیے جو وقت کا ضیاع ہو اور جس کا کوئی حاصل نہ ہو۔

۲۔ باطل امور میں مشغولیت

بے فائدہ گفتگو کی بھرمار، خلافِ شرع ممنوع باتوں میں مشغولیت، بدعات اور مذاہبِ فاسدہ کا ذکر مثلاً عورتوں کے حالات، شراب کی مجالس، بدکاری کی مجالس، لوگوں کی عیاشی، مذموم رسموں اور ناپسندیدہ حالات کا ذکر کرنا یہ تمام امور باطل میں شامل ہیں اکثر لوگ غم غلط کرنے کے لئے گفتگو کرتے ہیں لیکن انکی گفتگو باطل سے متجاوز نہیں ہوتی۔ باطل کی اقسام بے شمار ہیں۔ ان سے بچنے کی صورت صرف یہ ہے کہ دین اور دنیا کے حوالے سے ضروری گفتگو پر ہی اکتفاء کیا جائے۔ حضرت عمران بن حطان علیہ الرحمۃ روایت کرتے ہیں:

''میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اس حال میں کہ وہ مسجد میں سیاہ چادر لپیٹے تنہا بیٹھے تھے۔ میں نے کہا: اے ابوذر! یہ تنہائی کیسی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے

اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّن جَلِيْسِ السُّوْءِ وَ الْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ وَ اِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنَ إِمْلَاءِ الشَّرِّ۔(۲)

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۱۳۔۱۱۵

(۲) حاکم، المستدرك، ۳: ۳۸۷، رقم: ۵۴۶۶

’’تنہائی برے ہمنشین سے بہتر ہے اور صالح ہمنشین تنہائی سے بہتر ہے۔ بھلائی کا سکھانا خاموشی سے بہتر ہے اور برائی کی تعلیم سے خاموشی بہتر ہے۔‘‘

حضرت سفیان بن عیینۃ علیہ الرحمۃ کسی اہلِ معرفت کا قول بیان کرتے ہیں:

اَلصَّمْتُ زَيْنٌ لِلْعَالِمِ وَسِتْرٌ لِلْجَاهِلِ۔(۱)

’’خاموشی عالم کے لئے زینت ہے اور جاہل کے لئے پردہ ہے۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَ هُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ تَركَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا، ومن حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا۔(۲)

’’جس نے جھوٹ، جو کہ باطل ہے (جھگڑا کے وقت) چھوڑ دیا اس کے لئے بہشت کے کنارے پر مکان بنایا جائے گا اور جو حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا ترک کر دے اس کے لئے جنت کے درمیان مکان بنایا جائے گا اور جو اپنے اخلاق کو سنوار لے اس کے لئے جنت کے بلند ترین جگہ پر محل تعمیر کیا جائے گا۔‘‘

۳۔ خصومت (جھگڑا کرنا)

دوسروں کے کلام پر طعن و تشنیع کرنا ان کے کام پر اعتراض کرنا، ارادے میں خلل ڈالنا، دوسروں کی تحقیر اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا اور اپنے کلام پر ڈٹ جانا خصومت کہلاتا ہے۔ ایک متفق علیہ حدیثِ مبارکہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۴:۲۴۹، رقم: ۵۰۵۵

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب البر و الصلۃ، باب ماجاء في المِرَاءِ، ۳: ۵۳۰، رقم: ۱۹۹۳

إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الْأَلَدُّ الخَصِمُ۔(۱)

''اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند وہ شخص ہے جو بہت جھگڑالو ہو۔''

امام غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰۔ ۵۰۵ھ) ''إحیاء علوم الدین'' میں نقل کرتے ہیں:

حضرت ابن قتیبہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''حضرت بشر بن عبد اللہ بن ابی بکرہ میرے پاس سے گزرے تو فرمایا: آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ میں نے جواب دیا: میرے اور میرے چچا زاد بھائی کے درمیان کچھ جھگڑا ہے۔انہوں نے فرمایا: تمہارے باپ کا مجھ پر کچھ احسان ہے میں اس کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں، میں نے خصومت سے بڑھ کر کوئی چیز دین کو ختم کرنے والی، مروت کو نقصان پہنچانے والی، لذت کو ضائع کرنے والی اور دل کو پھیرنے والی نہیں دیکھی۔ ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں میں اٹھ کر جانے لگا تو میرے مخالف نے کہا تمہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا میں تجھ سے جھگڑا نہیں کرتا۔ اس نے کہا، اس لئے تم سمجھ گئے ہو کہ میں حق پر ہوں۔ میں نے کہا، نہیں لیکن میں اپنے نفس کو اس سے بچانا چاہتا ہوں۔''(۲)

یہ مذمت اس جھگڑالو شخص کی ہے جو بغیر علم کے جھگڑتا ہے جیسے قاضی کا وکیل اس بات کو جاننے سے پہلے کہ حق کس طرف ہے محض جھگڑے کی وکالت کرتا ہے، خصومت یعنی جھگڑے کی صورت میں کم از کم نقصان اچھے کلام کا فوت ہونا، ثواب سے محروم ہونا، دل کو اذیت پہنچانا، آرام وسکون کو برباد کرنا، غصے کو ابھارنا اور دل میں رنج پیدا کرنا ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المظالم، باب قول اللہ تعالیٰ و ھو اَلَدُّالخِصَام، ۲: ۸۶۷، رقم: ۲۳۲۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب فی الألدالخصم، ۴: ۲۰۵۴، رقم: ۲۶۶۸

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدّین، ۳: ۱۱۹

لہٰذا اس کا دروازہ ضرورت کے بغیر نہ کھولا جائے اور ضرورت کے وقت بھی زبان اور دل کی حفاظت کرنا مناسب ہے۔ حضرت ابو امامہ باھلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

تَكْفِيْرُ كُلِّ لِحَاءٍ رَكْعَتَانِ۔(۱)

''ہر بحث کرنے والے کا کفارہ دو رکعتیں ہیں۔''

زبان کی یہ آفت انسان کو ہلاک کرنے والی ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ انسان دل سے تکبر کلیتًا ختم کر دے، دوسروں پر اپنی فضیلت ظاہر کرنا، دوسروں کو کمتر سمجھنا اور ایسی عادت کا بھی خاتمہ کر دے جو دوسروں کی عیب جوئی کا باعث بنے، کیونکہ ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کو دور کرنے سے ہوتا ہے۔

۴۔ پُر تکلف کلام کرنا

منہ کھول کر بے تکلف مسجّع و مرصّع اور فصاحت سے بھرپور کلام کرنا اور اس میں مبالغہ آرائی و تصنع کے لئے مقدمات اور تمہیدات شامل کرنا جیسا کہ عام خود ساختہ فصاحت کے دعویدار اور خطابت کے مدعی لوگوں کی عادت ہے۔ یہ تمام باتیں مذموم تصنع سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ ایسا تکلف ہے جو غضب کو دعوت دیتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور ہونے والے وہ لوگ ہیں جو بہت بولنے والے، لوگوں سے زبان درازی کرنے والے اور تکبر کرنے والے ہیں۔''(۲)

---

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۳۹، رقم: ۷۶۵۱

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب البر و الصلة، باب ماجاء فی معالي الأخلاق، ۳: ۵۴۵، رقم: ۲۰۱۸

حضرت عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے سنا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سَيَكُوْنُ قَوْمٌ يَأْكُلُوْنَ أَلْسِنَتَهُمْ كَمَا يَأْكُلُ الْبَقَرُ مِنَ الْأَرْضِ۔[1]

''عنقریب ایک ایسی قوم آئے گی جو اپنے کلام کو ایسے چبائے گی جس طرح گائے زمین سے گھاس کو چباتی ہے۔''

۵۔ بدکلامی اور گالی گلوچ

اس سے مراد ایسی بات ظاہر کرنا ہے جس کے بیان سے انسان شرم و ندامت محسوس کرتا ہے۔ بدکلامی اور گالی گلوچ کی بنیاد باطنی اور ظاہری کمینگی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ یہودی آئے، انہوں نے کہا:

اَلسَّامُ عَلَيْكَ يا أَبَا الْقَاسِمِ!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَ عَلَيْكُمْ

اورتم پر بھی۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بلکہ تم پر سام اور ذام (موت اور ذلت) ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يا عائِشَةُ ! لَا تَكُوْنِي فَاحِشَةً۔

''اے عائشہ! بدزبان مت بنو۔''

---

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۴: ۲۵۴، رقم: ۴۹۷۶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ ﷺ نے نہیں سنا، انہوں نے کیا کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے ان کے قول کو ان کی طرف واپس نہیں کیا؟ میں نے کہا: ’’وَعلیکم۔‘‘(۱)

ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اَلْجَنَّةُ حَرَامٌ عَلَى كُلِّ فَاحِشٍ أَنْ يَّدْخُلَهَا. (۲)

’’ہر فحش کلام کرنے والے پر جنت کا داخلہ حرام ہے۔‘‘

حضرت ابراہیم بن میسرہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ’’قیامت کے دن فحش کلام اور بیہودہ بکنے والے کو کتے کی صورت میں یا کتے کے پیٹ میں لایا جائے گا۔‘‘(۳)

فحش کلامی کا سبب مخاطب کو ایذا پہنچانا ہوتا ہے۔ یہ بدکلامی اور گالی گلوچ فاسق لوگوں کی عادت بن جاتی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیئے۔

۶۔ لعنت بھیجنا

حیوانات جمادات اور انسان سمیت کسی پر بھی لعنت بھیجنا قابلِ مذمت ہے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيْسَ بِاللَّعَّانِ. (۴)

’’مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔‘‘

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب السلام، باب النهى عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام، ۴: ۱۷۰۶۔ ۱۷۰۷، رقم: ۲۱۶۵

(۲) ديلمى، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۱۸۶، رقم: ۲۴۲۸

(۳) غزالى، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۲۲

(۴) أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۱۶، رقم: ۳۹۴۸

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام پر لعنت بھیجی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا أَبَا بَكْرٍ! اللَّعَّانُوْنَ وَ الصِّدِّيْقُوْنَ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا۔ (۱)

’’اے ابو بکر! کیا صدیق اور لعنت کرنے والے بھی، رب کعبہ کی قسم (ایسا) ہرگز نہیں (ہوسکتا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمات دو، تین مرتبہ دہرائے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُسی دن اپنا غلام آزاد کر دیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا’’ لا أعود‘‘ میں دوبارہ یہ کلمات نہیں کہوں گا۔‘‘

لعنت کا معنی اللہ تعالیٰ سے دوری ہے اور یہ صرف اس پر بھیجنی جائز ہے جس پر لعنت بھیجنا شریعت نے جائز قرار دیا ہو جیسے فرعون پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، ابو جہل پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کیونکہ ان لوگوں کا بحالتِ کفر مرنا شرعی طور پر ثابت ہے لیکن ہمارے زمانے میں کسی معین شخص پر لعنت بھیجنا مثلاً یہ کہ فلاں پر لعنت ہو کیونکہ وہ کافر ہے یا بدعتی ہے جائز نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ موت سے قبل اسلام قبول کر لے اور اسے اللہ کا قرب حاصل ہو جائے، لہٰذا اس کے ملعون ہونے کا فیصلہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟

۷۔ لغو شعر گوئی

شعر کا مقصد تعریف، مذمت اور عورتوں کا ذکر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس میں جھوٹ اور مبالغہ داخل ہوجاتا ہے اس لئے بعض بزرگ اشعار کہنا ناپسند فرماتے ہیں لیکن اگر کلام اچھا ہو تو اشعار کو ترنم سے پڑھنا جائز ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام تلاوت زبور کے وقت خوش آوازی کا مظاہرہ کرتے حتی کہ انسان، جن، جنگلی جانور اور پرندے آپ علیہ السلام

(۱) بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۸۸۔ ۸۹، رقم: ۳۱۹

کی آواز سننے کے لئے جمع ہو جاتے اور آپ کی مجلس سے مختلف اوقات میں چار سو جنازے اٹھائے جاتے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً۔ (۱)

''بے شک بعض حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔''

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اهْجُهُمْ. أَوْهَاجِهِمْ . وَجِبرِيْلُ مَعَكَ ۔ (۲)

''ان (کافروں) کی ہجو کرو اور جبرائیل بھی تمہارے ساتھ ہیں۔''

مذکورہ بالا احادیث کی رو سے معلوم ہوا کہ نعت گوئی پڑھنا، برائی اور فحاشی سے پاک کلام پڑھنا باعثِ اجر وثواب اور خیر و برکت ہے۔ لیکن اگر کلام بُرا ہو تو شعر گوئی اور گانا دونوں مذموم ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا۔ (۳)

---

(۱) ابن ماجة، السنن، كتاب الأدب، باب الشعر، ۴: ۲۴۳، رقم: ۳۷۵۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، كتاب بَدء الخلق، باب ذِكر الملائِكَةِ، ۳: ۱۱۷۶، رقم: ۳۰۴۱

۲۔ مسلم، الصحیح، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت، ۴: ۱۹۳۳، رقم: ۲۴۸۶

(۳) بخاری، الصحیح، كتاب الأدب، باب مایكره أن یكون الغالب علی الإنسان الشعر، ۵: ۲۲۷۹، رقم: ۵۸۰۲

’’کسی آدمی کے پیٹ کا پیپ سے بھر جانا جو اسے خراب کرتی ہے اس سے بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھرا ہوا ہو۔‘‘

شعر پڑھنا اور کہنا فی نفسہٖ حرام نہیں ہے بشرطیکہ کلام قرآن و سنت کے منافی نہ ہو۔

۸۔ کثرتِ طنز و مزاح

مزاح اپنی اصل کے اعتبار سے مذموم ہے، البتہ تھوڑا سا ہو تو مستثنٰی ہے، مزاح کو وطیرہ بنا لینے میں خرابی ہے اور کثرتِ مزاح سے زیادہ ہنسی پیدا ہوتی ہے اور زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے جس سے دل میں بغض پیدا ہو جاتا ہے نیز اس کی وجہ سے ہیبت اور وقار ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی الله عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، وَ اللهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا۔ (۱)

’’اے امتِ محمدیہ! اگر تم جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو ضرور تم بہت زیادہ روتے اور ضرور تم بہت کم ہنستے۔‘‘

گویا جس مزاح اور طنز گوئی سے خرابیاں پیدا نہ ہوں، وہ قابل مذمت نہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ!

إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا؟

’’آپ ﷺ ہم سے مزاح فرماتے ہیں؟‘‘

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان و النذور، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ، ۶: ۲۴۴۵، رقم: ۶۲۵۶

آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا۔ (۱)

’’بے شک میں حق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔‘‘

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھی عورت حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی، وہ رونے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اس دن بوڑھی نہ ہوگی۔‘‘(۲)

حضور نبی اکرم ﷺ کا عورتوں اور بچوں کے ساتھ اس طرح خوش طبعی فرمانا کثرت سے منقول ہے۔ آپ ﷺ مذاق نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کے کمزور دلوں کے علاج کے لئے ایسا کرتے تھے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا آپ ﷺ کے پاس روٹی اور کھجوریں رکھی ہوئی تھیں آپ ﷺ نے فرمایا: ’’آؤ اور کھاؤ میں نے کھجور کھانا شروع کی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تأكُلُ تَمْرًا وَبِكَ رَمَدٌ

’’تم کھجوریں کھاتے ہو حالانکہ تمہاری آنکھیں دکھتی آ رہی ہیں۔‘‘

میں نے عرض کیا:

إِنِّی أَمْضُغُ مِنْ نَاحِيَةٍ أُخْرَى، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ۔ (۳)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۰، رقم: ۸۷۰۸

۲۔ بیهقی، شعب الإيمان، ۴: ۳۱۶، رقم: ۵۲۳۸

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۲۹

(۳) ۱۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الطب، باب الحمیَۃِ، ۴:۹۸، رقم: ۳۴۴۳

۲۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۴۵۱، قم: ۵۷۰۳

’’(یا رسول اللہ!) میں اس طرف سے نہیں کھاتا جس طرف سے آنکھ دکھتی آرہی ہے حضور نبی اکرم ﷺ تبسم فرمانے لگے۔‘‘

لہٰذا اس قسم کی خوش مزاجی اور مزاح کبھی کبھار جائز ہے، ہمیشہ نہ ہو ورنہ مذموم کی حد کو پہنچ جائے گی اور ہنسی کا باعث ہونے کی وجہ سے دل کو مردہ کردے گی۔

۹۔ تمسخر (مذاق اڑانا)

تمسخر کا مطلب دوسرے آدمی کی توہین کرنا، اسے حقیر جاننا اور اس کے عیوب و نقائص کو اس طرح ظاہر کرنا کہ اس کا مذاق اڑایا جائے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن خوفزدہ ہونگے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ○[1]

’’اور (ہر ایک کے سامنے) اعمال نامہ رکھ دیا جائے گا سو آپ مجرموں کو دیکھیں گے (وہ) ان (گناہوں اور جرموں) سے خوفزدہ ہوں گے جو اس (اعمال نامہ) میں درج ہوں گے اور کہیں گے: ہائے ہلاکت! اس اعمال نامہ کو کیا ہوا ہے اس نے نہ کوئی چھوٹی (بات) چھوڑی ہے اور نہ کوئی بڑی (بات)، مگر اس نے (ہر ہر بات کو) شمار کر لیا ہے اور وہ جو کچھ کرتے رہے تھے (اپنے سامنے) حاضر پائیں گے، اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ فرمائے گا○‘‘

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’مذاق اڑانے والے کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے

(۱) الکہف، ۱۸: ۴۹

گا آؤ، آؤ! وہ غم اور تکلیف کی حالت میں آئے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا آؤ، آؤ! وہ غم اور تکلیف کے ساتھ آئے گا، جب وہاں پہنچے گا تو اس پر وہ دروازہ بھی بند کر دیا جائے گا، مسلسل اسی طرح ہوتا رہے گا حتی کہ اس کے لئے دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا آؤ، آؤ پس وہ مایوسی کی وجہ سے نہیں آئے گا۔‘‘(۱)

اس حدیثِ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں کسی کا مذاق اڑائے گا تو قیامت کے دن اس کا بھی مذاق اڑایا جائے گا۔ کیونکہ مذاق میں کسی کو اذیت پہنچانا، کسی کو حقیر جاننا اور توہین آمیز سلوک کا نشانہ بنانا مقصود ہوتا ہے اور یہ حرام ہے اور بعض اوقات اس کے بے ترتیب کلام بے تکے عمل پر ہنسا جاتا ہے جیسے کسی کے خط اور کاریگری پر ہنسنا اور چھوٹے قد پر ہنسنا یا اس میں کوئی دوسرا عیب ہو تو اس کی تضحیک اور تخلیق کا مذاق اڑانا، ان تمام باتوں پر ہنسنا استہزاء میں داخل ہے اور اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

۱۰۔ راز افشا کرنا

راز افشا کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے ایذا پہنچائی جاتی ہے اور دوست احباب کے حق کو معمولی سمجھا جاتا ہے۔ ابن اَبی الدنیا علیہ الرحمۃ روایت کرتے ہیں کہ ابن شہاب علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

اَلْحَدِيْثُ بَيْنَكُمْ أَمَانَةٌ (۲)

’’گفتگو تمہارے درمیان امانت ہے۔‘‘

امام غزالی علیہ الرحمۃ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اپنے بھائی کا راز بیان کرنا خیانت ہے۔(۳)

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۵: ۳۱۰۔۳۱۱، رقم: ۶۷۵۷

(۲) عجلونی، کشف الخفاء، ۱: ۹۰، رقم: ۲۲۱

(۳) غزالی، إحیاء علوم الدّین، ۳: ۱۳۲

ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ سے ایک راز کی بات کہی، انہوں نے اپنے والد سے کہا ابا جان! امیر المومنین نے مجھ سے ایک راز کی بات کہی اور میں نہیں سمجھتا کہ جو بات انہوں نے آپ کے غیر سے کہی ہے وہ آپ سے پوشیدہ رکھوں، انہوں نے فرمایا: مجھے نہ بتانا کیونکہ جو آدمی راز کو چھپائے رکھتا ہے اسے اختیار ہوتا ہے، لیکن جب ظاہر کر دے تو وہ اس کے اختیار سے نکل جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے کہا ابا جان! یہ معاملہ باپ بیٹے کے درمیان ہوتا ہے انہوں نے کہا: اے بیٹے! اللہ کی قسم اس طرح نہیں، میں چاہتا ہوں کہ تم راز فاش کرکے اپنی زبان کو نہ پھسلاؤ وہ فرماتے ہیں ''میں'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو تمام بات بتائی انہوں نے فرمایا: اے ولید! تجھے تیرے باپ نے غلطی کی غلامی سے آزاد کر دیا۔(۱)

اس سے پتا چلا کہ راز افشا کرنا خیانت ہے اور جب اس کے ذریعے نقصان بھی پہنچایا جائے تو وہ حرام ہے اور اگر نقصان نہ پہنچے تو کمینگی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی راز افشا نہیں کرنا چاہئے۔

۱۱۔ وعدہ خلافی

زبان وعدہ کی طرف پیش قدمی کرتی ہے لیکن نفس اسے پورا نہیں ہونے دیتا، یہ وعدہ خلافی منافقت کی علامات میں سے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔(۲)

''اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو۔''

ایک اور مقام پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۳۲

(۲) المائدہ، ۵: ۱

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ۔[1]

''بیشک وہ وعدہ کے سچے تھے۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

اَلْعِدَةُ عَطِيَّةٌ۔[2]

''وعدہ پورا کرنا عطیہ دینا ہے۔''

حضرت عبد اللہ بن ابو الحمساء رضی اللہ تعالی عنہا فرماتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی چیز خریدی اور اس کی کچھ قیمت میری طرف باقی رہ گئی تھی میں نے وعدہ کیا کہ اسی جگہ لاکر دیتا ہوں۔ میں بھول گیا اور تین دن کے بعد یاد آیا، میں وہاں گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی جگہ موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے جوان! تم نے مجھے تکلیف دی ہے میں تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''[3]

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب کوئی آدمی اپنے بھائی سے وعدہ کرتا ہے اور اس کی نیت وعدہ پورا کرنے کی ہو اور پورا نہ کر سکے یعنی مقررہ میعاد پر نہ آ سکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔''[4]

---

(۱) مریم، ۱۹: ۵۴

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۲: ۴۴۷، رقم: ۱۷۷۳

۲۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۸۱، رقم: ۴۲۲۷

(۳) أبو داؤد، السنن، كتاب الأدب، باب في العدة، ۴: ۳۲۷، رقم: ۴۹۹۶

(۴) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في العدة، ۴: ۳۲۷، رقم: ۴۹۹۵

۱۲۔ کذب بیانی

جھوٹ بولنا نہایت قبیح قسم کے گناہوں میں شمار ہوتا ہے کیونکہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور جھوٹ ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ جبکہ سچ میں نجات ہے اور سچائی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سچ کو لازم پکڑو بے شک سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور جو آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور اس کا قصد کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔

وَ إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلى الْفُجُورِ، وَ إِنَّ الفُجُورَ يَهْدِي إِلى النَّارِ۔(۱)

''جھوٹ سے اجتناب کرو بے شک جھوٹ گناہ کا راستہ دکھاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔''

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بات نہیں کرے گا پہلا وہ شخص جو ہر نیکی کا احسان جتلاتا ہے۔ دوسرا وہ جو جھوٹی قسم کھا کر سامان فروخت کرتا ہے اور تیسرا وہ جو اپنے کپڑوں کو تکبرانہ انداز میں ٹخنوں کے نیچے لٹکاتا ہے۔''(۲)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب البر و الصلة، باب ماجاء فی الصدق والکذب، ۴: ۳۴۷، رقم: ۱۹۷۱

۲۔ طبرانی، معجم الأوسط، ۸: ۲۴۵، رقم: ۸۵۴۰

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار و المن بالعطیة، ۱: ۱۰۲، رقم: ۱۰۶

پڑھ لیتے تو چہرہ انور ہماری طرف کر کے فرماتے: ’’تم میں سے آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اگر دیکھا ہو تو بیان کرے پس جو اللہ تعالیٰ چاہتا وہ کہہ دیتے۔ ایک روز آپ ﷺ نے ہم سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے، ہم عرض گزار ہوئے، نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن آج رات میں نے دیکھا دو آدمی میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ارضِ مقدس کی طرف لے گئے۔ وہاں ایک آدمی بیٹھا اور ایک کھڑا تھا۔ (کھڑے ہوئے آدمی کے) ہاتھ میں لوہے کا ایک ٹکڑا ہے، وہ بیٹھے ہوئے شخص کے جبڑے میں داخل کرتا اور گدّی تک پہنچ جاتا...... اسی طرح دوسری طرف کرتا ہے اور پہلا جڑ جاتا ہے...... پھر دوبارہ اسی طرح کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ تم نے مجھے ساری رات پھرایا ہے لہٰذا مجھے بتاؤ جو میں نے دیکھا ہے تو ان دونوں (فرشتوں نے) کہا اچھا جس کو آپ ﷺ نے دیکھا اس کے جبڑے چیرے جا رہے ہیں، وہ بہت بڑا جھوٹا ہے جھوٹی باتیں بتاتا ہے اور لوگ انہیں لے کر دنیا بھر میں اڑاتے ہیں اس کے ساتھ قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔‘‘(۱)

امام غزالی علیہ الرحمۃ ’’إحیاء علوم الدین‘‘ میں نقل کرتے ہیں: حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا ’’اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ۔ وہ چڑیا کے گوشت کی طرح لذیذ ہوتا ہے مگر آدمی اس تھوڑے سے گوشت کو بھی بھون لیتا ہے۔‘‘

حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمۃ نے کسی معاملے میں ولید بن عبد الملک سے گفتگو کی تو اس نے کہا آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: اللہ کی قسم! جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ انسان میں عیب پیدا کر دیتا ہے تب سے میں نے جھوٹ نہیں بولا۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی أوْلاد المشرکین، ۱: ۴۶۵، رقم: ۱۳۲۰
۲۔ أحمد بن حنبل، ۵: ۱۴، رقم: ۲۰۴۲۷

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۳: ۱۳۶۔ ۱۳۷

۱۳۔ غیبت

کسی مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں ایسی برائی یا عیب بیان کرنا جو اسے ناپسند ہو خواہ وہ اس کے بدنی یا نسبی عیب کا ذکر ہو یا اخلاق اور عمل کے اعتبار سے کوتاہی کا بیان ہو، اس کی دینوی خرابی کا ذکر ہو یا اخروی برائی کا حتی کہ اس کے کپڑے، مکان اور جانور کے حوالے سے نقص بیان کرنا سب غیبت میں شامل ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا! اللہ اور اس کا رسول ﷺ خوب جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ۔

’’تم اپنے بھائی کے اس عیب کا ذکر کرو جس کا ذکر اس کو ناپسند ہو۔‘‘

عرض کیا گیا: اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے کہ اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جس کا ذکر میں کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

إن كانَ فيهِ مَا تَقُولُ، فَقَدِ اغْتَبْتَهُ. وإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ، فَقَدْ بَهَتَّهُ۔ (۱)

’’اگر تم نے وہ عیب بیان کیا جو اس میں ہے تبھی تو تم نے اس کی غیبت کی ہے اور اگر وہ عیب بیان کیا ہے جو اس میں نہیں تو تم نے اس پر بہتان لگایا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآنِ حکیم میں واضح طور پر اس کی مذمت بیان فرمائی اور غیبت کرنے والے کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے والے کی طرح قرار دیا ہے۔ ارشادِ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البروالصلة، باب تحريم الغيبة، ۴: ۲۰۰۱، رقم: ۲۵۸۹

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ابواب البروالصلة، باب ماجاءَ في الغيبة، ۳: ۴۹۰، رقم: ۱۹۳۴

باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ اَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔ (۱)

''اور (کسی کے غیبوں اور رازوں کی) جستجو نہ کیا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے، سوتم اس سے نفرت کرتے ہو۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہی حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب مجھے معراج کروائی گئی تو میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ وہ اُن کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچتے تھے۔ میں نے کہا: اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا یہ ایسے آدمی ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی بے عزتی کرتے ہیں۔''(۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم پر اللہ تعالیٰ کا ذکر لازم ہے بے شک اس میں شفاء ہے لوگوں کے ذکر سے بچو کہ یہ بیماری ہے۔''

غیبت کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ نادم ہو، توبہ کرے اور اپنے فعل پر افسوس کا اظہار کرے پھر اس سے معافی مانگے جس کی غیبت کی ہے تاکہ زیادتی سے بری الذمہ ہو جائے اور جب معافی مانگے تو غمگین اور افسردہ ہو

حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''جب تم اپنے بھائی کا گوشت کھاؤ (غیبت کرو) تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کی تعریف کرو اور اس کے لئے بھلائی کی دعا مانگو۔''

کسی نے حضرت عطا بن ابی رباح علیہ الرحمۃ سے پوچھا غیبت سے توبہ کیسے

(۱) الحجرات، ۴۹: ۱۲

(۲) أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی الغیبة، ۴: ۲۶۹، رقم: ۴۸۷۸

ہوسکتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ''اس شخص کے پاس جاؤ جس کی غیبت کی ہے اور اس سے کہو میں نے جو کچھ کہا وہ جھوٹ ہے، میں نے تجھ پر زیادتی کی اور گناہ کیا ہے اگر چاہو تو اپنا حق لے لو اور چاہو تو معاف کر دو یہ زیادہ صحیح بات ہے۔''(۱)

۱۴۔ چغل خوری

پوشیدہ بات کو ظاہر کرنا اور اس بات سے پردہ اٹھانا جس کو ظاہر کرنا ناپسندیدہ اور چغل خوری ہے قرآنِ حکیم ایسے شخص کی مذمت میں فرماتا ہے:

عُتُلٍّ م بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ○ (۲)

''(جو) بدمزاج دُرشت خو ہے، مزید برآں بداَصل (بھی) ہے۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوے سنا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ۔ (۳)

''چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

امام غزالی علیہ الرحمۃ نقل کرتے ہیں کہ حضرت حماد بن سلمہ فرماتے ہیں: ''ایک شخص نے غلام بیچا اور خریدار سے کہا: اس میں چغل خوری کے علاوہ کوئی عیب نہیں۔ اس نے کہا مجھے منظور ہے۔ چنانچہ اس نے خرید لیا۔ غلام چند دن تو خاموش رہا پھر اپنے مالک کی بیوی سے کہنے لگا: آقا تجھے پسند نہیں کرتا اور وہ دوسری عورت لانا چاہتا ہے، جب تمہارا

---

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۵۳

(۲) القلم، ۶۸: ۱۳

(۳) مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم النميمة، ۱: ۱۰۱، رقم: ۱۰۵

خاوند سو رہا ہو تو استرے کے ساتھ اس کی گدی کے چند بال مونڈ لینا، تاکہ میں کوئی منتر کروں اور وہ تم سے محبت کرنے لگے، پھر اس نے مالک سے کہا تمہاری بیوی نے کسی کو دوست بنا رکھا ہے اور وہ تجھے قتل کرنا چاہتی ہے، تم بناوٹی طور پر سو جانا تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے، جب مالک سوگیا تو اس کی بیوی استرا لے کر آئی۔ اس نے سوچا کہ وہ اسے قتل کر رہی ہے وہ اٹھا اور اس نے بیوی کو قتل کر دیا، اس کی بیوی کے گھر والے آئے تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس طرح دونوں قبیلوں کے درمیان لڑائی جاری ہوگئی۔ (۱)

۱۵۔ دو رُخی

جو شخص ایسے دو آدمیوں کے پاس جائے جو ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور وہ ان میں سے ہر ایک کی بات دوسرے تک پہنچائے، ان کی ایک دوسرے سے دشمنی کو اچھا قرار دے، دونوں سے مدد کا وعدہ کرے، ان میں سے ہر ایک کے سامنے اس کی تعریف کرے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کی برائی بیان کرے ایسا شخص دوغلہ یا دو باتوں والا کہلاتا ہے۔ ابوداوٗد علیہ الرحمۃ (۲۰۲۔ ۲۷۵ھ) ''کتاب الأدب'' کے ذیل میں باب ''في ذي الوجهين'' میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ لَهُ وَجْهَانِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ۔ (۲)

''جو دنیا میں دومنہ رکھے یعنی دوغلہ ہو تو قیامت کے روز اس کی آگ کی دو زبانیں ہونگی۔''

---

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۵۸

(۲) أبو داؤد، السنن، كتاب الأدب، باب في ذي الوجهين، ۴: ۲۹۰، رقم: ۴۸۷۳

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۲۲۴، رقم: ۲۵۴۵۴

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ القِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ۔(۱)

’’قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین آدمی وہ ہے جس کے دو منہ ہوں (یعنی ایک کے ساتھ اور بات، دوسرے کے ساتھ اور بات کرنے والا ہو)۔‘‘

لہٰذا زبان کی اس آفت سے بچنے کے لئے خاموشی اختیار کی جائے۔

۱۶۔ خوشامد

امام غزالی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ تعریف کرنے میں چھ آفات ہیں۔ چار آفات کا تعلق تعریف کرنے والے سے ہے اور دو کا اس سے جس کی تعریف کی گئی، جہاں تک تعریف کرنے والے کا تعلق ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ وہ حد سے بڑھ کر تعریف کرے یہاں تک کہ جھوٹ تک پہنچ جائے۔ دوسری آفت یہ ہے کہ وہ تعریف کرتے ہوئے محبت کا اظہار کرتا ہے لیکن جو کچھ وہ کہتا ہے اس کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ گویا اس طرح وہ ریا کار منافق ہوتا ہے۔ تیسری آفت یہ ہے کہ تحقیق کے بغیر گفتگو کرتا ہے اور اسے اس پر اطلاع نہیں ہوتی لیکن جب وہ کہے میں نے رات کے وقت اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ میں نے اسے صدقہ کرتے اور حج کرتے دیکھا ہے، تو یہ یقینی امور ہیں وہ اوصاف جو مخفی ہیں مثلاً وہ عادل ہے راضی رہنے والا ہے تو جب تک اس کے باطن کا علم نہ ہو قطعی طور پر کچھ نہ کہے۔ چوتھی آفت یہ ہے کہ وہ ممدوح کو خوش کرتا ہے حالانکہ وہ ظالم یا فاسق ہے اور یہ بات جائز نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب البر و الصلة، باب مَا جَاء في ذي الْوجُهَيْنِ، ۳: ۵۴۹، ۵۵۰، رقم: ۲۰۲۵

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۵۹

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضَبَ الرَبُّ وَ اهْتَزَّلَهُ الْعَرْشُ۔[۱]

''جب فاسق کی تعریف کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اس کے غضب سے عرش ہلتا ہے۔''

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جو شخص ظالم کے لئے لمبی زندگی کی دعا مانگتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کی نافرمانی کو پسند کرتا ہے۔''

لہٰذا ظالم اور فاسق کی مذمت کرنی چاہیئے تاکہ اسے افسوس ہو نہ کہ تعریف کہ وہ خوش ہو۔[۲]

دوسری بات یہ ہے کہ جب وہ اس کی بجا طور پر تعریف کرتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور اپنے نفس پر راضی ہوتا ہے اور اس وجہ سے اس کی کوشش میں کمی آجاتی ہے۔ زیادہ محنت اس بات کی کرتا ہے جس کی اپنے اندر کمی دیکھتا ہے لیکن جب زبان پر تعریفی کلمات ہوں تو وہ سمجھتا ہے کہ میں کامل ہو چکا ہوں۔

۱۷۔ کثرتِ سوال

انسان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کے احکام پر عمل کرے، لیکن یہ بات اس کے دل پر گراں گزرتی ہے اور فضول باتیں اسے آسان معلوم ہوتی ہیں۔ عام طور پر وہ علمی مسائل پر بحث میں خوشی محسوس کرتا ہے، کیونکہ شیطان اس کے دل میں خیال ڈالتا ہے کہ تم بھی ایک عالم ہو اور فضیلت کے مالک ہو۔ وہ ہمیشہ اس بات کو اس کے دل میں پختہ کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ علم کے سلسلے میں کفریہ بات کہہ ڈالتا ہے۔ اسے علم نہیں ہوتا کہ

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۴: ۲۳۰، رقم: ۴۸۸۶

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۳: ۱۶۰

وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کررہا ہے، خصوصاً جب وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں بحث اور بے جا سوالات کرتا ہے۔ لہٰذا جو باتیں عبادات سے متعلق نہیں ہیں، ان کے بارے میں پوچھنا بے ادبی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَنْ يَبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَاءَ لُوْنَ حَتَّى يَقُوْلُوْا: هٰذَا اللهُ خَالِقُ كُلِّ شَيءٍ، فَمَنْ خَلَقَ اللهَ۔ (۱)

''لوگ برابر پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ کہیں گے اللہ نے تو سب چیزوں کو پیدا کیا ہے مگر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟''

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السّلام کے واقعہ میں اس بات سے آ گاہی حاصل ہوتی ہے کہ سوال اسی وقت کرنا چاہئے جب اس کا وقت ہو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا۝ (۲)

''(خضر علیہ السلام نے) کہا: پس اگر آپ میرے ساتھ رہیں تو مجھ سے کسی چیز کی بابت سوال نہ کریں یہاں تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر کردوں۝''

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کشتی توڑنے سے متعلق سوال کیا تو حضرت

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصّحیح، کتاب الإعتصام بالکتاب و السنّة، باب ما یکْرَهُ مِنْ کَثْرَةِ السُّؤال، ۶: ۲۶۶۰، رقم: ۶۸۶۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان الوسوسه فی الإیمان، ۱: ۱۱۹، رقم: ۱۳۴

(۲) الکہف، ۱۸: ۷۰

خضر علیہ السلام نے اعتراض کیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا○[۱]

''موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: آپ میری بھول پر میری گرفت نہ کریں اور میرے (اس) معاملہ میں مجھے زیادہ مشکل میں نہ ڈالیں○''

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہوسکا حتی کہ آپ علیہ السلام نے تیسری بار سوال کیا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے جدائی اختیار کر لی۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا○[۲]

''(خضر علیہ السلام نے) کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی (کا وقت) ہے، اب میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت سے آگاہ کئے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے○''

قرآنِ حکیم کے احکام پر عمل کی بجائے اس کے محض حروف کی بناوٹ میں الجھ جانا ایسے ہی ہے جیسے کوئی بادشاہ ایک آدمی کو خط لکھے اور وہ اس کے مندرجات پر عمل کرنے کی بجائے اس بات پر وقت ضائع کردے کہ اس خط کا کاغذ پرانا ہے یا نیا۔ ایسا آدمی یقیناً سزا کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح عام آدمی جب قرآنی حروف کے قدیم اور حادث ہونے یا اللہ تعالیٰ کی صفات کو زیرِ بحث لانے میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔

جو شخص ان تمام باتوں پر غور کرے جو ہم نے زبان کی آفات کے سلسلے میں ذکر

---

(۱) الکہف، ۱۸: ۷۳

(۲) الکہف، ۱۸: ۷۸

کی ہیں تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اگر وہ زبان کو کھلی چھٹی دے گا تو وہ اس کی آفاتِ سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ کیونکہ یہ تمام آفات ہلاک اور تباہ کرنے والی ہیں اور اگر وہ ان کے بارے میں خاموشی اختیار کرے تو وہ ان تمام آفات و بلیّات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ البتہ جب زبان فصیح اور علم زیادہ ہو تو انسان تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ زبان کی حفاظت کرسکتا ہے۔ ورنہ ان سب باتوں کے باوجود وہ خطرات سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے زبان کی آفات سے محفوظ رہنے کی توفیق مانگتے رہنا چاہئے۔

باب یازدہم

خلوت اور کم آمیزی

وادی سلوک و طریقت میں قدم رکھنے والے کے لئے خلوت اور گوشہ نشینی کی اہمیت محتاج بیاں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ صمدیت میں قرب حاصل کرنے کے لئے خلوت و کم آمیزی گاہے گاہے ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اس کی ضرورت و اہمیت بیان کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہوگا کہ خلوت سے کیا مراد ہے؟

خلوت کا معنی و مفہوم

خَلْوَۃٌ عربی زبان کا لفظ ہے جو خَلَا سے مشتق ہے۔ لغت کی رو سے اس کے متعدد معانی ہیں جیسے گوشہ نشین ہونا، تنہا ہونا، کسی کو تنہائی میں ملنا، خود کو کسی کام میں لگا دینا کسی جگہ کو لازم پکڑنا، دل کی تسلی حاصل کرنا، مطمئن ہونا، غم سے جدا ہونا، منفرد ہونا اور تخلیہ میں جانا وغیرہ۔ (۱)

خلوت سے مراد نفس کی اصلاح و درستگی کے لئے دل کو مخلوق سے اس طرح جدا کر لینا ہے کہ خلوت اور جلوت میں بہر حال صرف خالق کی یاد ہی غالب رہے۔

خلوت نشینی کی ضرورت و اہمیت

عصر حاضر میں ایمان کی حفاظت کے لیے کم آمیزی اور خلوت لازمی و لابدی ہے کیونکہ آج کے مسلم معاشرے میں ایمانی حقائق اور روحانی اقدار کی جگہ مادہ پرستی نے

---

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱: ۶۸

۲۔ ابن فارس زکریا، معجم مقاییس اللّغۃ: ۳۰۷

۳۔ بطرس البستاني، محیط المحیط: ۲۴۶

لے لی ہے۔اس دورِ زوال میں عامۃ المسلمین بالعموم اور نوجوان نسل بالخصوص ذہنی اور فکری طور پر مادہ پرستی کے چنگل میں گرفتار ہو کر دین اسلام سے دور ہیں اور اسلامی تعلیمات پر ان کا اعتماد متزلزل ہوتا جا رہا ہے۔ مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار نے تمام معاشرتی قدروں اور فکر کے زاویوں کو ایک خطرناک اور جدید رخ پر ڈال دیا ہے۔نتیجتاً شریعت کی گرفت کمزور پڑ گئی ہے، ہم محض نام کے مسلمان رہ گئے ہیں اور ہمارا اسلامی تشخص بقول اقبال:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

کا آئینہ دار ہے۔

اسلامی ممالک میں شراب نوشی اور رقص و سرود کی محفلیں معمول کی بات بن گئی ہیں۔جنسی بے راہروی اور اخلاقی بحران نے نوجوان نسل کو الا ماشاء اللہ اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، کیبل اور انٹرنیٹ کے ذریعے فحاشی و عریانی کا سیلاب گھروں کے بیٹوں اور بیٹیوں کی حیاء اور عفت و پاکیزگی کو خس و خاشاک کی طرح بہائے لے جا رہا ہے۔نوجوان نسل بلاامتیاز جنس اس بدترین اخلاقی سیلاب میں بہہ رہی ہے۔ خیر اور نیکی کے سوتے خشک ہوتے جا رہے ہیں، مساجد ویران ہیں۔ دینی اجتماعات سے بے رغبتی بڑھ رہی ہے، علماء و صوفیاء کرام کی مجالس سونی ہوتی جا رہی ہیں اور بزرگوں کے مزارات سے لاتعلقی و بیگانگی ہمارا شیوہ بنتی جا رہی ہے۔ نیک لوگوں کی صحبتیں دنیاداری کی ہوس کی وجہ سے اجڑ گئی ہیں، گویا وہ مراکز جو دین اور خیر خواہی کی دعوت دیتے اور برائی سے روکتے تھے اب اپنی جاذبیت اور کشش کھو بیٹھے ہیں، مساجد اگرچہ ایک سے بڑھ کر ایک حسن و رعنائی اور ذوق و جمال کا مرقع ہیں لیکن اکثر گزرنے والے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈال کر گزر جاتے ہیں اور انہیں اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اپنی جبیں نیاز خم کر کے بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہوں اور ذکر و فکر سے شغف حاصل کریں اور اگر کسی کو توفیق ملتی ہے تو

یہ اس کا کمال نہیں بلکہ

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔(۱)

’’یہ (انقلابی کردار) اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔‘‘

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ انفرادی و اجتماعی سطح پر اصلاحِ امت پر توجہ مرکوز کی جائے۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو وہ معاشرہ جو ہم جیسے افراد سے ہی تو مل کر بنتا ہے کیسے صالح ہو گا؟ لہٰذا یہ ازبس ضروری ہے کہ اسلام کو اس طریقہ سے پڑھا، سمجھا اور پیش کیا جائے کہ مسلمان نوجوانوں کے عقائد کی بنیادیں متزلزل ہونے کی بجائے مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جائیں۔

قرآنِ حکیم جا بجا انسان کو تعقل و تدبر، سوجھ بوجھ اور عقل وفہم سے کام لینے کی دعوت دیتا ہے کسی جگہ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ(۲) کہہ کر اور کسی جگہ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ(۳) کہہ کر اشیاء کی تخلیق و ماہیت کے بارے میں علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ تاہم اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ کائنات میں غور وفکر اور تفکر خلوت اور کم آمیزی سے ہی ممکن ہے۔ خلقت کے اعتبار سے ہر انسان اپنے نفس کا بصیر ہے اور اس کے اندر فجور اور تقویٰ کا شعور بیدار کر کے اچھائی، برائی، نیکی و بدی اور خیر وشر کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت ودیعت کی گئی ہے لیکن یہ شعور نفسِ امارہ کے ہاتھوں پسپائی کی راہ اختیار کر چکا ہے۔ حرص و ہوا، لالچ، مفاد پرستی، غرور وتکبر، خودغرضی و خود پسندی، بغض، حسد و کینہ اور عداوت، عیاری و مکاری، دجل و فریب وغیرہ یہ سب اس نفس کی آفات ہیں جن سے انسان کو ہمہ وقت اللہ کی پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔ نفس کبھی عالم کو علم کے گھمنڈ میں مبتلا کر دیتا ہے تو کبھی عبادت گزار میں کثرت مجاہدہ کا تکبر پیدا کر دیتا ہے،

(۱) المائدۃ، ۵:۵۴

(۲) النساء، ۴: ۸۲

(۳) آل عمران، ۳: ۱۹۱

کبھی کسی سخی کو سخاوت کے زعم اور کبھی کسی مجاہد کو خود پسندی کے فریب میں پھنسا کر اس کی عاقبت برباد کر دیتا ہے۔ ہر انسان پر اس کا حملہ اس کے حسبِ حال ہوتا ہے، نیکو کار اس کے چنگل میں گرفتار ہو جائے تو یہ آن واحد میں اس کا خرمنِ اعمال خاکستر کر کے رکھ دیتا ہے اور اس کی مدتوں کی کمائی آناً فاناً لٹ کر رہ جاتی ہے۔ نفس کی ہلاکت خیزیوں کا یہ عالم ہے کہ انسان کبھی زندگی بھر اس کی غارت گری پر مطلع نہیں ہو پاتا اور جب اچانک پردہ اٹھتا ہے کہ میں کس قدر فریبِ نفس میں مبتلا رہا اور یہ ظالم نفس کس طرح مجھے اپنے دام میں شکار کئے ہوئے تھا تو سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ واقعی اگر اسے اصلاح کئے بغیر اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ بدی کے لئے زبردست داعیہ اور کشش کا سامان بندے کے دل میں پیدا کر دیتا ہے۔ نفس کی اس حالت پر قابو محنت، مجاہدہ اور مشقت کے ذریعے ہی پایا جا سکتا ہے۔ نفسِ امارہ کو نفس ملھمہ اور پھر نفس لوامہ میں بدلنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس کے بعد نفس مطمئنہ اور نفس راضیہ و مرضیہ کی منزل آتی ہے جس تک رسائی بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہ مقامات و درجات اہل اللہ اور اولیائے کرام اور صوفیائے کرام کے ہیں۔ نفس کی شر انگیزیوں اور جنونی جذبات پر قابو پانا عام دنیا دار کے لئے کوئی آسان کام نہیں۔

ایک عام مسلمان بھی اگر برائی اور بری صحبت سے بچنا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا مجاہدہ کے ساتھ خلوت اور کم آمیزی کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی راہِ تصوف میں عبادت و ریاضت، اصلاحِ باطن، صفائے قلب، محاسبۂ نفس، تزکیہ نفس، روح کی تربیت، مولا سے ٹوٹا ہوا تعلق جوڑنے، اس کے حضور توبہ و اِستغفار اور مناجات کرنے کیلئے اور خالق حقیقی کی رضا جوئی کیلئے خلوت میں یکسوئی سے چند لمحات گزارنا لازمی اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔

خلوت نشینی اور طریقِ انبیاء علیھم السلام

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی وہ عبادت و ریاضت بے حد مقبول ہے جو وہ خلوت

میں رہ کر کرتا ہے۔ قرب و وصالِ حق کے جو لمحات خلوت میں نصیب ہوتے ہیں وہ جلوت میں میسر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت انبیاء کرام علیہم السّلام فرائضِ نبوت کی تکمیل کے ساتھ خلوت نشینی بھی اختیار کرتے رہے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں بعض انبیاء کرام علیہم السّلام کی خلوت نشینی کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خلوت نشینی

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر اپنی ہمکلامی سے نوازنے سے قبل چالیس راتیں یکسوئی سے اپنی عبادت اور ذکر و فکر میں منہمک رہنے کا حکم فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً۔[1]

’’اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا اور ہم نے اسے (مزید) دس (راتیں) ملا کر پورا کیا، سو ان کے رب کی (مقرر کردہ) میعاد چالیس راتوں میں پوری ہوگئی۔‘‘

منشائے خداوندی کی تعمیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی اصلاح اور رشد و ہدایت کیلئے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر کرنے کے بعد خلوت نشینی اختیار فرمائی۔ چالیس راتوں کی خلوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی خصوصی نوازشات اور عنایات سے فیض یاب فرمایا۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلوت نشینی

اللہ رب العزت نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی عبادت میں

(۱) الاعراف، ۷: ۱۴۲

یکسوئی کا ذکر یوں کیا ہے:

وَاَعْتَزِلُکُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰٓی اَلَّآ اَکُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا○(۱)

’’اور میں تم (سب) سے اور ان (بتوں) سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو کنارہ کش ہوتا ہوں اور اپنے رب کی عبادت میں (یکسو ہوکر) مصروف ہوتا ہوں، امید ہے میں اپنے رب کی عبادت کے باعث محرومِ (کرم) نہ رہوں گا○‘‘

اس عبادتِ الٰہیہ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلوت گزینی اختیار کرنا پڑی۔

۳۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوت نشینی

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذکرِ الٰہی میں یکسو ہونے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا ○(۲)

’’اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں اور (اپنے قلب و باطن میں) ہر ایک سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہیں۔‘‘

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ○ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ○(۳)

’’پس جب آپ (تعلیمِ امت، تبلیغ و جہاد اور ادائیگی فرائض سے) فارغ ہوں

(۱) مریم، ۱۹: ۴۸

(۲) المزّمل، ۷۳: ۸

(۳) الم نشرح، ۹۴: ۷، ۸

تو (ذکر و عبادت میں) محنت فرمایا کریں۔ اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جایا کریں۔‘‘

ان آیات کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اور آپ کے واسطے سے جمیع امت کو کچھ خاص وقت کے لئے دنیا و مافیہا سے کٹ کر اللہ کو یاد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ذکر و فکر الٰہی کی یہ صورت خلوت نشینی کے بغیر ممکن نہیں۔ انسان کو دن میں چند ساعتوں کے لئے یا مہینے میں چند دنوں کے لئے وقت نکال کر خلوت نشین ہونے سے ہی قرب و وصال الٰہی کی دولت سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ کو نزول وحی سے قبل خلوت مرغوب تھی اور آپ ﷺ غارِ حرا میں کئی کئی دن خلوت نشینی اختیار فرماتے۔ بچپن سے ہی حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعت میں اس کا رجحان تھا لیکن جب زمانہ بعثت قریب آیا تو اس ذوق و شوق میں شدید اضافہ ہوگیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

’’حضور نبی اکرم ﷺ پر وحی کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی۔ آپ ﷺ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا، پھر آپ ﷺ خلوت پسند ہو گئے اور غارِ حرا میں جانا شروع کر دیا، وہاں کئی کئی راتیں ٹھہر کر عبادت کرتے، قبل اس کے کہ اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹتے تو اس کے لئے زادِ راہ ساتھ رکھتے، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹتے تو وہ اسی طرح کھانے پینے کا بندوبست کر دیا کرتیں یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس حق آ گیا۔‘‘(۱)

اس حدیثِ مبارکہ سے خلوت نشینی کے سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ خلوت اور رہبانیت میں فرق یہ ہے کہ رہبانیت ترکِ دنیا ہے۔ اس میں دائمی اور جمیع فرائض و امورِ دنیا سے کنارہ کشی کرنا پڑتی ہے جبکہ خلوت نہ دائمی ہے اور نہ جمیع

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول اللہ ﷺ، ۱: ۴، رقم: ۳

امورِ دنیا کے ترک کرنے بلکہ ہجوم دنیا کے اندر رہتے ہوئے کبھی کبھی تنہائی پیدا کر لینے کا نام ہے۔ اعتکاف اسی خلوت نشینی کی ایک صورت ہے جسے سنتِ مصطفیٰ ﷺ کے تحت اس امت میں روا رکھا گیا ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ خلوت اختیار کرنے کی ترغیب انبیاء علیہم السلام کو دی گئی ہے جو ہر گناہ سے پاک اور معصوم ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ ایک عام مسلمان جو برائی سے بچنا چاہتا ہے وہ خلوت نشینی اختیار کیے بغیر نفس کی برائیوں سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے؟ کیونکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ نفس ہمہ وقت برائی پر اکساتا رہتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ۔(۱)

''بیشک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے۔''

نیکی کے کام سے انحراف نفس امّارہ کا شیوہ اور اس کی فطرت میں شامل ہے۔ چنانچہ کاروبارِ حیات کی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے انسان بالعموم غفلتوں کا شکار رہتا ہے۔ نتیجۃً انسان کا شعورِ بندگی بیدار نہیں رہتا اور وہ مسلسل بغاوت و سرکشی پر مائل رہتا ہے۔ اسی شعورِ بندگی کو بیدار کرنے کے لئے اسلام نے اپنے ہر ماننے والے کو اس امر کی تعلیم دی ہے کہ معمولاتِ زندگی میں سے کچھ وقت نکال کر تھوڑی دیر کے لئے گوشہ تنہائی میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور اپنے آپ کو ایک مجرم کی حیثیت سے اپنے آقا و مولا کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے اصلاحِ احوال کا متمنی ہو تا کہ ذکرِ الٰہی، ریاضت و مجاہدہ اور تصفیۂ باطن کے ذریعے اپنی خلوت و جلوت میں محبوبِ حقیقی کے قرب سے بہرہ ور ہو سکے۔

اللہ رب العزت کا اپنے محبوب کریم ﷺ کے تصدق سے امتِ محمدی ﷺ پر خصوصی لطف و احسان ہے کہ وصالِ حق کی وہ منزل جو پہلی امتوں کو زندگی بھر کی مشقتوں

(۱) یوسف، ۱۲: ۵۳

اور ریاضتوں کے نتیجے میں بھی حاصل نہیں ہوسکی وہ امتِ مسلمہ کو محدود مدت کی خلوت نشینی میں میسر آ سکتی ہے۔

اِعتکاف کی حقیقت ......خلوت نشینی

اعتکاف کی حقیقت خلوت نشینی ہے اس لئے انسان اعتکاف میں اس امر کا اعتراف کرے کہ میرا نفس فتنہ و فساد، بغاوت اور سرکشی کی آماجگاہ اور شر کا پیکر ہے تو کیوں نہ میں کچھ عرصہ کے لئے گوشہ نشین ہو جاؤں تاکہ مخلوقِ خدا کچھ عرصہ کے لئے میرے نفس کی فتنہ سامانیوں اور ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رہ سکے۔ اگر انسان چند روز کے لئے اللہ کے ساتھ اپنے تعلق بندگی کی تجدید اور اپنے خالق و مالک کے ذکر سے اپنے دل کی دنیا آباد کر لے، تو مخلوق سے کٹ کر اپنے خالق سے لو لگانے کے یہ چند ایام سال بھر کی عبادت اور محنت و مشقت پر بھاری قرار پائیں گے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ۔ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے معتکف کے بارے میں فرمایا:

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف في العشر الأواخر، ۲: ۷۱۳، رقم: ۱۹۲۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإعتکاف، باب اعتکاف العشر الأواخر من رمضان، ۲: ۸۳۰، رقم: ۱۱۷۲

هُوَ يَعْكِفُ الذُّنُوْبَ وَ يُجْرَى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلَ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا۔(١)

''وہ گناہوں سے رک جاتا ہے اور اس کے لئے ایسی نیکیاں لکھی جاتی ہیں جو تمام نیکیوں پر عمل کرنے والے کے لئے لکھی جاتی ہیں۔''

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہے کہ اعتکاف جو خلوت نشینی کا اعلیٰ ترین درجہ ہے انسان کو گناہوں سے روک کر اس کے اندر تقویٰ و طہارت کا نور بھر دیتا ہے۔

خلوت نشینی کی غرض و غایت

خلوت نشینی سے مقصد یہ ہے کہ انسان خود کو مخلوق سے قلباً جدا کر لے اور جب خلوت سے باہر آئے تو نفس سے خود کو جدا کر چکا ہو۔ گویا خلوت نشینی کا مقصد بری صفات سے رہائی پانا، علوم دین دلوں میں پختہ و مستحکم کرنا، ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور کثرتِ ذکر و مناجات کرنا ہے تاکہ زندگی عمدہ عادات و صفات سے بہرہ ور ہو اور معرفتِ الٰہی کا نور حاصل ہو جائے۔ خلوت کے لئے اپنے وطن سے دوری مقصود نہیں بلکہ ایمان کی حفاظت اور دورِ حاضر کے فتنوں سے محفوظ رہنا مقصود ہے اور مطلوب یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ میل جول کے لئے اعتدال کی راہ اس طرح اختیار کی جائے کہ ظاہر مخلوق کے ساتھ رہے اور باطن مخلوق سے جدا ہو کر فقط اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہو جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں کچھ لوگوں نے علیحدہ ہو کر خاموشی اختیار کی اور وہ خیال کرتے تھے کہ اس سے عبادت میں خوب مدد ملے گی۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا گزران (خلوت نشینوں) کے پاس سے ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب تک نہ دیا۔

(١) ابن ماجة، السنن، كتاب الصيام، باب في ثواب الاعتكاف، ١: ٣٧٦، رقم: ١٧٨١

راوی بتاتے ہیں جب ہم آگے بڑھے تو آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

هلك المتعمقون ۔(۱)

''تعمق (کسی چیز کی تہہ تک پہنچنا) کرنے والے ہلاک ہوگئے۔''

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ گوشہ نشینی میں اس حد تک غلو کرنا کہ کسی کے سلام کا جواب بھی نہ دیا جائے، درست نہیں۔ گوشہ نشینی کا اصل مقصد دنیا سے بے رغبتی، برے خصائل سے کنارہ کشی، تزکیہ نفس، آخرت کی تیاری، احوال کی درستی، قربِ الٰہی کا حصول، عبادت اور ذکر و فکر میں مشغولیت ہے۔ جو لوگ اپنے دل میں دنیا کی خرافات بسائے رکھیں اور اپنے من کی میل کچیل کو صاف کرنے کا سامان نہ کریں، انہیں گوشہ نشینی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

امام قشیری علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں: ''ایک مرتبہ ایک شخص میرے استاذ ابو علی دقاق علیہ الرحمۃ کے پاس آیا اور کہا: میں بہت دور سے آیا ہوں، اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: ''تصوف کا دارومدار مسافت طے کرنے پر نہیں اور نہ تکلیف برداشت کرنے پر ہے بلکہ تصوف یہ ہے کہ تو اپنے نفس سے صرف ایک قدم کی مسافت پر الگ ہو جا، تمہیں تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ جو لباس لوگ پہنتے ہیں تو بھی پہن، جو کچھ وہ کھاتے ہیں تو بھی کھا، مگر اپنے باطن کے اعتبار سے ان سے الگ رہ۔''(۲)

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''کچھ لوگوں نے خلوت نشینی کا مقصود سمجھے بغیر بیوی بچوں اور گھر بار کو چھوڑ کر چلہ کشی کے معاملہ میں غلط روش کو اپنا لیا ہے۔ گویا شیطان نے ان کے نفس پر غرور کا دروازہ کھول دیا ہے۔ ان لوگوں نے شاید کہیں سے یہ سن لیا ہے کہ مشائخ عظام اور صوفیاء کرام علیہم الرحمۃ سے خلوت نشینی

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۴۳۶، رقم: ۱۵۸۲۰

(۲) قشیری، رسالة قشرية، ۱۷۳

کے موقع پر خلافِ عادت عجیب وغریب واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔پس اسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے وہ خلوت گزیں ہوتے ہیں۔لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ جولوگ فرائض کے مقابلہ میں نوافل کو ترجیح دیتے ہیں وہ دھوکہ میں ہیں چنانچہ بندے کے لئے افضل ترین بات یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو پہچانے اور جن حدود و احکام کا اللہ تعالیٰ نے اسے پابند بنا دیا ہے ان سے تجاوز نہ کرے اور فرائض سے عہدہ براء ہوئے بغیر نوافل میں نہ پڑے کیونکہ جس طرح ایک تاجر کو اصل زر حاصل ہو جانے کے بعد ہی منافع ملتا ہے اسی طرح حقیقی اجر و ثواب بھی اصل احکام و فرائض ادا کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے لہٰذا فرائض کا ترک اور نوافل کی پابندی روحانی بیماری اور تمام تر گمراہی و ضلالت کا باعث ہے۔حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں: یہ درست ہے کہ صوفیاء کرام نے خلوت نشینی اور عزلت گزینی کو محض اپنے باطنی احوال کی حفاظت، اصلاح، نفس کی جستجو اور صرف اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لانے کیلئے اختیار کیا تھا۔ اس کے برعکس جو لوگ ادائیگی فرائض کے مقابلہ میں نوافل کو ترجیح دیتے ہیں وہ دھوکہ میں ہیں۔ حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ شیخ ابو عمرو الانماطی علیہ الرحمۃ سے روایت نقل کرتے ہیں: ''ایک عقلمند کے لئے اپنے انجام کا سمجھنا اس وقت تک آسان نہیں جب تک وہ ان امور پر مضبوطی سے قائم نہ ہو جو ابتدائے حال میں اس پر واجب ہیں اور ان باطنی مقامات و مراحل کی اصلاح نہ کرلے جن کی معرفت ضروری ہے اور جن کے ذریعے اسے معلوم ہو سکے کہ ترقی کی منزل طے کر رہا ہے یا تنزل کی۔'' شیخ ابو تمیم مغربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جو شخص خلوت کو جلوت پر ترجیح دے، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا نفس ذکرِ الٰہی کے علاوہ تمام افکار اور ظاہری اسباب سے خالی ہو جائے، وہ رب کی مراد کے سوا تمام مرادوں کو ترک کر دے۔ اگر اس کی خلوت نشینی ان اوصاف سے متصف نہیں ہے تو اس کی خلوت اسے کسی بلا میں مبتلا کردے گی یا کسی فتنے میں ڈال دے گی۔''(۱)

(۱) شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف: ۳۶۲

مذکورہ بحث کا ما حاصل ہے کہ نفس کو علائقِ دنیا اور مخلوق کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے خلوت اور کم آمیزی کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

خلوت نشینی کے فوائد

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو معصیت کی ذلت سے نکال کر اطاعت گزاری سے سرفراز کرنا چاہتا ہے تو اسے تنہائی سے مانوس کر دیتا ہے، قناعت کی دولت دے کر اسے دولتِ دنیا سے مستغنیٰ بنا دیتا ہے اور اسے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔ جسے یہ چیزیں نصیب ہو جائیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی مل جاتی ہے۔

خلوت نشینی سے دنیوی و اخروی دونوں فوائد حاصل ہوتے ہیں۔خلوت نشینی کا ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ انسان ہر ایسی برائی سے بچ جاتا ہے جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔ اس کے ذریعے دین میں غور وفکر، روح میں طہارت اور عبادت میں استقامت نصیب ہوتی ہے۔ تنہائی میں خیالات کے یکسو ہونے سے باطن کی صفائی، روشن ضمیری، صفائے قلبی، ذکرِ الٰہی کی حلاوت اور پر خلوص عبادت کا ظہور ہوتا ہے نیز ریاکاری، غیبت، بغض و عناد، حسد، جھوٹ، گالی، بداخلاقی اور برے اعمال وغیرہ سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ غفلت دور اور بیداری پیدا ہوتی ہے نیز اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت سے مراقبہ بالغیب نصیب ہوتا ہے۔ ذیل میں ان فوائد میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ عبادت اور غور وفکر کے مواقع

خلوت کا سب سے بڑا فائدہ عبادت میں حلاوت، ذکر وفکر میں یکسوئی، معاملہ دین و دنیا اور ملکوت میں اسرارِ الٰہی کا منکشف ہونا ہے کیونکہ ان امور میں مشغولیت فراغت کا تقاضا کرتی ہے اور اختلاط کی صورت میں فراغت میسر نہیں ہوتی۔ پس خلوت گزینی ہی ان امور میں غور وخوض کا وسیلہ ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے ”جو لوگ کتاب اللہ سے تمسک کرتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دنیا میں راحت پاتے ہیں، ذکرِ الٰہی کیلئے زندہ

رہتے ہیں اور بلا شبہ آخر کار ذکر کرتے کرتے اللہ تعالیٰ سے جا ملتے ہیں۔"[۱]

امام غزالی علیہ الرحمۃ ایک گوشہ نشین کے بارے روایت نقل کرتے ہیں: "حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ سے کہا گیا اے ابو سعید! یہاں ایک آدمی ہے، ہم نے اسے ہمیشہ ستون کے پیچھے تنہا بیٹھے ہوئے دیکھا۔حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جب تم اسے دیکھو تو مجھے بتانا۔ایک دن انہوں نے اسے دیکھا تو حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ سے عرض کیا کہ ہم نے آپ کو اس شخص کے بارے میں بتایا تھا یہ سن کر حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ اس کے پاس تشریف لے گئے اور کہا اے بندے! تم لوگوں کے پاس کیوں نہیں بیٹھتے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا: میں نعمت اور گناہ کے درمیان صبح اور شام گزارتا ہوں ،تاکہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کے شکر اور گناہوں سے استغفار میں مشغول رکھ سکوں۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اے بندۂ خدا! تو میرے نزدیک حسن بصری علیہ الرحمۃ سے بھی زیادہ سمجھدار ہے، اس عمل پر قائم رہنا۔"[۲]

بعض دانا حضرات نے کہا ہے کہ انسان اپنے نفس سے اس لیے وحشت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ میں کوئی فضیلت نہیں دیکھتا، اس وقت وہ لوگوں سے بہت زیادہ ملاقات کرتا ہے اور ان کی دوستی کی وجہ سے اپنے آپ سے وحشت کو دور کرتا ہے لیکن جب اس کی ذات میں کوئی فضیلت آ جاتی ہے تو وہ تنہائی کا طالب ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعے غور وفکر میں مدد حاصل کرے اور علم وحکمت کے موتی نکالے۔ اس صورت میں یہ بہت بڑا فائدہ ہے لیکن یہ بعض ایسے خاص لوگوں کیلئے ہے جنہیں دوام ذکر سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس حاصل ہوجائے یا زیادہ غور وفکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو جائے۔ کیونکہ عبادات کی غایت اور معاملات کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا محبّ اور اس کا عارف ہو کر دنیا سے رخصت ہو اور محبت تب ہی حاصل ہوتی ہے جب انس ملے اور انس دائمی ذکر سے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا معرفتِ خداوندی کیلئے دائمی فکر کی ضرورت ہے اور ان

---

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۲: ۲۲۶

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۲: ۲۲۷

دونوں کے لئے دل کا فارغ ہونا ضروری ہے کیونکہ جب تک لوگوں میں میل جول رہے گا فراغت قلبی حاصل نہیں ہوسکتی۔

۲۔ گناہوں سے اجتناب

تنہائی کی وجہ سے آدمی ان گناہوں سے محفوظ رہتا ہے جو عام طور پر میل جول کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں۔ یہ تین گناہ ہیں:

۱۔ غیبت

۲۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے اعراض

۳۔ ریا کاری

۱۔ غیبت ایک بہت بڑی لعنت ہے۔ جو نہ صرف اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کا موجب ہے بلکہ انسانی اخلاق کے لیے زہر قاتل بھی ثابت ہوتی ہے۔ بندگان خدا ہمہ وقت اس زُہد شکن گناہ کی ہلاکت خیزی سے بچنے کے لیے صحبت بد سے گریزاں اور قربت صالح کے تمنائی رہتے ہیں۔ گویا کہ خلوت اس لعنت سے بھی حفاظت کا سامان فراہم کرتی ہے۔

۲۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر دین کے اصول میں سے ہے اور یہ واجب ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنّ النّاسِ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ۔(۱)

---

(۱) أبوداؤد، السنن، كتاب الملاحم، باب الأمر و النهي، ۴: ۱۰۷، رقم: ۴۳۳۸

''لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اسکے ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں جکڑ لے۔''

ایسا شخص اگر معاشرے کی برائیوں پر خاموش رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، اگر اعتراض کرتا ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کا مستحق ٹھہرتا اور بے شمار مسائل کا شکار ہوجاتا ہے، پھر ان تکالیف سے چھٹکارا پانے کے لئے بعض اوقات انسان سے ایسے افعال سرزد ہوجاتے ہیں جن کا شمار گناہ اور معصیت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ گوشۂ نشینی سے ہی ان حالات کی پیش بندی ممکن ہے۔ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ میل ملاپ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو ترک کرنے یا پھر بے شمار تکالیف میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتا ہے خلوت نشینی میں اس سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

امر بالمعروف کا کام ایک ٹیڑھی دیوار کی طرح ہے جسے آدمی سیدھا کرنا چاہتا ہے لیکن قریب ہے کہ وہ اسی پر گر پڑے اور وہ حسرت و یاس کا شکار ہو جائے۔ لہٰذا تنہائی اختیار کرنا اس وقت درست ہے جب امر بالمعروف کی حدود کو پہنچنا مشکل ہو

۳۔ ریا کاری ایک لا علاج بیماری ہے جس سے بچنا اولیاء علیہم الرحمۃ و صالحین کے لئے بھی بہت مشکل ہے۔ مل جل کر رہنے سے کم ازکم جو بات پیدا ہوتی ہے وہ شوق کا اظہار اور اس میں مبالغہ آرائی ہے نیز دوسروں کے حالات پوچھتے ہوئے شفقت کا اظہار کرنا حالانکہ دل میں ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی یہ محض منافقت ہے اور ریا کاری ہے۔ حضرت ابن سیرین علیہ الرحمۃ نے ایک شخص سے پوچھا:

''تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: اس آدمی کا کیا حال ہوگا جس نے پانچ سو درہم قرض دینا ہو اور وہ عیالدار بھی ہو۔ حضرت ابن سیرین علیہ الرحمۃ تشریف لے گئے اور ایک ہزار درہم لا کر اسے دیئے اور فرمایا: پانچ سو سے قرض ادا کردینا اور پانچ سو سے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا اور اس وقت ان کے

پاس صرف یہی ایک ہزار درہم تھے پھر فرمایا: آئندہ میں کسی سے حال نہیں پوچھوں گا۔‘‘(۱)

انہوں نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اگر پوچھنے کے بعد حاجت کو پورا نہ کیا جائے تو یہ ریاکاری اور منافقت ہوگی۔ مقصد یہ ہے کہ عام طور پر جب ملاقات ہوتی ہے تو بناوٹ، ریاکاری اور منافقت کی عام اقسام سے خالی نہیں ہوتی یہ تمام باتیں مذموم ہیں بعض حرام ہیں اور کچھ مکروہ جب کہ تنہائی میں ان سب سے خلاصی ہوجاتی ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ لوگوں سے میل جول پر خلوت نشینی کو ترجیح دینا اس شخص کے لیے ضروری ہے ان گناہوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔

۳۔ فتنوں اور جھگڑوں سے حفاظت

گوشہ نشین فتنوں اور جھگڑوں سے نہ صرف خود محفوظ رہتا ہے بلکہ دین کو بھی محفوظ رکھ سکتا ہے۔ بہت کم بستیاں تعصّبات، فتنوں اور جھگڑوں سے خالی ہوتی ہیں، جبکہ خلوت نشین ان امور سے محفوظ رہتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کسی دیندار کا دین محفوظ نہیں ہوگا۔ البتہ وہ شخص جو اپنے دین کے ساتھ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر اور ایک سوراخ سے دوسرے سوراخ میں جائے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایسا کب ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس وقت معیشت کا حصول اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے بغیر نہیں ہوگا۔انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کس طرح ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب ایسا زمانہ آئے گا تو آدمی کی ہلاکت اس کے والدین کے ہاتھوں ہوگی، اگر اس کے ماں باپ نہیں ہوں گے تو بیوی کے

(۱) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۲: ۵۳۰

ہاتھوں تباہی ہو گی، اگر یہ بھی نہیں ہوں گے تو رشتہ داروں یا پڑوسیوں کے ہاتھوں ہو گی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیسے ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ اسے تنگدستی کا طعنہ دیں گے تو وہ طاقت سے بڑھ کر عمل کرے گا حتی کہ اس طرح وہ ہلاکت والے مقامات میں چلا جائے گا۔''(۱)

لہٰذا تنہائی کے فوائد میں سے ایک بہت بڑا فائدہ فتنوں اور تنازعوں سے رہائی پانا ہے۔

۴۔ لوگوں کے شر سے حفاظت

ایک فائدہ یہ ہے کہ خلوت نشین لوگوں کے شر سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ بعض اوقات لوگ غیبت کے ذریعے ایذا پہنچاتے ہیں، کبھی بدگمانی اور تہمت کے ذریعے اور کبھی اس قسم کے مطالبات اور سوالات کرتے ہیں جسے پورا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ چغلی کھانے اور جھوٹ بولنے والوں سے اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ ان حالات میں خلوت اختیار کرنے میں ہی نجات و عافیت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''گوشہ نشینی میں برے ساتھیوں سے نجات مل جاتی ہے۔''(۲)

امام غزالی علیہ الرحمۃ ''إحیاء علوم الدین'' میں اس حوالے سے صوفیاء کرام کے درج ذیل چند اقوال نقل فرماتے ہیں:

۱۔ حضرت ابن سماک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''ہمارے ایک دوست نے ہمیں خط لکھا جس میں حمد وصلوۃ کے بعد لکھا کہ (کسی زمانے میں) لوگ دوا تھے جن کے ذریعے علاج کیا جاتا تھا۔ اب وہ ایسی بیماری بن گئے ہیں جس کی کوئی دوا نہیں

(۱) منذری، التّرغیب التّرھیب، ۳: ۴۴۴، رقم: ۱۲

(۲) أحمد بن حنبل، الزھد، ۱: ۴۸، رقم: ۸۵ بحوالہ إحیاء علوم الدین، ۲: ۲۳۴

۔لہٰذا ان سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔‘‘

۲۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ’’میں نے حج کا ارادہ کیا تو حضرت ثابت بنانی علیہ الرحمۃ کو اس بات کا علم ہوگیا۔ انہوں نے فرمایا: مجھے معلوم ہوا کہ آپ حج کے لئے جانا چاہتے ہیں۔میں بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔حضرت حسن علیہ الرحمۃ نے فرمایا: چھوڑیئے ہمارے ساتھ نہ جائیں ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی میں رہتے ہیں۔ جب اکٹھے ہونگے تو ایک دوسرے سے ایسے کام دیکھیں گے جو بغض وفساد کا باعث ہونگے۔‘‘

۳۔ حضرت سفیان بن عیینہ علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں ’’حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ نے اپنی زندگی میں حالت بیداری میں اور وفات کے بعد خواب میں مجھ سے فرمایا: لوگوں سے جان پہچان نہ رکھو۔ کیونکہ ان سے بچنا مشکل ہے اور میرے خیال میں مجھے جو بھی برائی پہنچی ہے وہ جان پہچان والوں سے پہنچی ہے۔‘‘

۴۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور لوگوں سے بچو۔ کیونکہ وہ اونٹ کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہیں تو اسے زخمی کردیتے ہیں اور کسی مومن کے دل میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کرکے رکھ دیتے ہیں۔‘‘

۵ ایک بزرگ نے فرمایا: ’’لوگوں سے جان پہچان کم رکھو، اس سے تمہارا دین اور دل نہایت محفوظ ہوں گے اور حقوق ہلکے پھلکے رہیں گے ۔ جب جاننے والے زیادہ ہوں تو حقوق زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے۔‘‘

ایک اور بزرگ نے فرمایا: ’’جس کو جانتے ہو اس سے اجنبی بن اور جس کو نہیں جانتے اس سے تعارف پیدا نہ کر۔‘‘(۱)

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ خلوت نشینی لوگوں کے شر سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۱) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۲: ۲۳۴

۵۔ لالچ اور طمع کا خاتمہ

دنیا کی زیب و زیبائش اور زینت سے انسان کی حرص بڑھتی ہے جس کے حصول میں وہ عام طور پر نامراد ہوتا ہے اور یوں اسے تکلیف پہنچتی ہے۔ لیکن گوشہ نشین دنیا کی زینت کو نہیں دیکھتا۔ اس کی طرف دیکھنے سے بھی خواہش پیدا نہیں ہوتی اور جب خواہش نہیں ہوگی تو طمع بھی نہیں ہو گی۔ اسی کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔(۱)

’’اور آپ دنیوی زندگی میں زیب و آرائش کی ان چیزوں کی طرف حیرت و تعجب کی نگاہ نہ فرمائیں جو ہم نے (کافر دنیاداروں کے) بعض طبقات کو (عارضی) لطف اندوزی کے لئے دے رکھی ہیں۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ(۲)

’’جب تم میں سے کوئی شخص اُس شخص کی طرف دیکھے جس کو اِس پر مال اور شکل وصورت میں فضیلت حاصل ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے سے کم درجہ والے کی طرف دیکھے جس پر اس کو فضیلت حاصل ہو۔‘‘

حضرت عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’میں ابتدا میں مالدار لوگوں کے پاس بیٹھتا تھا تو ہمیشہ غم زدہ رہتا، ان کے کپڑوں کو اپنے کپڑوں سے اچھا اور ان کی سواری کو

---

(۱) طه، ۲۰: ۱۳۱

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الزهد و الرقائق، ۴: ۲۲۷۵، رقم: ۲۹۶۳

اپنی سواری سے اچھا دیکھتا۔ پھر میں نے فقراء کے پاس بیٹھنا شروع کیا تو اب میں آرام اور سکون میں ہوں۔''(۱)

روایات میں منقول ہے کہ ''حضرت مزنی علیہ الرحمۃ فسطاط کی جامع مسجد سے نکلے تو آگے سے ابن عبدالحکم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آ رہا تھا۔ انہوں نے اس کا اچھا حال دیکھا تو یہ آیت کریمہ پڑھی:

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُوْنَ۔ (۲)

''اور ہم نے تم کو ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے، کیا تم (آزمائش پر) صبر کرو گے؟''

پھر انہوں نے فرمایا ہاں کیوں نہیں میں صبر کرتا ہوں اور راضی ہوں۔ (۳)

اس سے پتا چلا کہ ان تمام فتنوں سے بچنے کا واحد ذریعہ کم آمیزی اور لوگوں کے ساتھ میل جول میں اعتدال کی روش اختیار کرنا ہے۔

خلوت نشینی کے روحانی فیوض و برکات

خیالات کے یکسو ہونے سے خلوت نشین کا باطن صاف ہو جاتا ہے۔اس صفائے قلب و باطن سے روشن ضمیری پیدا ہوتی ہے، ذکرِ الٰہی میں حلاوت اور عبادات میں اخلاص کا ظہور ہوتا ہے۔ کبھی کبھار اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں سے خلافِ عادات کشف و کرامات کا بھی صدور ہوتا ہے اور مستقبل کے بارے میں ان پر بعض باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور بعض نہیں ہوتیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو کشف عطا ہو جاتا ہے اور اس خصوصیت

---

(۱) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۲: ۲۳۵

(۲) الفرقان، ۲۵: ۲۰

(۳) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۲: ۲۳۵

کی بدولت ان کے ایمان میں مزید پختگی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خلوصِ دل سے مزید ریاضات، زہد وتقویٰ اور افعالِ حسنہ میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ خلوت نشینی کے دوران بعض حضرات کا باطن یقینِ کامل کی بدولت بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ اس وقت ان کی ایسی حالت ہوجاتی ہے جیسے ایک بزرگ کا قول ہے کہ ''میرے قلب نے اپنے پروردگار کا مشاہدہ کیا۔'' گویا صفائے باطن سے وہ مشاہدہ حق کرتے ہیں۔ بعض لوگ مجاہدہ، ریاضت و مشقت کی بدولت مثلاً نماز، روزہ، نوافل، تلاوتِ قرآن اور مقررہ وقت پر اذکار و اوراد کے فیضان سے اس مقام تک پہنچتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ صرف ایک ذکر ہی کی بدولت ان کو مشاہدۂ حق حاصل ہو جاتا ہے اور بعض کو پنجگانہ نماز اور سننِ مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد باقی اوقات میں ذکر میں ہی مشغول رہنے کے باوجود مشاہدہ حق نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کی عطا ہے جسے چاہے نواز دے اور جسے چاہے محروم رکھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس مخلص اور عبادت گزار بندے پر کمالِ انس ومحبت اور ذکر کی حلاوت سے خود فراموشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس وقت حقائق کی تجلیات خواب کی طرح تخیل کے لباس اور پیرائے میں نظر آتی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ اس نے سانپ کو مار ڈالا ہے۔ اس خواب کی تعبیر یہ ہوگی کہ خواب دیکھنے والا اپنے دشمن پر غالب آجائے گا اور کشف کے ذریعے حق تعالیٰ نے اس کو ایک مخفی حقیقت سے آگاہ کر دیا۔

کبھی کبھار یوں بھی ہوتا ہے کہ خلوت نشیں کے تصور سے ایک ایسا خیال ابھرتا ہے جس کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی۔ نہ وہ اس لائق ہوتا ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔ کیونکہ وہ فقط خیال ہے کوئی واقعہ نہیں ہے اور کبھی اس پر حقائق بغیر تمثیل کے ہی منکشف ہو جاتے ہیں۔ ایسے احوال کو کشف وخبرِ الٰہی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کا حصول کبھی مشاہدہ کی بنا پر ہوتا ہے اور کبھی محض سماعت سے، کبھی اس خبر کو کوئی اپنے باطن سے سنتا ہے اور کبھی ہوا کی حرکت سے محسوس کر لیتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں کبھی وہ اپنے بارے میں آگاہ ہوجاتا ہے اور کبھی کسی دوسرے شخص کے سلسلہ میں آگاہ کر دیا جاتا ہے،

اس کے علاوہ کشف کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ خواب میں بعینہ کسی چیز کی حقیقت کا مشاہدہ ہو جاتا ہے کثرتِ ریاضت و مجاہدہ نفس کو کمزور کر دیتا ہے۔ کثرتِ رقت و گریہ زاری نفس کی تمام آلائشوں کو دھو دیتی ہے اور رفتہ رفتہ انسان خصائلِ نفس سے رہائی حاصل کر لیتا ہے۔ جب انسان اپنی خصائلِ نفسانی سے جدا ہوجاتا ہے تو اسے اپنے محبوب و مطلوب کی جلوت نصیب ہوجاتی ہے اور وہ اپنے من کی مراد پالیتا ہے۔[1]

کثرتِ اِختلاط اور صوفیاء کرام علیھم الرحمۃ کے اقوال

اختلاط (میل جول) کے حوالے سے سلفِ صالحین رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ وہ مصلحت شریعہ کے بغیر لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتے تھے۔ اگر کسی دن انہیں کوئی شخص نہ ملتا تو اسے عید کا دن تصور کرتے تھے اور ان کے نزدیک لوگوں سے بکثرت میل جول رکھنے والا زمرۂ اسلاف سے خارج ہو جاتا ہے اور اسے اس طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

۱۔ امام شعرانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ’’میں جب کبھی بھی اس زمانہ کے مشائخ میں سے کسی کی ملاقات کو گیا ہوں تو بہت کم ایسا ہوا ہے کہ وہ مجلس غیبت سے خالی رہی، لہٰذا میں نے اپنے اور دین کے خوف سے ان سے ملاقات کم کر دی۔ پس اس زمانے میں اگر کوئی شخص کسی کی ملاقات کو جائے تو اسے چاہئے کہ اپنے نفس کی پوری پوری حفاظت کرے اور اس پر ہرگز سستی نہ کرے۔

۲۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ’’عزلت کا مزہ چکھا کرو۔‘‘

۳۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ’’جو شخص چاہتا ہے کہ لوگ اس کے عیوب سے کم واقف ہوں، وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔ جو شخص لوگوں سے بکثرت ملے گا اس کا دین ضائع ہو جائے گا اور اسے خبر تک نہ ہو گی۔‘‘

---

(۱) شہاب الدین، سہروردی، عوارف المعارف، ۱: ۳۶۳-۳۶۷

۴۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ ''میں چاہتا ہوں کہ اپنے گھر کا دروازہ بند کر دوں اور مرتے دم تک کسی کو نہ ملنے جاؤں۔''

۵۔ امام شعبی علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ ''ربیع بن خثیم علیہ الرحمۃ اپنی قوم کی مجلس میں ساری عمر میں سوائے ایک مرتبہ کبھی نہیں بیٹھے۔ ایک دفعہ آپ گھر کے دروازہ میں بیٹھے تھے کہ ایک پتھر گرا جس سے آپ کا سر زخمی ہو گیا۔ لیکن مارنے والے کا پتہ نہ چلا۔ آپ علیہ الرحمۃ کھڑے ہو گئے اور کہا: اے ربیع! تجھے نصیحت کی گئی ہے، اس کے بعد آپ علیہ الرحمۃ مرتے دم تک گھر سے باہر بغیر ضرورت کے نہ نکلے۔

۶۔ حضرت ابو حازم علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ ''جو شخص اپنے دوست سے بکثرت ملاقات کرے ۔اسے کہہ دو کہ ان دونوں میں سے ایک سے ایسی بات ضرور ہو گی جو دوسرے کو نا پسند ہو۔ لہٰذا ہر دوست کے لیے مناسب ہے کہ اپنے دوست سے ناغہ کر کے ملا کرے۔''

۷۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''عنقریب ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قتل و جبر کے بغیر بادشاہت قائم نہ ہو گی اور بخل کے بغیر غنا نہ ہو گا۔ اور اتباعِ خواہش کے بغیر لوگوں کی صحبت نہ ہو سکے گی۔ پس جس شخص پر یہ زمانہ آئے اور وہ صبر اور حفاظت نفس کرے تو اللہ تعالیٰ اسے پچاس صدیقین کا ثواب دے گا۔''

۸۔ حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ کو معلوم ہوا کہ ان کے فرزند علی نے کہا: ''میں ایک ایسے مکان میں رہنا چاہتا ہوں جس میں سے میں لوگوں کو دیکھوں اور لوگ مجھے نہ دیکھیں۔ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اس نے دعا کو پورا کیوں نہ کیا، یوں کہا ہوتا میں لوگوں کو نہ دیکھوں اور لوگ مجھے نہ دیکھیں''۔

۹۔ حضرت رہیب بن درد علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ''میں نے پچاس سال تک لوگوں سے میل جول رکھا۔ لیکن کسی نے میری غلطی معاف نہیں کی اور نہ میری لغزش سے درگزر کیا ۔ جب کبھی ان میں سے کوئی مجھ سے ناراض ہوا تو مجھے اس سے اپنی جان کو

امن نہیں ملا۔‘‘

۱۰۔ حضرت حاتم اصم علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ ’’لوگوں کو آگ تصور کرو اور ان کے پاس مت جاؤ۔ اور جب ان کے پاس جاؤ تو ان سے ایسے ڈرو جیسے آگ کے قریب جانے سے ڈرتے ہو۔‘‘

۱۱۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ ’’جو شخص لوگوں سے میل جول رکھے وہ اس کے دل کو ضرور بگاڑ کر رکھ دیں گے۔‘‘

۱۲۔ حضرت جعفر بن حمید علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ ’’بے شک لوگوں پر تیرا حق ہے اور لوگوں کا تجھ پر پس ایک دوسرے سے ڈرتے رہو۔‘‘

۱۳۔ حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمۃ سفر میں تھے جب واپس آئے تو لوگوں نے سلیمان خواص سے کہا: کیا آپ ان کی ملاقات کو نہیں گئے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، ڈرتا ہوں کہ کہیں ان سے مل کر چکنی چپڑی باتیں نہ کروں اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈال لوں۔‘‘

۱۴۔ حضرت حسن بن صالح علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ ’’ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو دور سے دوستی رکھتے تھے اور ملاقات کو برا جانتے تھے۔‘‘

۱۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ’’آدمی کا اپنے گھر کے اندر بیٹھے رہنا اچھا ہے۔ تاکہ لوگ اسے نہ دیکھیں اور وہ لوگوں کو نہ دیکھے۔‘‘

۱۶۔ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ ’’واللہ! آج کل لوگوں سے علیحدہ رہنا حلال ہے۔ (میں کہتا ہوں) حلال بمعنٰی واجب ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ میں آیا ہے: حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اس کے لئے قیامت کے روز میری شفاعت حلال ہوگئی)[1] یعنی اس کے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ۱: ۲۲۲، رقم: ۵۸۹

لئے میری شفاعت واجب ہو چکی۔‘‘

۱۷۔ حضرت ابو سفیان علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔’’تم لوگوں سے علیحدہ رہنے کی کوشش کرو کیونکہ وہ عقلوں کے چور ہیں۔‘‘

۱۸۔ حضرت ابوبکر وراق علیہ الرحمۃ فرماتے تھے’’جب تک تم لوگوں سے ملنا نہ چھوڑو اللہ تعالیٰ سے محبت کی آرزو نہ کرو۔ جب تک تم ظالموں سے ملتے جلتے رہو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خواہش مند نہ رہو۔ جب تک تم دنیا کے طالب ہو، اللہ کی اپنے ساتھ محبت کا طمع نہ کرو۔ جب تک تم یتیم پر سختی کرتے ہو، اپنے دل کی نرمی کے طالب نہ بنو۔‘‘

۱۹۔ حضرت داؤد طائی علیہ الرحمۃ جب لوگوں سے علیحدہ ہو گئے تو آپ کے دوستوں نے اس پر ملامت کی، آپ نے فرمایا’’میں لوگوں سے ایسے وقت علیحدہ ہوا ہوں جب میں نے دیکھا کہ چھوٹا بڑے کی عزت نہیں کرتا۔ اور دوست کو دیکھا کہ میرے عیوب شمار کرتا ہے تاکہ جب مجھ سے ناراض ہو تو ان سے میری ہجو کرے۔‘‘

۲۰۔ حضرت بشیر بن منصور علیہ الرحمۃ فرماتے تھے:’’لوگوں سے واقفیت کم کرنے کی کوشش کر، کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ کبھی تیری ذلت کا کوئی واقعہ پیش آ جائے۔ پس اس وقت بہت کم لوگ تجھ سے واقف ہوں گے۔‘‘

۲۱۔ حضرت مکحول علیہ الرحمۃ فرماتے:’’لوگوں کی صحبت میں اگر کچھ نیکی بھی ہو تو ان سے کنارہ کشی کرنے میں دین کی زیادہ سلامتی ہے۔‘‘

۲۲۔ حضرت سفیان بن عیینہ علیہ الرحمۃ فرماتے:’’میں نے حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمۃ کو شام میں دیکھا تو کہا: اے ابو اسحاق علیہ الرحمۃ! آپ نے خراسان کو چھوڑ دیا تھا پھر بھی یہاں بیٹھے ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں میری زندگی یہیں پر آرام سے گزرتی معلوم ہوتی ہے۔ میں اپنے دین کو لے کر کو بکو پھرتا ہوں، اس لیے جو کوئی مجھے دیکھتا

ہے وہ مجھے ملاّح، شتربان یا پاگل سمجھتا ہے۔‘‘

۲۳۔ حضرت حماد بن زید علیہ الرحمۃ فرماتے تھے: ’’میں مالک بن دینار علیہ الرحمۃ کی ملاقات کو گیا، میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے ایک کتا بیٹھا ہے۔ میں نے اسے ہٹانا چاہا تو انہوں نے فرمایا: اے حماد جانے دو یہ اس ہم نشین سے اچھا ہے جو میرے پاس لوگوں کی غیبت کرے۔‘‘

۲۴۔ حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ جب بصرہ سے بغداد آئے تو انہوں نے محمد بن واسع علیہ الرحمۃ کا پتا دریافت کیا۔ مگر آپ کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ آپ نے فرمایا: یہ آپ کی بزرگی کی علامت ہے کہ آپ کو کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ وہ آپ کے ساتھ زیادہ محبت و تعظیم کے ساتھ پیش آنے لگے۔‘‘

۲۵۔ حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے تھے: ’’آدمی کی بکثرت واقفیت اس کی قلتِ عقل کا باعث ہے۔‘‘

۲۶۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ سے کسی نے کہا: ’’آپ لوگوں میں کیوں نہیں بیٹھتے۔ آپ نے جواب دیا۔ مجھے اتنی فرصت نہیں۔‘‘

۲۷۔ حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے تھے: اسلاف عزلت اور تنہائی اس لیے اختیار کرتے تھے کیونکہ اس سے غفلت دور اور بیداری پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بکثرت مراقبہ بالغیب ہوتا ہے۔ آپ علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا: ’’بخدا میں کسی شخص کو ملوں اور وہ مجھے سلام نہ کرے تو میں اس کا احسان سمجھتا ہوں، یہی کیفیت اس وقت ہوتی ہے، جب میں بیمار ہوتا ہوں اور کوئی میری عیادت کو نہ آئے۔‘‘

خلوت نشینی کے حوالے سے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ صوفیاء کرام کے درج ذیل احوال بیان کرتے ہیں:

۲۸۔ حضرت بشر حافی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ’’یہ زمانہ خاموش رہنے اور گوشہ نشینی اختیار کرنے کا ہے۔‘‘

۲۹۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب مقام عقیق میں اپنے محل میں گوشہ نشین ہو گئے تو ان سے پوچھا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کیوں بازاروں میں اور مجلسوں میں آنا جانا چھوڑ کر خلوت نشین ہو گئے؟ انہوں نے فرمایا: ''میں نے بازاروں میں بیہودہ بکواس اور مجلسوں میں لہو و لعب دیکھا تو میں نے اپنے گھر میں گوشہ نشینی ہی میں خیر و عافیت پائی۔''

۳۰۔ حضرت شعبی علیه الرحمة فرماتے ہیں ''لوگ ایک طویل مدت تک اپنی اسلامی زندگی کا ڈھونگ رچاتے رہے حتی کہ دین ان سے نکل گیا۔ پھر مروت کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے حتی کہ مروت بھی جاتی رہی پھر شرم کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے حتی کہ شرم بھی ختم ہو گئی ۔پھر خوف و رجا کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ میرا گمان ہے کہ اس کے بعد اس سے بھی خطرناک زمانہ آنے والا ہے۔''

۳۱۔ ایک حکیم فرمایا کرتے تھے ''عبادت کے دس حصوں میں نو حصے خاموشی کے ہیں اور ایک گوشہ نشینی کا ہے۔ میں اپنے نفس کو بہلا پھسلا کر خاموشی پر آمادہ کرتا رہا، مگر اسے قابو میں نہ کر سکا۔ آخر میں نے خلوت نشینی اختیار کر لی اور اسی خلوت کی برکت سے میں نے باقی نو حصے بھی پا لیے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا: قبر سے زیادہ کوئی واعظ نہیں، کتاب سے زیادہ کوئی مونس نہیں اور خلوت سے زیادہ کوئی چیز سلامتی والی نہیں۔''(۱)

مذکورہ بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ میل جول کی کثرت درست نہیں۔اس میں اعتدال ضروری ہے۔انسان کو مخلوقِ خدا سے میل جول اس حد تک رکھنا چاہئے کہ اس کے لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔لیکن جن لوگوں پر عوام کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری ڈال دی جائے ان کا عوام سے میل جول رکھنا ،ان کے مسائل سے واقف ہو کر انہیں حل کرنا بھی شاملِ عبادت ہے۔

(۱) عبد القادر جیلانی، غنية الطالبين، ۱: ۹۲۔ ۹۳

لوگوں سے میل جول کس حد تک درست ہے؟

خلوت اصل بنیاد ہے اور میل جول عارضی ہے۔ لہٰذا اصل بنیاد کو پکڑنا چاہیے۔ اور صرف بقدرِ ضرورت لوگوں سے میل جول رکھنا چاہیے۔ کیونکہ کثرت کے ساتھ لوگوں سے میل جول رکھنا مقصودِ حق سے دوری کا باعث بنتا ہے اور مکمل طور پر لوگوں سے الگ رہنا رہبانیت ہے جبکہ اسلام میں رہبانیت نام کی کسی شے کا وجود نہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○(۱)

’’اور رہبانیت (یعنی عبادتِ الٰہی کے لئے ترکِ دنیا اور لذّتوں سے کنارہ کشی) کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی، اسے ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا، مگر (انہوں نے رہبانیت کی یہ بدعت) محض اﷲ کی رضا حاصل کرنے کے لئے (شروع کی تھی) پھر اس کی عملی نگہداشت کا جو حق تھا وہ اس کی ویسی نگہداشت نہ کر سکے (یعنی اسے اسی جذبہ اور پابندی سے جاری نہ رکھ سکے)، سو ہم نے اُن لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے (اور بدعتِ رہبانیت کو رضائے الٰہی کے لئے جاری رکھے ہوئے) تھے، اُن کا اجر و ثواب عطا کر دیا اور ان میں سے اکثر لوگ (جو اس کے تارک ہوگئے اور بدل گئے) بہت نافرمان ہیں○‘‘

حدیث مبارکہ میں ایک واقعہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے متعلق بیان ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت عبادت گزار اور راہبانہ زندگی بسر کرنے والے تھے۔ ایک دن

(۱) الحدید، ۵۷: ۲۷

ان کی بیوی خولہ بنت حکیم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں، تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ہر طرح کے زنانہ بناؤ سنگھار سے عاری ہیں۔ پوچھا کہ کیا سبب ہے؟ بولیں کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں۔ میں سنگھار کس کے لئے کروں؟ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے قصہ بیان کیا۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اُن سے فرمایا:

يَا عثْمانُ إِنَّ الرَّهْبَانِيَّةَ لَمْ تُكتَبْ عَلَيْنَا، أَمَا لَكَ فِيَّ أُسْوَةٌ۔(۱)

''اے عثمان رہبانیت ہمارے اوپر فرض نہیں کی گئی۔کیا میری ذات میں تمہارے لئے نمونہ نہیں۔''

اس واقع سے معلوم ہوا کہ رہبانیت نام کی کوئی چیز اسلام میں داخل نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَ اللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَ أَتْقَاكُمْ لَهُ، لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَ أُصَلِّي وَ أَرْقُدُ، وَ أَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔(۲)

''اللہ کی قسم! میں تمہاری نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا اور پرہیز گار ہوں،لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔پس جو میری

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۹: ۳۸، رقم: ۸۳۱۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۲۶، رقم: ۲۵۹۳۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح، ۵: ۱۹۴۹، رقم: ۴۷۷۶

۲۔ نسائی، السنن، كتاب النكاح، باب النهي عن التبتل، ۳: ۴۶، رقم: ۳۲۱۷

سنت سے روگردانی کرے گا وہ میرے طریقے پر نہیں۔‘‘

گویا قرآن و سنت میں اعتدال کی راہ ہی دین ہے جسے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں عدل و انصاف اور میانہ روی دیکھنا چاہتا ہے۔ شدت اور انتہا پسندی جہاں بھی اور جس معاملے میں بھی ہوگی اس کا انجام انتہائی خطرناک، مہلک اور عبرتناک ہوگا۔ اس لئے دین فطرت ہمیں انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی سطح کے جملہ معاملات میں توازن وعتدال برقرار رکھنے کا سختی سے حکم دیتا ہے۔

امت مسلمہ کو امتِ وسط بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ باری تعالیٰ نے اس کو وہ وقار اور کردار عطا کیا ہے جو توسط و اعتدال پر مبنی ہے۔اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔(۱)

’’اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔‘‘

اس آیہ کریمہ میں باری تعالیٰ نے امتِ محمدی ﷺ کو امتِ وسط کا خطاب عطا فرمایا ہے یعنی ایسی امت جو راہِ اعتدال پر چلنے والی ہو۔ جو راہِ حیات پر چلتے ہوئے ہر معاملے میں توازن کو برقرار رکھے اور صراطِ مستقیم سے ادھر ادھر نہ بھٹکے۔ جس طرح ایک ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہیں۔ کوئی پلڑا ایک طرف نہیں جھکتا، بعینہ یہ امت بھی متوسط رہتے ہوئے اعتدال و توازن کو قائم رکھتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کو عالمِ انسانیت میں وہ کردار تفویض کیا گیا ہے جو اسے مرکزیت عطا کرتا ہے۔

لہٰذا جو شخص اپنے اوقاتِ زندگی کو اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر اور عبادت نیز حصولِ علم میں گزارنا چاہتا ہو اور وہ سمجھتا ہو کہ اگر میں لوگوں میں گھل مل کر رہوں گا تو میرا وقت

(۱) البقرة، ۲: ۱۴۳

ضائع ہو جائے گا، پریشانیاں زیادہ ہونگی اور عبادت میں خلل واقع ہوگا، علمی و دینی مشاغل متاثر ہوں گے، ایسے شخص کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنا بہتر ہے لیکن جو شخص خلوت میں اپنے نفس، اخلاق اور باطنی صفات کا محاسبہ کرنے پر قادر نہ ہو اور تنہائی میں رذائلِ اخلاق کو دور کرنے سے قاصر ہو۔ ایسے شخص کے لئے خلوت نشینی اختیار کرنے کی بجائے بزرگوں کی صحبت میں رہنا ہی باعث نجات ہے کیونکہ ادب سیکھنے اور دوسروں کو علم و ادب سکھانے کے لئے اللہ رب العزت کے محبوب و مقرب بندوں سے ملنا اور ان کی مجلس میں رہنا سود مند ہو ہے کیونکہ ایسا میل جول نہ صرف دنیا میں فائدہ مند ہوگا بلکہ آخرت میں بھی ذریعہ نجات ثابت ہوگا۔ یہ بات اس شخص کے حق میں گوشہ نشینی سے بہتر ہے جو ابھی تک اپنے اخلاق کو مہذب نہیں بنا سکا اور اس کی خواہشات حدودِ شرع کے تابع نہیں ہوئیں۔ اس کے لئے صوفیاء کرام کی صحبت میں رہنا فائدہ مند ہوگا۔ یہ سوال کہ کامل مرشد کی پہچان کیونکر کی جا سکتی ہے؟ اس کے لئے آپ مختلف محافل میں جائیں، دیکھیں اور غور کریں کہ جس مجلس یا محفل میں بیٹھنے سے آپ کا ایمان تازہ ہو جائے جس کو دیکھ کر اللہ یاد آ جائے وہی مردِ حق ہے اور ولایت کے مقام پر فائز ہے۔ ایسے اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنا محض بدنی عبادت میں مشغول رہنے سے افضل ہے۔

صالح لوگوں کی صحبت

آج ہماری اولین ضرورت ان صحبتوں کو اختیار کرنا ہے جنہیں محض صوفیانہ صحبت کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا کیونکہ صلحاء کی صحبت اختیار کرنے کا حکم اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۔(۱)

(۱) الکہف، ۱۸: ۲۸

’’(اے میرے بندے!) تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھا کر جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس کی رضا کے طلبگار رہتے ہیں (اس کی دید کے متمنی اور اس کا مکھڑا تکنے کے آرزو مند ہیں) تیری (محبت اور توجہ کی) نگاہیں ان سے نہ ہٹیں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں قربتِ الٰہی کا راز بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ رب مل جائے تو اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھا کرو جن کا ہر لمحہ یادِ محبوب میں گزرتا ہے، جن کا تعلق اللہ سے کبھی نہیں ٹوٹتا، جن کے فکر، خیال اور جذبات کی ڈوری اللہ سے جڑی ہوتی ہے، جو جاگتے ہیں تب بھی مولا کا ذکر کرتے ہیں، سوتے ہیں تب بھی مولا کی یاد میں ہوتے ہیں، ان کو خلوت و جلوت یادِ محبوب سے غافل نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اگر تم اللہ کو پانا چاہتے ہو تو صلحاء کی صحبت اختیار کرو، ان کے دامن کو تھام لو اور ان پر اپنی نگاہیں جمائے رکھو۔ ان کی صحبت سے تمہیں معرفتِ الٰہی کی شرابِ طہور کے ایک دو گھونٹ بھی مل جائیں تو غنیمت ہے اور اگر نہ بھی ملے تو کم از کم اس کی بو تمہیں ضرور پہنچے گی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال عطر فروش اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے۔ عطر فروش یا تو تمہیں یونہی مشک دے دے گا یا تم اس سے مشک خرید لو گے، یا کم از کم تمہیں اس سے اچھی خوشبو ضرور آئے گی اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا پھر تمہیں بدبو تو ضرور آئے گی۔‘‘(۱)

آج ہم صالح لوگوں کی صحبت کے فیض سے نہ صرف یہ کہ آگاہ نہیں، بلکہ مادیت کے غلبے نے یہاں تک پہنچا دیا کہ بعض لوگ اہل اللہ کی صحبت سے انکاری ہو کر اس کی مذمت پر اتر آئے اور صحبت سے پیدا ہونے والی کیفیات کو جنون اور پاگل پن قرار

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب البرّ والصّلة والأدب، باب استحباب مجالسة الصّالحین و مجانبة قرناء السّوء، ۴: ۲۰۲۶، رقم: ۲۶۲۸

دینے لگے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ جب صحبتِ مصطفیٰ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ کمال عطا کیا تو وہ عالمِ انسانی کی ایسی شخصیات بن کر ابھرے جن کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

صلحاء کی صحبت اللہ سے ٹوٹے ہوئے تعلق کو جوڑ دیتی ہے۔ اللہ کے عشق کا دروازہ اسی صحبت سے کھلتا ہے۔ صحبت ہی سے کیفیاتِ عشق و مستی قلوب پر وارد ہوتی ہیں۔ اس لیے جو اللہ کے بندوں کی صحبت کو ترک کر دے وہ اللہ کی بندگی کا راز نہیں پا سکتا اور وہ روحانی لذتوں اور حلاوتوں سے محروم رہتا ہے۔ جس طرح خلوت مناسب وقت پر پسندیدہ ہے اسی طرح صحبت بھی مناسب موقع پر پسندیدہ ہے۔ چنانچہ اللہ والوں سے لو لگانا اور ان کی مجلس میں بیٹھنا خلوت نشینی اختیار کرنے سے بدرجہا افضل ہے۔

اس بحث کا لب لباب یہ ہے کہ اسلام اعتدال اور توازن کی راہ پر چلنے کی تلقین کرتا ہے اور وہ معمولات و عبادات میں افراط و تفریط کی روش اختیار کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ہم نشین کی طرف نظر دوڑائے اور دیکھے کہ اس کے ساتھ میل جول رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ''اے یونس! لوگوں سے تنگ تنگ رہنا دشمنی کا باعث ہے اور ان کے ساتھ ہنسی خوشی رہنا برے دوستوں کو پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا تمہیں ان سے کھنچے کھنچے رہنے اور ان کے ساتھ نہایت ہنسی خوشی کے ساتھ رہنے کی درمیانی راہ نکالنی چاہئے۔''[1]

خلوت نشینی کے آداب

جب کوئی سالک خلوت نشینی کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ جو کچھ اس کی ملکیت میں ہے سب سے بے تعلق ہو جائے۔ اپنے لباس، جگہ اور مصلے کی پاکیزگی کو یقینی بنانے کے بعد غسل کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ نماز سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کی

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۲: ۲۴۲

بارگاہ میں گریہ و زاری اور خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔ ظاہر و باطن کو یکساں رکھے۔ اپنے دل سے مکر و فریب، بغض و حسد اور خیانت جیسی برائیوں کو دور کردے،۔اس کے بعد خلوت میں قدم رکھے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ **''عوارف المعارف''** میں لکھتے ہیں: ''گوشہ نشین کے لئے درج ذیل آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ گوشہ نشین یہ نیت نہ کرے کہ اپنے آپ کو لوگوں کے شر سے بچانے کے لئے وہ ایسا کر رہا ہے بلکہ وہ یہ کہے کہ میرا مقصد ان لوگوں سے سلامتی و عافیت کا حصول ہے نیز میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں فراغت اور دلجمعی کا طالب ہوں۔

۲۔ سالک کو چاہیئے کہ ایک لمحہ بھی بیکار نہ بیٹھے بلکہ ذکر و فکر اور علم و عمل میں مشغول رہے۔

۳۔ لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دے، نہ کسی شہر سے خبروں کی ٹوہ لیتا رہے کیونکہ جو بات سنے گا اس سے گویا ایک بیج سینے میں ڈال لے گا جو اگ کر پریشانی کا ذریعہ بنے گا۔ کھانے پینے اور لباس میں بہت کم پر قناعت کرے ورنہ مخلوق سے ملنے جلنے کی ضرورت محسوس کرے گا۔

۴۔ پڑوسیوں کے ایذا دینے پر صبر سے کام لے۔ وہ اس کے حق میں جو کچھ کہیں اس کی پروا نہ کرے خواہ اس کی تعریف ہو یا مذمت۔ لوگ اسے منافق و ریا کار کہیں یا صاحب اخلاص و انکسار، متکبر کہیں یا منکسر المزاج، وہ ان کی کوئی بات نہ سنے اور نہ کسی کی پروا کرے اور اپنا تمام وقت خداوند تعالیٰ کی رضا کے حصول میں صرف کرے۔

۵۔ خلوت میں ہمیشہ باوضو رہنا ضروری ہے اور جب تک نیند کا غلبہ طاری نہ ہو اس وقت تک نہ سوئے۔ خلوت نشین کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ امر چلہ کشی اور زنجیر کی

طرح ہے جو مختلف کڑیوں کے ایک دوسرے سے ملنے پر مکمل ہوتی ہے۔ پس اپنے اوپر لازم کرے کہ اس کا ہر کام رضائے الٰہی کے لئے ہو۔ (۱)

خلوت نشینی کے پسندیدہ معمولات

خلوت نشینی کے چند اہم معمولات درج ذیل ہیں:

۱۔ کلمہ طیبہ کا ذکر

حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: خلوت نشین کو چاہیے کہ ذکر کے لئے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ورد کثرت سے کرے کیونکہ یہ کلمہ باطن کو منور کرنے اور خیالات میں یکسوئی پیدا کرنے کی زبردست خاصیت رکھتا ہے اور اگر زبان اس ذکر سے تھک جائے تو زبان کو حرکت دیئے بغیر اپنے قلب کو اسکا ذاکر بنائے۔ اگر خلوت میں بندہ دل کے ساتھ اپنی زبان سے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا تکرار کرتا رہے تو یہ کلمہ اس کے دل میں اپنی جڑیں بنا لیتا ہے اور جب یہ کلمہ دل پر جاری ہو جائے اور زبان اس کو بے تکلف ادا کرنے لگے تو اس وقت یہ ذکر مشاہدہ کے ساتھ قائم ہو کر ذکرِ ذات بن جاتا ہے اور یہ ذکر نور کے ساتھ ایک جوہر بن جاتا ہے۔ پھر یہ غیر کا محتاج نہیں رہتا۔ اسی کا نام مکاشفہ، مشاہدہ اور معائنہ ہے اور یہی خلوت نشینی کا منتہائے مقصود ہے۔

۲۔ کثرتِ عبادت

خلوت نشینی میں چاہیئے کہ بندہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی طلب کرے، قرآن کی تلاوت کثرت سے کرے، ذکر و نماز یا مراقبہ میں مصروف رہے۔ جب ان چیزوں سے تھک جائے تو سو جائے۔ خلوت کے دوران نوافل کثرت سے پڑھے، جس قدر نفلی نمازیں اور عبادات سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہیں، ان سب کو پورا کرنے کی

---

(۱) شہاب الدین، عوارف المعارف، ۱: ۳۷۲-۳۷۳

کوشش کرے۔ مثلاً نمازِ فجر کے بعد نمازِ اشراق، نمازِ چاشت، مغرب کی نماز کے بعد صلوۃ الاوابین، نمازِ تہجد، دیگر سنن اور کثرتِ نوافل کا اہتمام بھی کرے۔

اگر سالک طریقت کا ارادہ ہو تو رکعات کی تعداد (معینہ) کو پورا کرے یا تلاوت و ذکر کی مقررہ مقدار کو پورا کرلے۔ اس کو یہ کام بتدریج انجام دینا چاہیئے۔ ایک عبادت کے بعد دوسری عبادت میں مشغول ہو اور اگر وہ چاہتا ہے کہ وقت کی شرط کو پورا کرے تو مذکورہ عبادات، تلاوتِ ذکر، نفلی نماز میں سے جو اس کو زیادہ آسان معلوم ہو اس پر مداومت اختیار کرے اور اگر وہ چاہتا ہے کہ وہ ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے ایک ہی سجدے یا ایک ہی رکوع یا ایک رکعت ہی میں گزارے تو ایسا کرسکتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ نماز کی برکات نصیب ہوں۔

۳۔ کثرتِ تلاوتِ قرآن

کسی کو یہ مقام کلمہ کے ذکر سے نہیں بلکہ تلاوتِ قرآنِ حکیم کی کثرت سے ملتا ہے۔ اس سلسلے میں قلب کی موافقت کے ساتھ زبان سے جدوجہد کی جائے تاکہ تلاوت زبان پر جاری ہو جائے اور تلاوتِ قرآن کا مفہوم نفسانی باتوں کے قائم مقام ہو جائے۔

باب دوازدہم

دعوت و تبلیغ

دعوت و تبلیغ ایک ایسا موضوع ہے جس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ متعدد مقامات پر قرآن حکیم میں اسے فریضۂ نبوت و رسالت قرار دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے علماء داعیین و مبلغین کو منتقل ہوگیا۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو نہ صرف یہ کہ اپنے پیروکاروں کو اپنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا ہے بلکہ ایسے افکار و نظریات کو دوسروں تک پہنچانے کا حکم بھی دیتا ہے تاکہ جملہ انسانیت اس کے عالمگیر پیغام سے کما حقہ آشنا ہو سکے۔

معنی و مفہوم

دعوت عربی زبان کا لفظ ہے جو دَعَوَ سے مشتق ہے۔ اس کے لغوی معنی پکارنا اور بلانا کے ہیں۔[1]

دعوت کے اصطلاحی معنی لوگوں کو کسی خاص مقصد اور مشن کی طرف بلانا کے ہیں۔ اسلام میں دعوت سے مراد دوسروں کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور دینِ حق کی طرف بلانا، اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ ۔[2]

''اور تم (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلاتے رہو۔''

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۴: ۲۵۷

(۲) القصص، ۲۸: ۸۷

اس طرح تبلیغ کا لغوی معنی ''پہنچا دینا'' ہے۔ اس لفظ کا مترادف ''البلاغ'' ہے۔ امام راغب اصفہانی نے المفردات میں ''البلاغ'' کے دو معانی بیان کئے ہیں:

پہلا معنی پہنچا دینا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُo (۱)

''اور واضح طور پر پیغام پہنچا دینے کے سوا ہم پر کچھ لازم نہیں ہےo''

البلاغ کا دوسرا معنی الکفایہ یعنی کافی ہونا ہے۔ (۲) اس معنی پر درج ذیل آیت کریمہ دلالت کرتی ہے:

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰـغًا لِّقَوْمٍ عٰـبِدِيْنَo (۳)

''بیشک اس (قرآن) میں عبادت گزاروں کے لئے (حصولِ مقصد کی) کفایت وضمانت ہےo''

شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ پیغامِ حق کو لوگوں تک پہنچانا تبلیغ کہلاتا ہے ارشادِ ربّانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۔ (۴)

''اے (برگزیدہ) رسول! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجئے۔''

تبلیغ اور ابلاغ سے مراد محض کسی بات کا پہنچا دینا ہی نہیں بلکہ اس کے مقصد کی

---

(۱) یٰس، ۳۶: ۱۷

(۲) أصفهانی، مفردات الفاظ القرآن: ۱۴۹

(۳) الانبیاء، ۲۱: ۱۰۶

(۴) المائدة، ۵: ٦٧

آخری حد یعنی اس کو اس کے انجام تک پہنچا دینا ہے۔ اس معنی کی وضاحت درج ذیل آیتِ کریمہ سے ہوتی ہے:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ۔(۱)

''پھر جب وہ اپنی مقررہ میعاد (کے ختم ہونے) کے قریب پہنچ جائیں۔''

دعوت اور اُس کی اَہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں نیکی اور بدی کی پہچان اور نیکی اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کی خواہش ودیعت فرما دی ہے۔ اس اعتبار سے انسان ایک اعلیٰ خلقت اور ایک بلند فطرت لے کر دنیا میں آیا ہے۔ وہ اس بات کا اہل ہے کہ اپنی سمجھ بوجھ سے نیکی کو قبول اور بدی کو ردّ کرکے اللہ تعالیٰ کے ہاں انعام کا اور خیر کی جگہ شر کا راستہ اختیار کرکے اپنی اس خلافِ فطرت روش پر سزا کا مستحق قرار پائے۔ لیکن اگر ایک طرف اس میں یہ پہلو خوبی اور کمال کا ہے تو بعض اعتبارات سے خلا اور نقص بھی ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نہ دنیا میں انسان کی ہدایت و ضلالت کے معاملہ کو تنہا اس کی فطرت پر چھوڑا ہے، نہ صرف آخرت میں اس کو جزاء و سزا دینے کے لئے اس فطری رہنمائی کو کافی قرار دیا ہے بلکہ فطرت کے تقاضوں، اس کی مخفی قابلیتوں کو آشکار کرنے اور خلق پر اپنی حجت تمام کرنے کے لئے اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو دین کی دعوت دیں اور قیامت کے دن لوگ یہ عذر نہ کرسکیں کہ ان کو نیکی اور سچائی کا راستہ بتانے والا کوئی نہیں تھا، اس وجہ سے وہ گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے رہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید کی درج ذیل آیات کریمہ میں واضح کیا گیا:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۝(۲)

---

(۱) الطلاق، ۶۵: ۲

(۲) النساء، ۴: ۱۶۵

''رسول جو خوش خبری دینے والے اور ڈر سنانے والے تھے (اس لئے بھیجے گئے) تاکہ (ان) پیغمبروں (کے آجانے) کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی عذر باقی نہ رہے، اور اللہ بڑا غالب حکمت والا ہےo''

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ عَلٰى فَتۡرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا جَآءَنَا مِنۡۢ بَشِيۡرٍ وَّلَا نَذِيۡرٍ‌ فَقَدۡ جَآءَكُمۡ بَشِيۡرٌ وَّنَذِيۡرٌ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌo(۱)

''اے اہلِ کتاب! بیشک تمہارے پاس ہمارے (یہ آخر الزمان) رسول (ﷺ) پیغمبروں کی آمد (کے سلسلے) کے منقطع ہونے (کے موقع) پر تشریف لائے ہیں، جو تمہارے لئے (ہمارے احکام) خوب واضح کرتے ہیں، (اس لئے) کہ تم (عذر کرتے ہوئے یہ) کہہ دوگے کہ ہمارے پاس نہ (تو) کوئی خوشخبری سنانے والا آیا ہے اور نہ ڈر سنانے والا۔ (اب تمہارا یہ عذر بھی ختم ہو چکا ہے کیونکہ) بلاشبہ تمہارے پاس (آخری) خوشخبری سنانے اور ڈر سنانے والا (بھی) آ گیا ہے، اور اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہےo''

اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی ہدایت کے لئے رسول بھیجے تاکہ لوگوں پر حق پوری طرح آشکار ہو جائے، اور کوئی عذر باقی نہ رہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو اگرچہ کئی متفرق قسم کی ذمہ داریاں بھی سپرد کی گئیں مگر جس ذمہ داری پر سب سے زیادہ زور دیا گیا وہ دعوت کی ذمہ داری تھی۔ یہ دعوت انفرادی بھی ہے اور معاشرتی بھی، قومی بھی ہے اور بین الاقوامی بھی۔ اصلاحِ معاشرہ اور ریاست کا آغاز چونکہ فرد سے ہوتا ہے اس لئے دعوتِ دین کا پہلا ہدف بھی فرد ہے۔ ذیل میں ہم انفرادی دعوت اور اجتماعی دعوت کے بارے میں قرآنی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) المائدہ، ۵: ۱۹

اِنفرادی دعوت

امتِ مسلمہ کا ہر فرد انفرادی طور پر دین کا داعی ہے اور اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی بساط، استعداد اور صلاحیت کے مطابق کام کرے اور اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کے لئے کوشاں رہے۔ اس ضمن میں انبیائے کرام علیھم السلام کی زندگیاں ہمارے لئے مشعلِ راہ اور نمونہ عمل ہیں۔ انہوں نے جس طرح دعوت کا کام اوّلاً انفرادی سطح پر بطور داعی سرانجام دیا قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ان کے اس انفرادی داعیانہ کردار کا تذکرہ موجود ہے۔

۱۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًاo[۱]

’’نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! بیشک میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہاo‘‘

حضرت نوح علیہ السلام نے بطورداعی اپنے اس فرضِ منصبی کو نبھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور دن رات ایک کردیئے۔

۲۔ وَيٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَى النَّارِo[۲]

’’اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہوo‘‘

اس آیۂ کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے داعیانہ کردار کا ذکر ہے۔

۳۔ وَّدَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ۔[۳]

---

(۱) نوح، ۷۱: ۵

(۲) المؤمن، ۴۰: ۴۱

(۳) الأحزاب، ۳۳: ۴۶

''اور اس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے)۔''

اس آیتِ کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے منصبِ دعوت پر فائز کئے جانے کا ذکر ہے۔

۴۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ ۔[1]

''(اے رسول معظم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف بلایئے۔''

یہاں بھی آپ ﷺ کو فریضہ دعوت سرانجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

۵۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔[2]

''اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔''

اس آیتِ کریمہ میں ہر مسلمان کو انفرادی طور پر دعوتِ دین آگے پہنچانے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔

لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مرد داعی بن کر دینِ اسلام کی دعوت کا فریضہ سرانجام دے۔ موجودہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہر شخص داعی بن کر آقائے دوجہاں ﷺ کی سنتِ دعوت کو زندہ کرنے والا بن جائے کہ قوموں کی زندگی دعوت کے عمل کے دم سے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ

(۱) النحل، ۱۶: ۱۲۵

(۲) التوبة، ۹: ۷۱

غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَایُؤْمَرُوْنَo(۱)

''اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت مزاج طاقتور فرشتے (مقرر) ہیں جو کسی بھی امر میں جس کا وہ انہیں حکم دیتا ہے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام انجام دیتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہےo''

اِجتماعی دعوت

دعوت کی دوسری صورت اجتماعی دعوتِ دین سے متعلق ہے۔ ضروری ہے کہ اس کے لئے ایک تحریک، تنظیم یا جماعت وجود میں لائی جائے جو اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دینے کی ذمہ دار ہو۔ تاکہ دعوت کو ایک بھرپور نظام کے طور پر معاشرے میں متعارف کرایا جائے اور اس کام کے لئے مخصوص افراد کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ یہ افراد قرآن و سنت کے علوم سے بہرہ ور ہو کر کامیاب داعی کی ذمہ داری نبھائیں اور لوگوں کو اسلام کی اصل روح سے آشنا کریں۔ قرانِ حکیم نے بڑے واضح انداز میں ایسی جماعت کے قیام کی ضرورت کو اجاگر کیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔(۲)

''اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔''

اس آیت میں واضح طور پر دعوت کو ایک نظام کے طور پر بپا کرنے کا حکم دیا گیا

(۱) التحریم، ۶۶:۶

(۲) آل عمران، ۳: ۱۰۴

ہے لہٰذا صاحبانِ علم و عمل اور باکردار افراد پر مشتمل ایک جماعت آگے آئے جو کمالِ حکمت و تدبر کے ساتھ ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' کا فریضہ سرانجام دے۔

چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا اور کوئی نیا نبی اور رسول امت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نہیں آئے گا اس لئے آپ ﷺ کے وصال کے بعد دعوت کا کام آپ ﷺ کی امت کو منتقل کر دیا گیا۔ اسی بنا پر حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کو بہترین امت قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (۱)

''تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔''

فرمانِ الٰہی کی رو سے اس فریضہ کی بجا آوری کا تقاضا یہ ہے کہ انفرادی طور پر ہر فردِ امت بڑھ چڑھ کر اس کارِ خیر میں حصہ لے اور اجتماعی سطح پر بھی نیک، صالح، متقی صاحبانِ علم و عمل پر مشتمل ایک ایسی جماعت قائم کی جائے جو ایک باقاعدہ اور مربوط نظام کے تحت دعوت کے کام کو پوری دنیا تک پھیلا دے۔

چنانچہ اس فریضے کی بجا آوری کے لئے امتِ مسلمہ کے اہلِ علم افراد نے ہر دور میں قابلِ قدر کاوشیں انجام دیں اور آج بھی یہ تسلسل جاری ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں دعوت و تبلیغ کا حکم

احادیث مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے متعدد ارشادات میں دعوت و تبلیغ کی تعلیم دی گئی ہے۔ ذیل میں چند احادیث نقل کی جا رہی ہیں:

(۱) آل عمران، ۳: ۱۱۰

١۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''راستوں میں بیٹھنے سے بچتے رہنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں ایسی جگہوں پر بیٹھنے کے سوا چارہ کار نہیں کیونکہ ہم بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارا راستوں میں بیٹھنا ضروری ہے تو راستے کا حق ادا کر دیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! راستے کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا:

غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذٰى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔(1)

''نظر نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹا دینا، سلام کا جواب دینا، اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے منع کرنا (راستے کا حق ہے)۔''

٢۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے جس امت میں جو بھی نبی بھیجا اس نبی کے لئے اس کی امت میں سے کچھ مددگار اور اصحاب ہوتے تھے جو اپنے نبی کے طریقہ پر کار بند ہوتے اور اس کے امر کی اقتدا کرتے۔ پھر ان صحابہ کے بعد کچھ نالائق لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے فعل کے خلاف قول اور قول کے خلاف فعل کیا۔

فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ،

---

(1) ١۔ بخاری، الصحیح، كتاب الاستئذان، باب بَدْءِ السَّلَام، ٥: ٢٣٠٠، رقم: ٥٨٧٥

٢۔ مسلم، الصحیح، كتاب اللباس والزينة، باب النهي عن الجلوس في الطرقات وإعطاء الطريق حقه، ٤: ١٧٠٤، رقم: ٢١٢١

وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ. وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔ (۱)

’’لٰہذا جس شخص نے اپنے ہاتھ سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مومن ہے، جس نے اپنی زبان سے اُن کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے اپنے دل سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مومن ہے۔ اس کے بعد رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔‘‘

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’ہر انسان کی تخلیق تین سو ساٹھ جوڑوں کے ساتھ ہوئی ہے۔ جو شخص اللہ اکبر کہتا ہے، الحمد للہ کہتا ہے، **لا الہ الا اللہ** کہتا ہے، سبحان اللہ کہتا ہے، **استغفر اللہ** کہتا ہے، لوگوں کے راستے سے پتھر یا کانٹے یا ہڈی کو ہٹاتا ہے، نیکی کا حکم دیتا ہے یا برائی سے روکتا ہے، یہ کام تین سو ساٹھ دفعہ کرتا ہے، وہ اس دن شام کے وقت تک اپنے آپ کو آگ سے دور کر چکا ہوتا ہے۔‘‘(۲)

۴۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ كَلَامِ ابْنِ آدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهُ إِلَّا أَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ أَوْ ذِكْرُ اللهِ۔ (۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، ۱: ۶۹، رقم: ۵۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۵۸، رقم: ۴۳۷۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب: الزكاة، باب: بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، ۲: ۶۹۸، رقم: ۱۰۰۷

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۷۳، رقم: ۳۳۸۰

(۳) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الزهد عن رسول الله، باب: ما جاء في حفظ اللسان، ۴: ۶۰۸، رقم: ۲۴۱۲

←

''ابن آدم کو اپنے کلام سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے سوائے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے۔''

۵۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُوْلَ بِحَقٍّ إِذَا عَلِمَهُ(۱)

''کسی شخص کو لوگوں کا ڈر حق بات کہنے سے نہ روکے جبکہ اسے اس شے کا حق ہونا معلوم ہو۔''

۶۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

مُرُوا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوا فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔(۲)

''نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو قبل اس کے کہ (وہ دور آ جائے جب) تم

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب: الفتن، باب: كف اللسان في الفتنة، ۲: ۱۳۱۵، رقم: ۳۹۷۴

(۱) ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب: الفتن، باب: ما جاء ما أخبر النبي أصحابه بما هو كائن إلى يوم القيامة، ۴: ۵۸، رقم: ۲۱۹۱

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب: الفتن، باب: الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ۲: ۱۳۲۸، رقم: ۴۰۰۷

(۲) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ۴: ۱۳۰۰، رقم: ۴۰۰۴

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۵۹، رقم: ۲۵۲۹۴

اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور تمہاری دعا مقبول نہ ہو۔‘‘

۷۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’انسان کے ہر عضو پر ہر روز ایک نماز (فرض) ہے۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا: یہ تو آپ نے ہمیں بہت سخت بات بتائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی نماز ہے، کمزور کی مدد کرنا بھی نماز ہے، راستے سے کانٹے وغیرہ ہٹانا بھی نماز اور نماز کے لئے جاتے وقت اٹھنے والا ہر قدم بھی نماز ہے۔‘‘(۱)

۸۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’ہر روز جس میں سورج نکلتا ہے ہر بنی آدم پر صدقہ ضروری ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! ہم صدقہ کے لئے سامان کہاں سے لائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَبْوَابَ الْخَيْرِ لَكَثِيْرَةٌ: التَّسْبِيْحُ، وَالتَّحْمِيْدُ، وَالتَّكْبِيْرُ، وَالتَّهْلِيْلُ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ.(۲)

’’نیکی کے دروازے کثیر ہیں۔ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لاالٰہ الا اللہ کہنا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔‘‘

۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک

(۱) ۱۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۳۷۶، رقم: ۱۴۹۷
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۱: ۲۹۶، رقم: ۱۱۷۹۱

(۲) ۱۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۷۱، رقم: ۳۳۷۷
۲۔ ابن رجب الحنبلي، جامع العلوم والحكم، ۱: ۲۳۵، ۲۴۱

نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، حج کرو، نیکی کا حکم کرو، برائی سے منع کرو اور اپنے اہل خانہ کو (گھر میں داخل ہوتے وقت) سلام کرو۔

فَمَنِ انْتَقَصَ شَيْئًا مِنْهُنَّ فَهُوَ سَهْمٌ مِنَ الْإِسْلَامِ يَدَعُهُ. وَمَنْ تَرَكَهُنَّ فَقَدْ وَلَّى الْإِسْلَامَ ظَهْرَهُ۔(۱)

''جس نے ان اعمال میں سے کسی عمل میں کمی کی اس نے اسلام کے ایک حصہ کو چھوڑ دیا۔ اور جس نے ان چیزوں کو (مکمل طور پر) ترک کردیا اس نے اسلام سے اپنی پشت ہی پھیر لی۔''

۱۰۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام کے آٹھ حصے ہیں:

الصَّلَاةُ سَهْمٌ وَالزَّكَاةُ سَهْمٌ وَالْجِهَادُ سَهْمٌ وَالْحَجُّ سَهْمٌ وَصَوْمُ رَمْضَانَ سَهْمٌ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ سَهْمٌ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ سَهْمٌ. وَقَدْ خَابَ مَنْ لَا سَهْمَ لَهُ۔(۲)

''ایک حصہ نماز ہے، ایک زکوٰۃ ہے، ایک حصہ جہاد ہے، ایک حصہ حج بیت اللہ ہے، ایک حصہ ماہ رمضان کے روزے رکھنا ہے، ایک حصہ امر بالمعروف ہے، ایک حصہ نہی عن المنکر ہے۔ وہ ناکام ہوگیا جس کے لئے (ان حصوں میں سے) کوئی حصہ بھی نہیں۔''

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۷۰، رقم: ۵۳
۲۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۶: ۴۴۷، رقم: ۸۸۴۴

(۲) ۱۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۴: ۲۳۰، الرقم: ۱۹۵۶۱
۲۔ أبو یعلی، المسند، ۱: ۴۰۰، رقم: ۵۲۳

۱۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُسَلِّطَنَّ اللهُ عَلَيْكُمْ شِرَارَكُمْ، ثُمَّ يَدْعُوْ خِيَارُكُمْ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔ (۱)

’’تم ضرور بالضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرتے رہو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تم میں سے برے لوگوں کو تم پر مسلط کردے گا۔ پھر تم میں سے جو اچھے لوگ ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے (مدد کی) دعا کریں گے لیکن ان کی دعا تمہارے حق میں قبول نہیں ہوگی۔‘‘

۱۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ہم نے عرض کیا: ’’یارسول اللہ! ہم اس وقت تک نیکی کا حکم نہیں دیں گے جب تک ہم مکمل طور پر خود اس پر عمل نہیں کر لیتے اور نہ اس وقت تک برائی سے منع کریں گے جب تک ہم مکمل طور پر خود اس سے اجتناب نہیں کر لیتے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بَلْ مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَإِنْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهِ كُلِّهِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَإِنْ لَمْ تَجْتَنِبُوْهُ كُلَّهُ (۲)

’’(نہیں) بلکہ نیکی کا حکم دو اگرچہ تم مکمل طور پر اس پر عمل نہ بھی کرسکو اور برائی سے منع کرو اگرچہ مکمل طور پر اس سے اجتناب نہ بھی کرسکو (یعنی اگر ممکنہ حد تک عمل کرتے ہو تب بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرو)۔‘‘

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۲۲۴، رقم: ۱۳۰۱
۲۔ بزار، المسند، ۱: ۲۹۲۔۲۹۳، رقم: ۱۸۸

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۶: ۳۶۵، رقم: ۶۶۲۸
۲۔ طبرانی، المعجم الصغير، ۲: ۱۷۵، رقم: ۹۸۱

داعی کے اَوصاف

عملِ دعوت ایک پیغمبرانہ مشن ہے۔ اَعلیٰ اخلاق اور اَعلیٰ مقاصد کے لئے کام کرنا داعی کا اَوّلین وتیرہ ہونا چاہئے۔ انسانیت کے لئے خیر اور بھلائی کا موجب بننے والے مخصوص لوگ ہی اس کارِ نبوت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے ہیں۔ ذیل میں ہم داعی کے اوصاف اختصار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں:

ا۔ خلوصِ نیت

داعی کے اقوال و افعال خلوصِ نیت پر مبنی ہونے چاہئیں کیونکہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی موجبِ خیر و برکت اور باعثِ ثمرات حسنہ ہوتا ہے اور بغیر اخلاص کے دنیا اور آخرت میں کوئی اَجر وثواب نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

إِلَّا عِبَادَ اللهِ الْمُخْلَصِيْنَ○(۱)

’’(ہاں) مگر اللہ کے وہ (برگزیدہ ومنتخب) بندے جنہیں (نفس اور نفسانیت سے) رہائی مل چکی ہے○‘‘

ہر عمل کا دار و مدار حسنِ نیت پر ہے، لیکن دعوت کا تعلق بطور خاص باطن کی نیت سے ہے۔ نیت جتنی نیک اور خالص ہوگی عمل میں اُسی قدر برکت اور کشش ہوگی۔ مشہور حدیثِ مبارکہ کے الفاظ ہیں:

الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَلِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا، أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.(۲)

---

(۱) الصافات، ۳۸:۴۰

(۲) ا۔ بخاري، الصحيح، كتاب الإيمان، باب ما جاءَ أَنَّ الأعمال بِالنِيّةِ والحِسْبَةِ وَلِكُلِّ امْرِىءٍ مَانَوَى، ۱: ۳۰، رقم: ۵۴

←

''اَعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اُس نے نیت کی۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے لئے شمار ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہوئی تو اس کی ہجرت اُسی کے لیے ہے جس کی طرف اُس نے ہجرت کی۔''

۲۔عمل و کردار میں پختگی

امرِ حق کے داعی کے لئے لازمی ہے کہ اس کا عمل بھی اس کے موافق ہو۔ عمل کی دلیل چونکہ زیادہ قوی ہوتی ہے اس وجہ سے خود اس کا رویہ اس کے دعوی کے خلاف ایسی حجت ہے کہ اس کے بعد اس کی تردید کے لئے کسی اور حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ دین پر ایمان بھی لائیں، اس کی دعوت بھی دیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں اس پر عمل بھی کریں۔

اسی لئے داعی کا صاحبِ کردار ہونا ضروری ہے۔ کوئی صاحبِ کردار تبھی بن سکتا ہے جب وہ شریعتِ مصطفیٰ ﷺ پر پوری طرح عمل کرے۔ جب تک وہ خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا اسے دوسروں کو دین پر عمل کرنے کی دعوت دینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○[1]

''اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو ○''

.... ۲۔ كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي، ۱: ۳، رقم: ۱

۳۔ مسلم في الصحيح، كتاب الإمارة، باب قوله إنما الأعمال بالنية وأنه يدخل فيه الغزو وغيره من الأعمال، ۳: ۱۵۱۵، رقم: ۱۹۰۷

(۱) الصف، ۶۱: ۲

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رَأَيْتُ لَيْلَةً أُسْرِىَ بِي رِجَالًا تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِضَ مِنْ نَارٍ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ؟ فَقَالَ: اَلْخُطَبَاءُ مِنْ أُمَّتِكَ يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ، وَ يَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ۔(۱)

''میں نے معراج کی شب دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ ہیں جو لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے۔ (یعنی خود نیک کام نہ کرتے تھے۔)''

کردار خود بولتا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کوئی دلیل نہیں جو اس کے حق ہونے پر دلالت کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو توحیدِ باری تعالیٰ کی پہلی دلیل کے طور پر اپنی چالیس سالہ زندگی کو پیش کیا۔ چنانچہ قرآنِ حکیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝(۲)

''بیشک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کر چکا ہوں، سو کیا تم عقل نہیں رکھتے۝''

اس لئے داعی کا کردار ایسا ہونا چاہئے کہ اس میں کہیں کوئی جھول نظر نہ آئے بلکہ اس کا کردار خود اس کی گواہی بن جائے۔

(۱) صحیح ابن حبان، ۱: ۲۴۹، رقم: ۵۳

(۲) یونس، ۱۰: ۱۶

۳۔ کتاب و سنت کا وسیع مطالعہ

داعی کتاب و سنت کی تعلیمات سے نہ صرف واقفیت رکھتا ہو بلکہ اس کا صحیح فہم بھی اسے حاصل ہو، کیونکہ جب تک وہ خود قرآن و سنت اور سیرت مطہرہ کے صحیح فہم سے بہرہ ور نہ ہوگا دوسروں کو کیونکر اس سے آشنا کر سکتا ہے اور کس طرح اس کی تعلیم لوگوں میں عام کر سکتا ہے، لہٰذا معاشرے کی اصلاح کا بیڑہ اٹھانے سے پہلے داعی کو چاہیئے کہ وہ خود قرآن و سنت کے علوم کی معرفت حاصل کرے۔

۴۔ صبر و اِستقامت

داعی کا صبر کی صفت سے متصف ہونا ازبس ضروری ہے۔ داعی کو خاص طور پر پیکرِ صبر ہونا چاہیئے تاکہ دین کی دعوت کے سلسلے میں آنے والے مصائب و آلام، تنگی و ترشی اور ناسازگار حالات کا پامردی سے مقابلہ کر سکے۔ اسے ذاتی کردارکشی سمیت بے شمار چیلنجز کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ یہ قرآنی ضابطہ ہے کہ جب بھی حق کی بات کی جائے گی باطل و طاغوت راہ میں ہر طرح کی رکاوٹ ڈالنے کے اقدام کریں گے۔ سورہ العصر میں اہل صبر و عزیمت کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا گیا:

وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِo [1]

”اور (معاشرے میں) ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور (تبلیغِ حق کے نتیجے میں پیش آمدہ مصائب و آلام میں) باہم صبر کی تاکید کرتے رہےo“

قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر اہل حق کو صبر کی تلقین کی ہے اور صبر کرنے والوں کا اجر اور درجہ بیان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا۔ [2]

---

(۱) العصر، ۱۰۳: ۳

(۲) آل عمران، ۳: ۲۰۰

’’اے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدمی میں (دشمن سے بھی) زیادہ محنت کرو۔‘‘

۲۔ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ○[1]

’’بلاشبہ صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بے حساب انداز سے پورا کیا جائے گا○‘‘

ہمارے آقا و مولا حضور نبی اکرم ﷺ کی ساری حیات طیبہ صبر و شکر اور قناعت کی مظہر اتم تھی۔ ایک کامیاب داعی وہی ہے جو صبر کے عظیم وصف سے متصف ہو اس طرح کہ صبر اس کی عادت ثانیہ بن جائے۔

استقامت کسی عمل پر ثابت قدم رہنے کو کہتے ہیں۔ داعی کو لازم ہے کہ وہ ہر حال میں اطاعت وتقویٰ اور صبر و استقامت پر قائم رہے اور اس کے قدم ڈگمگانے نہ پائیں، چاہے اس کی راہ میں کتنے ہی مصائب و آلام کے پہاڑ حائل ہوں بلکہ ہونا یہ چاہیئے کہ حالات جتنے زیادہ پریشاں کن ہو جائیں، داعی کے کام میں اتنی ہی زیادہ تیزی آ جائے۔ یہ چیز اس کے ایمان کا جزو بن جائے کہ راہِ حق پر جس قدر زیادہ استقامت آئے گی اسی قدر اس پر اللہ کی عنایات ونوازشات کی بارش ہونے لگے گی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ○[2]

’’بیشک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ (اِس پر مضبوطی سے) قائم ہوگئے، تو اُن پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اورتم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا○‘‘

---

(۱) الزمر، ۳۹: ۱۰

(۲) حم السجدة، ۴۱: ۳۰

دعوت کا کام کرنے والوں کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا جاتا ہے کہ اللہ ان کے ساتھ ہے اس لئے وہ غم نہ کریں اور استقامت کے ساتھ اپنے مشن پر قائم رہیں۔ قرآنِ حکیم میں استقامت اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَo(۱)

''بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر انہوں نے استقامت اختیار کی تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گےo''

لہٰذا ضروری ہے کہ داعی استقامت کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو خاطر میں نہ لائے اور یکسو ہو کر دین اور مشن کے کام کو آگے بڑھانے میں سستی اور کم ہمتی نہ دکھائے۔

۵۔ حسنِ خلق

حسنِ خلق اور خوش خلقی کے بغیر کوئی دعوت کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی، یہ وہ وصف ہے جس سے دشمن کو بھی دوست بنایا جا سکتا ہے۔ داعی کے لئے ضروری ہے کہ تبسم اور شگفتگی کے آثار ہر وقت اس کے چہرے پر نمایاں رہیں۔ اس کا حسنِ اخلاق اور گرم جوشی کا انداز ایسا ہو کہ جس کسی سے ایک بار ملے وہ دوبارہ اس سے ملنے کی خواہش کرنے لگے۔ خوش خلقی کا پہلا مظہر حسنِ گفتار ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔(۲)

''اور عام لوگوں سے (بھی نرمی اور خوش خُلقی کے ساتھ) نیکی کی بات کہنا۔''

---

(۱) الاحقاف، ۴۶:۱۳

(۲) البقرہ، ۲:۸۳

خوش گفتاری اور قول کی نرمی سے سامعین میں رغبت پیدا ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم داعیٔ اول حضور نبی اکرم ﷺ کے خلق کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○(۱)

''اور بیشک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں○''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے خلق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواباً فرمایا: **كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن** یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کا خلق سراسر قرآن ہی تو ہے۔(۲)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خندہ روئی کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ أحدًا أكثَرَ تبَسُّمًا من رَسولِ اللهِ ﷺ۔(۳)

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کی نظر میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جس کے اخلاق بہترین ہوں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

إِنَّ خِيَارِكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا۔(۴)

''تم میں سے بہترین افراد وہ ہیں جو اخلاق کے اعتبار سے اچھے ہوں۔''

---

(۱) القلم، ۶۸: ۴

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۳۰، رقم: ۷۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۹۱، رقم: ۲۴۶۴۵

(۳) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب المناقب باب في بشاشة النبي ﷺ، ۶، ۳۰، رقم: ۳۶۴۱

(۴) بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب حُسْنِ الْخُلُقِ وَالسَّخَاءِ وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الْبُخْلِ، ۵: ۲۲۴۵، رقم: ۵۶۸۸

۶۔تواضع و اِنکساری

تواضع اور انکساری داعی کا اہم ترین وصف ہے۔ یہ اسے نفس کے حملوں سے بچانے کے لئے اسلحہ کا کام دیتا ہے یہ اسے احساس برتری سے بھی بچائے رکھتا ہے۔ چنانچہ داعی کے طرزِ زندگی اور طرزِ عمل سے عجز و تواضع کی جھلک نظر آنی چاہیئے۔ اسے تکبر سے اتنی ہی نفرت ہونی چاہیئے جتنی کہ کفر و شرک سے ہر بندۂ مومن کو نفرت ہے۔ تکبر وہ چیز ہے جو بارگاہِ الٰہی میں مردود بنا دیتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں تکبر کو ہدف لعنت و مذمت اور تواضع و انکساری کو بارگاہِ خداوندی میں محبوب و پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ شیطان نے تکبر کیا تو راندۂ درگاہ بنا دیا گیا جس کا ذکر قرآن حکیم نے یوں فرمایا:

اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ۔[1]

’’اس نے انکار اور تکبر کیا اور (نتیجتاً) کافروں میں سے ہو گیا۔‘‘

امت کی تعلیم و تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے روئے خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

وَاخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○[2]

’’اور آپ اپنا بازوئے (رحمت و شفقت) ان مومنوں کے لئے بچھا دیجئے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی ہے○‘‘

بندوں کی اسی تواضع کو اللہ تعالیٰ نے ان کلمات کے ساتھ سراہا۔

وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ هَوۡنًا۔[3]

---

(۱) البقرہ، ۲:۳۴

(۲) الشعراء، ۲۶: ۲۱۵

(۳) الفرقان، ۲۵: ۶۳

’’اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں۔‘‘

مختصراً یہ کہ جب تواضع و انکساری اختیار کئے بغیر انسان اللہ کا بندہ نہیں بن سکتا تو کیسے ممکن ہے کہ تواضع اختیار کئے بغیر وہ داعی بن سکے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہئے کہ داعی اپنے اندر عجز و انکساری پیدا کرے۔

۷۔ عفو و درگزر

ایک داعی کے اندر عفو و درگزر کی صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہونی چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ○ (۱)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) آپ درگزر فرمانا اختیار کریں، اور بھلائی کا حکم دیتے رہیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں○‘‘

اس آیہ کریمہ میں داعی کے لئے بڑا سبق ہے کہ اگر دورانِ دعوت کوئی شخص تم سے زیادتی روا رکھے تو اسے معاف کردو اور اپنی دعوت کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھو۔ داعی کو درج ذیل ارشاد ربانی کو حرز جاں بنا لینا چاہئے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (۲)

’’سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لئے بخشش مانگا کریں۔‘‘

عفو و درگزر بڑی فضیلت اور اجر کا باعث عملِ خیر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔ (۳)

---

(۱) الاعراف، ۷:۱۹۹

(۲) آل عمران، ۳: ۱۵۹

(۳) الشوریٰ، ۴۲:۴۰

''اور برائی کا بدلہ اسی برائی کی مِثل ہوتا ہے، پھر جِس نے معاف کر دیا اور (معافی کے ذریعہ) اصلاح کی تو اُسکا اجر اللہ کے ذمّہ ہے۔''

۸۔ صداقت

راست روی، راست بازی، ظاہر و باطن کی یکسانیت اور قول کا سچا ہونا یہ داعی کے لئے لازمی صفات ہیں جو شخص اپنے آپ سے یہ عہد کرے کہ وہ ہمیشہ سچ بولے گا اور جھوٹ کے قریب نہیں پھٹکے گا اس کے لئے بدی سے بچنا اور نیکی کی راہ اختیار کرنا سہل ہو جاتا ہے۔ سچ بولنے کے نتیجے میں اس کا ظاہر و باطن پاک اور کردار پختہ بن جاتا ہے۔ یہی کردار ایک کامیاب داعی کا اثاثہ ہے۔ راست گفتاری انسان کے اندر بلند حوصلگی اور شجاعت پیدا کرتی ہے۔ اس بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے جب آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور آپ ﷺ نے قبیلہ قریش کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا: اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پار ایک لشکر ہے جو تھوڑی ہی دیر میں تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کرلو گے؟ وہ یک زبان پکار اٹھے: ہاں کیوں نہیں؟ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا۔ اس پر آپ نے اسے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے انہیں توحید الٰہیہ کی دعوت دی۔

اسی طرح جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے سیرت و کردار کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ سچ اور راست بازی سے کام لیا اور مصلحتاً بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جو حقیقت کے خلاف ہو۔ قرآن حکیم میں جا بجا اہل ایمان کو سچائی اور صداقت کا درس دیا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۝ (۱)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اہلِ صدق (کی معیت) میں شامل رہو۝''

---

(۱) التوبہ، ۹: ۱۱۹

۲۔ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِo[۱]

''(یہ لوگ) صبر کرنے والے ہیں اور قول و عمل میں سچائی والے ہیں اور ادب و اطاعت میں جھکنے والے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں اور رات کے پچھلے پہر (اٹھ کر) اللہ سے معافی مانگنے والے ہیںo''

آقائے دوجہاں ﷺ نے سچ اور راست بازی کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يَكُونَ صِدِّيقًا وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔[۲]

''بیشک سچائی بھلائی کی طرف ہدایت کرتی ہے اور بھلائی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ صدیق ہو جاتا ہے اور جھوٹ بدکاریوں کی طرف لے جاتا ہے اور بدکاریاں جہنم میں پہنچاتی ہیں اور آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذّاب لکھ دیا جاتا ہے۔''

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۷

(۲) ۱۔ بخاری الصحیح، ، کتاب الأدب، باب، يَا ايها الَّذِيْنَ امنوا اتَّقُوْا اللہ، ۵، ۲۲۶۱، رقم: ۵۷۴۳

۲۔ صحیح مسلم، کتاب البروالصلة، باب، قبح الکذب، و حسن الصدق، ۴: ۲۰۱۲، رقم: ۲۶۰۷

۹۔ توکل

قطع نظر اس سے کہ داعی کی دعوت کے مطلوبہ نتائج پیدا ہوں یا نہ ہوں، اس کی ذمہ داری اتنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کرے اور اس بات پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فرمان ہے کہ جب تم کسی کام کا ارادہ کر لو تو پھر اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آگے بڑھو اور اللہ تعالیٰ پر مکمل توکل کرتے ہوئے اس کا انجام اس پر چھوڑ دو، ارشاد ربّانی ہے:

۱۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ؕ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ○(۱)

''پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں، بیشک اللہ توکّل والوں سے محبت کرتا ہے ○''

۲۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔(۲)

''اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ (اللہ) اسے کافی ہے۔''

۳۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَإِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○(۳)

''جو کوئی اللہ پر توکل کرتا ہے تو (اللہ اس کے جملہ امور کا کفیل ہو جاتا ہے) بیشک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○''

داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ پوری دلجمعی اور بے نفسی سے اپنے کام میں لگا رہے اور اس کا اس بات پر کامل ایمان ہو کہ اللہ حیی و قیوم اور قدیر و علیم ہے اور وہی اس کے کام کو نتیجہ خیز بنا کر چھوڑے گا۔

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۵۹

(۲) الطلاق، ۶۵: ۳

(۳) الانفال، ۸: ۴۹

۱۰۔ ریاضت و مجاہدہ

دعوت دین کا کام مسلسل محنت اور ریاضت و مجاہدہ کا متقاضی ہے۔ داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ تقویٰ و طہارت، پاکیزگی و نظافت اور عبادت و طاعت الٰہی کا پیکر بن جائے اور اپنے اندر راہِ حق میں آنے والے مصائب و آلام کی برداشت کا حوصلہ پیدا کرے۔ داعی کی زندگی کا ہر ہر لمحہ مجاہدہ میں بسر ہو کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور نفس و شیطان کے خلاف علمِ جہاد بلند کرتے ہیں اللہ ان کے لئے راہیں کھول دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ○[1]

’’اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد (اور مجاہدہ) کرتے ہیں تو ہم یقیناً انہیں اپنی (طرف سَیر اور وصول کی) راہیں دکھا دیتے ہیں، اور بیشک اللہ صاحبانِ احسان کو اپنی معیّت سے نوازتا ہے○‘‘

اس آیہ کریمہ میں مجاہدہ جہاں دین کی سربلندی کے لئے ہمہ تن گوش رہنا اور اس کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات و تکالیف کو برداشت کرنا ہے وہاں اس سے مراد انسان کا اپنا تزکیۂ نفس بھی ہے کیونکہ اپنے باطن کو پاک و صاف کر لینے کے بعد ہی بندہ اس قابل ہوتا ہے کہ معاشرے میں سرعت کے ساتھ پھیلتی ہوئی برائی کے خاتمے کے لئے مؤثر کوشش کر سکے، جب تک خود انسان کے نفس و باطن کی اصلاح نہ ہو دوسروں کی اصلاح کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى○[2]

---

(۱) العنکبوت، ۶۹:۲۹

(۲) الاعلیٰ، ۱۴:۸۷

’’بیشک وہی بامراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہ کی آلودگیوں سے) پاک ہوگیا٥‘‘

پس داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے نفس و باطن کی تہذیب و تطہیر کرے اور پھر دوسروں کو دعوت دے۔

۱۱۔ تقویٰ و طہارت

داعی دعوت کا حق تبھی ادا کر سکے گا جب اس کی ذات تقویٰ و طہارت کی پیکر بن جائے اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ احکام الٰہیہ کی بجا آوری میں بسر ہو۔ تقویٰ کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ بندہ ان امور سے بے نیاز ہو جائے جن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس داعی کے لئے لازمی ہے کہ وہ تقویٰ و طہارت کو اپنا شعار بنا لے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ٥ (۱)

’’اور اللہ سے ڈرتے رہو بشرطیکہ تم (واقعی) صاحبِ ایمان ہو٥‘‘

دوسرے مقام پر طہارت کے باب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ط لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ٥ (۲)

’’(اے حبیب!) آپ اس (مسجد کے نام پر بنائی گئی عمارت) میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ وہ مسجد، جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی

(۱) المائدہ، ۵: ۵۷

(۲) التوبۃ، ۹: ۱۰۸

ہے، حقدار ہے کہ آپ اس میں قیام فرما ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو (ظاہراً و باطناً) پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ طہارت شعار لوگوں سے محبت فرماتا ہےo''

۱۲۔قوّتِ اِرادی

داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مضبوط قوتِ ارادی کا مالک ہو کیونکہ قوت ارادی ہی وہ وصف ہے جس پر دیگر تمام اوصاف کا انحصار ہے۔ جب داعی خود قوتِ ارادی کے اعتبار سے کمزور اور اپنی کمزوریوں اور خامیوں کو دور کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوگا تو اس سے دوسروں کی اصلاح کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔

۱۳۔شخصی وجاہت

پہلی چیز جو کسی کو متاثر کرتی ہے وہ داعی کی ظاہری شخصیت ہے۔ لوگ پہلے ہی نظر میں اندازہ لگالیتے ہیں کہ وہ کیسی شخصیت کا مالک ہے۔ داعی میں علم و دانش اور عمل و کردار کی پختگی کے ساتھ ساتھ شخصی وجاہت کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ اِنّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۱)

''(نبی نے) فرمایا: بیشک اللہ نے اسے تم پر منتخب کر لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرما دی ہے۔''

۱۴۔ملنساری

ضروری ہے کہ داعی میں ملنساری، میل ملاپ اور لوگوں سے گھل مل جانے کی صفت بدرجہ اتم موجود ہو تا کہ اس سے مل کر مانوسیت کا احساس اجاگر ہو۔ اسی کے پیشِ نظر

(۱) البقرہ، ۲: ۲۴۷

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا تھا کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو آپ کی صحبت میں رہنا پسند کرتے ہیں زیادہ وقت دیا کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۔(۱)

”(اے میرے بندے!) تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھا کر جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں (اس کی دید کے متمنی اور اس کا مکھڑا تکنے کے آرزو مند ہیں) تیری (محبت اور توجہ کی) نگاہیں ان سے نہ ہٹیں۔“

اس آیہ کریمہ میں گویا حضور نبی اکرم ﷺ کی وساطت سے داعی کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ رہے۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہو تاکہ ان کے اندر اپنائیت کا احساس پیدا ہو اور وہ بہتر انداز سے ان کی تعلیم و تربیت کر سکے۔ ایک داعی میں ان اوصاف کا پایا جانا اشد ضروری ہے۔

۱۵۔ دینی عصبیت و حمیت

ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ بوقت ضرورت اس کی خاطر جان تک قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ اپنے دینی بھائیوں کے لئے ہمدردی اور رحمت کا جذبہ ہو اور جو دین دشمن قوتیں ہیں ان سے نفرت ہو۔ قرآن حکیم میں مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ آپس میں محبت رکھتے ہیں جبکہ کفار و مشرکین کے ساتھ ان کا رویہ سخت ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔(۲)

(۱) الکہف، ۱۸: ۲۸

(۲) الفتح، ۴۸: ۲۹

’’محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ (ﷺ) کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔‘‘

پس جب تک ایک داعی کے اندر اپنے دین کے لئے اپنے رفقاء اور مخالفین کی نسبت اس قدر عصبیت وحمیت نہ پائی جائے وہ کامیاب داعی نہیں قرار دیا جاسکتا۔

۱۶۔ برداشتِ مُلامت

داعی کو چاہیے کہ دعوت الی اللہ کے نام پر ہونے والی لعن طعن اور ملامتوں سے بد دل اور بے حوصلہ نہ ہو بلکہ انہیں برداشت کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ مخالفوں کے طعن وتشنیع، زبان درازیوں کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اس کی تمام تر توجہ اس مقصد کی طرف ہونی چاہیے جس کے لئے وہ اس قدر محنت ومشقت کر رہا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان پیشِ نظر رکھنا چاہیے جس میں اس نے اپنے محبوب ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے یہ تسلی آمیز کلمات ارشاد فرمائے ہیں:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ۔(۱)

’’اور (اے حبیبِ مکرّم! اِن کی باتوں سے غمزدہ نہ ہوں) آپ اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر جاری رکھئے۔‘‘

گویا جب بندہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں آنے والی ہر مزاحمت اور رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ہر قسم کے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا اپنا شعار بنالے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرے تو حق کو سربلند ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر قوم اجتماعی طور پر اس عزیمت کی راہ میں نکل آئے تو پھر وہ وقت زیادہ دور نہیں ہوگا جب ہر آنکھ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ(۲) کا عملی نظارہ کرے۔

---

(۱) الطور، ۵۲:۴۸

(۲) التوبۃ، ۹: ۳۳

۱۷۔ مخاطبین کی نفسیات کا لحاظ

داعی کو لوگوں کی نفسیات، رجحانات و میلانات اور ان کے حالات کا بخوبی علم ہونا چاہئے۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک شخص معاشی الجھنوں میں مبتلا ہے اور اسے معاشی مسئلہ اور اس کے حل کے سوا اور کوئی بات نہیں سوجھتی، اگر اس سے نظام سیاست، تعلیم اور معیشت میں اصلاح و تبدیلی کی بات کی جائے تو اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ اسی طرح ایک شخص جو بھوک اور فاقہ کشی کا عذاب سہہ رہا ہے اس سے توکل کے موضوع پر خطاب کیا جائے تو اس کا اس پر اثر نہیں ہوگا۔

اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ حکمت کو نظر انداز کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ ناکامی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ حکمت کو پیش نظر نہ رکھنے سے سچ بات اور کلمۂ حق کا اثر زائل ہو جاتا ہے اس لئے دعوت دیتے وقت حکمت سے کام لینا چاہیے تاکہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ دل کی دنیا میں انقلاب لاسکیں۔

ایک وحشت زدہ شخص نارِ جہنم اور خوفِ آخرت کی باتوں سے اور وحشت زدہ ہو جاتا ہے۔ اس کی نفسیات کا تقاضا ہے کہ اس سے دوزخ کے عذاب کی باتیں کرنے کی بجائے اللہ کی رحمت و بخشش، فضل و کرم اور اخروی نعمتوں کی بات کی جائے تاکہ اس کی طبیعت دین کی طرف راغب ہو۔ ایک داعی الی اللہ کو حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق دین کو آسان بنا کر پیش کرنا چاہیے۔

دعوت پر اِستقامت کے ثمرات

داعی کے لئے بے شمار انعامات و اکرامات سے ہیں، نزول ملائکہ ہوتا ہے اور بشارتیں ملتی ہیں۔ دعوت پر استقامت کے ثمرات کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا

تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَo نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ج وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَo نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍo[1]

’’بیشک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ (اِس پر مضبوطی سے) قائم ہوگئے، تو اُن پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور تم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھاo ہم دنیا کی زندگی میں (بھی) تمہارے دوست اور مددگار ہیں اور آخرت میں (بھی)، اور تمہارے لئے وہاں ہر وہ نعمت ہے جسے تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے وہاں وہ تمام چیزیں (حاضر) ہیں جو تم طلب کروo (یہ) بڑے بخشنے والے، بہت رحم فرمانے والے (رب) کی طرف سے مہمانی ہےo‘‘

ان آیاتِ مبارکہ میں دعوت پر استقامت کے درج ذیل ثمرات بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ نزولِ ملائکہ

جب داعی صاحبِ استقامت بن جائے تو اس پر فرشتے اترتے ہیں۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو ملائکہ اس کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں اور آسمانوں تک اس جگہ کو بھر دیتے ہیں۔

۲۔ خوف و حزن سے نجات

دعوت پر استقامت سے داعی کو بے خوفی کی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا سامنے آ جائے اس کا دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔

(۱) حم السجدة، ۴۱: ۳۰-۳۲

پس اگر کوئی صاحبِ دعوت بے خوف وغم اور حوصلہ مند ہو تو یہ دو علامتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس پر ملائکہ اتر رہے ہیں۔

۳۔ جنت کی بشارت

صاحبِ استقامت اہل ایمان پر اترنے والے فرشتے انہیں دنیا و آخرت کی خوشخبریاں دیتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝[1]

’’ان کے لئے دنیا کی زندگی میں (بھی عزت و مقبولیت کی) بشارت ہے اور آخرت میں (بھی مغفرت و شفاعت کی/یا دنیا میں بھی نیک خوابوں کی صورت میں پاکیزہ روحانی مشاہدات ہیں اور آخرت میں بھی حُسنِ مطلق کے جلوے اور دیدار)، اللہ کے فرمان بدلا نہیں کرتے، یہی وہ عظیم کامیابی ہے۝‘‘

۴۔ دنیا و آخرت میں فرشتوں کی معیت

جو داعی صاحبِ استقامت ہو کر بے خوف اور سراپا توکل بن جائے تو دنیا و آخرت میں ملائکہ کو اس کا رفیق بنا دیا جاتا ہے۔ ذرا غور کریں اس پیکر خاکی کی عظمت کا کیا عالم ہوگا جسے فرشتے آ کر کہیں کہ ہم تمہارے رفیق ہیں۔

۵۔ اُخروی اِنعامات

دنیا میں عطا کئے جانے والے ثمرات کے بعد اہلِ ایمان کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور اس میں ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جس کو ان کا دل چاہے گا اور جو کچھ وہ

---

(۱) یونس، ۱۰: ۶۴

طلب کریں گے۔ یہ ایک جامع بشارت دی گئی کہ ہر ایک کو اس کی طلب کے مطابق وہاں عطا کیا جائے گا۔ اہل عبادت کو تو جنت اور اس کی نعمتیں ملیں گی مگر اہل محبت کو خود مالکِ جنت اللہ رب العزت ملے گا۔

۶۔ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ

اہلِ محبت کو اللہ تعالیٰ اپنی قربت سے نوازے گا اور ان کی اپنی شانِ کریمی سے خود میزبانی فرمائے گا۔

یہ تمام ثمرات و انعامات انہی کا نصیب ہوں گے جو دعویٰ توحید میں صادق اور صاحبِ استقامت ہوں گے اور دعوت الی اللہ کے راستے پر زندگی بھر کاربند رہنے والے ہوں گے۔

دعوت و تبلیغ سے غفلت کے نتائج

احکامِ الٰہی کی اطاعت اگر نعمتوں اور برکتوں کے نزول کا سبب ہے تو اس کی نافرمانی عذابِ الٰہی کو دعوت دینے سے مترادف ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ○(۱)

’’پھر جب وہ ان (سب) باتوں کو فراموش کر بیٹھے جن کی انہیں نصیحت کی گئی تھی (تو) ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو برائی سے منع کرتے تھے (یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے تھے) اور ہم نے (بقیہ سب) لوگوں کو جو (عملاً یا سکوتاً) ظلم کرتے تھے نہایت برے عذاب میں پکڑ لیا۔ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کر رہے تھے○‘‘

---

(۱) الأعراف، ۷: ۱۶۵

احادیث مبارکہ میں دعوت وتبلیغ سے غافل رہنے والوں کے لئے عذابِ الٰہی کی وعید ہے:

۱۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''(بروزِ قیامت) ایک شخص کو لایا جائے گا پھر اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا تو وہ اس کے اندر اس طرح گھومے گا جیسے چکّی چلانے والا گدھا گھومتا ہے۔ جہنمی اس کے گرد جمع ہوجائیں گے اور پوچھیں گے: اے فلاں! کیا تو وہی شخص نہیں جو اچھی باتوں کا حکم دیتا تھا اور بری باتوں سے منع کیا کرتا تھا؟ وہ جواب دے گا:

إِنِّي كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا أَفْعَلُهُ وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَفْعَلُهُ[1]

''میں اچھی باتوں کا حکم تو دیتا تھا لیکن خود اس پر (بالکل) عمل نہیں کرتا تھا اور برے کاموں سے منع کرتا تھا لیکن خود اس سے باز نہیں رہتا تھا۔''

۲۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں نرمی برتنے والے اور ان میں مبتلا ہونے والے کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جنہوں نے کشتی میں (سفر کرنے کے سلسلے میں) قرعہ اندازی کی تو بعض کے حصے میں نیچے والا حصہ آیا اور بعض کے حصے میں اوپر والا۔ پس نیچے والوں کو پانی کے لیے اوپر والوں کے پاس سے گزرنا ہوتا تھا تو اس سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ (چنانچہ اس خیال سے کہ اوپر کے لوگوں کو ان کے آنے جانے سے تکلیف ہوتی ہے) نیچے والوں میں سے

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب: الفتن، باب: الفتنة التي تموج كموج البحر، ۶: ۲۶۰۰، رقم: ۶۶۸۵

ایک شخص نے کلہاڑا لیا اور کشتی کے نچلے حصے میں سوراخ کرنے لگا۔ تو وہ اس کے پاس آئے اور کہا: تجھے کیا ہوگیا ہے؟ اس نے کہا: تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اور پانی کے بغیر میرا گزارہ نہیں۔ پس اگر انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے بچالیا تو خود بھی بچ گئے، اگر اسے چھوڑ دیا تو اسے ہلاک کر دیا اور انہوں نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کرڈالا۔‘‘(۱)

۳۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ. فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ. فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ. وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ۔(۲)

’’تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے اور اگر اپنے ہاتھ سے نہ روک سکے تو اپنی زبان سے روکے اور اگر اپنی زبان سے بھی روکنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو (کم از کم اس برائی کو) اپنے دل میں برا جانے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔‘‘

۴۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الشهادات، باب القرعة في المشكلات، ۲: ۹۵۴، رقم: ۲۵۴۰

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب: ما جاء في تغيير المنكر باليد أو باللسان أو بالقلب، ۴: ۴۷۰، رقم: ۲۱۷۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب: الإیمان، باب: بیان کون النهي عن المنكر من الإیمان، ۱: ۶۹، رقم: ۴۹

۲۔ ترمذي، الجامع الصحيح، أبواب الفتن، باب ما جاء في تَغُيير المنكر باليد أو باللسان أو بالقلب، ۴: ۴۳، رقم: ۲۱۷۲

إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوْا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ.(۱)

''جب لوگ ظالم کو (ظلم کرتا) دیکھیں اور اسے (ظلم سے) نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے۔''

۵۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب بنی اسرائیل میں خرابی واقع ہوئی اس وقت ان میں سے بعض لوگ اپنے دوسرے بھائی کو گناہ کرتے دیکھ کر منع کرتے۔ جب دوسرا دن ہوتا تو اس خیال سے نہ روکتے کہ اس کے ساتھ کھانا پینا اور ہم مجلس ہونا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو باہم مخلوط کر دیا اور قرآن حکیم میں ان کے بارے میں (یہ حکم) نازل فرمایا:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ○ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ○ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ○(۲)

''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا تھا انہیں داؤد اور عیسٰی ابن مریم

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب الفتن، باب ما جاء في نزول العذاب إذا لم يغير المنكر، ۴: ۴۰، رقم: ۲۱۶۸

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الفتن، باب: الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ۲: ۱۳۲۷، رقم: ۴۰۰۵

(۲) المائده، ۵: ۷۸، ۸۱

(علیهما السلام) کی زبان پر (سے) لعنت کی جاچکی (ہے)۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھےo (اور اس لعنت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ) وہ جو برا کام کرتے تھے ایک دوسرے کو اس سے منع نہیں کرتے تھے۔ بیشک وہ کام برے تھے جنہیں وہ انجام دیتے تھےo آپ ان میں سے اکثر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ کیا ہی بری چیز ہے جو انہوں نے اپنے (حسابِ آخرت) کے لئے آگے بھیج رکھی ہے (اور وہ) یہ کہ اللہ ان پر (سخت) ناراض ہوگیا، اور وہ لوگ ہمیشہ عذاب ہی میں (گرفتار) رہنے والے ہیںo اور اگر وہ اللہ پر اور نبی (آخرالزماں ﷺ) پر اور اس (کتاب) پر جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے ایمان لے آتے تو ان (دشمنانِ اسلام) کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیںo‘‘

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ تکیہ لگائے ہوئے تھے پس آپ ﷺ اُٹھ بیٹھے اور فرمایا:

لَا، حَتَّی تَأْخُذُوْا عَلَی یَدَ الظَّالِمِ فَتَأْطُرُوْهُ عَلَی الْحَقِ أَطْرًا۔(۱)

’’تم بھی عذابِ الٰہی سے اس وقت تک نجات نہیں پا سکتے جب تک کہ تم ظالم کے ہاتھ پکڑ کر اسے راہ راست پر نہ لے آؤ۔‘‘

۶۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب: تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ، باب: ومن سورة المائدة، ۵: ۲۳۹، رقم: ۳۰۴۸

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الملاحم، باب: الأمر والنهي، ۴: ۱۲۶، رقم: ۴۳۳۶

مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِي قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِي يَقْدِرُوْنَ عَلَى أَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ فَلَا يُغَيِّرُوا إِلَّا أَصَابَهُمُ اللهُ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّمُوْتُوا۔ (۱)

''جو شخص بھی ایسی قوم میں رہتا ہو جس میں برے کام کئے جاتے ہوں اور لوگ ان کو روکنے کی قدرت رکھنے کے باوجود نہ روکتے ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کی موت سے قبل عذاب میں مبتلا کر دے گا۔''

۷۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی شخص اپنے نفس کو حقیر نہ جانے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی کیسے اپنے نفس کو حقیر جان سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس طرح کہ تم میں سے کوئی شخص کوئی معاملہ دیکھے اور اسے اس بات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم بھی معلوم ہو پھر بھی بیان نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن فرمائے گا:

مَا مَنَعَكَ أَنْ تَقُوْلَ فِي كَذَا وَكَذَا؟ فَيَقُوْلُ: خَشْيَةُ النَّاسِ. فَيَقُوْلُ فَإِيَّايَ كُنْتَ أَحَقَّ أَنْ تَخْشَى۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، ۴: ۱۲۲، رقم: ۴۳۳۹

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ۲: ۱۳۲۹، رقم: ۴۰۰۹

(۲) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ۲: ۱۳۲۸، رقم: ۴۰۰۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۷، رقم: ۱۱۴۵۸

’’تجھے فلاں معاملہ میں (حق بات) کہنے سے کس نے منع کیا تھا؟ وہ جواب دے گا: لوگوں کے خوف نے۔ اس پر اﷲ تعالیٰ فرمائے گا: تمہیں (ان سب سے بڑھ کر) مجھ سے ڈرنا چاہیے تھا۔‘‘

۸۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِذَنْبِ الْخَاصَّةِ. وَلَكِنْ إِذَا عُمِلَ الْمُنْكَرُ جِهَارًا اسْتَحَقُّوا الْعُقُوبَةَ كُلُّهُمْ(۱)

’’یہ معروف تھا کہ بے شک اﷲ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کے سبب عامۃ الناس کو عذاب نہیں دیتا۔ لیکن جب برائی سرعام کی جانے لگے تو سب لوگ (خاص و عام) بلا امتیاز عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔‘‘

۹۔ حضرت عبد الرحمن حضرمی بیان کرتے ہیں: مجھے اس نے خبر دی جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ مِنْ أُمَّتِي قَوْمًا يُعْطَوْنَ مِثْلَ أُجُوْرِ أَوَّلِهِمْ يُنْكِرُوْنَ الْمُنْكَرَ(۲)

’’بے شک میری امت میں ایک قوم ایسی ہے جس کو پہلے لوگوں کے اجور (ثواب) کی طرح کا اجر دیا جائے گا۔ وہ برائی سے منع کرنے والے ہوں گے۔‘‘

۱۰۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’اﷲ عزوجل نے جبریل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ فلاں فلاں شہر کو اس کے باشندگان سمیت پلٹ دو (تباہ و برباد کر کے رکھ دو)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) مالك، الموطأ، ۲: ۹۹۱، رقم: ۲۳

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۷۵، رقم: ۲۳۵۶۸

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۲۶۱، ۷: ۲۷۱

جبریل نے عرض کیا: اے میرے رب! ان میں تیرا وہ بندہ بھی ہے جس نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: رب تعالیٰ نے فرمایا:

أَقْلِبْهَا عَلَيْهِمْ، فَإِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ (۱)

''اس شہر کو ان پر پلٹ دے کیونکہ اس شخص کا چہرہ کبھی ایک گھڑی بھی میری خاطر (برائی کو دیکھ کر) متغیر نہیں ہوا۔''

حرفِ آخر

معزز قارئین! ہم نے دعوت وتبلیغ کی یہ مختصر بحث ''حسنِ اَعمال'' پر مشتمل اِس کتاب کے آخر میں رکھی ہے۔ اِس کا پہلا مقصد یہ ہے کہ وہ خوبیاں جو ایک صالح، متقی اور بہترین مسلمان مرد وعورت میں ہونی چاہییں اُنہیں حاصل کرنے کی ہر ممکن سعی ہو۔ اِسلام متحرک اور متعدی دین ہے۔ جو عمل اپنے لیے پسندیدہ اور محبوب ہوتا ہے وہی دوسروں کے لیے بھی محبوب رکھنے کا حکم ہے۔ اِنسانِ مرتضیٰ بننے کے لیے جن اَوصاف کی ضرورت ہوتی ہے اُن پر عمل کرنے اور اُن خوبیوں کو عام کرنے کے لیے پختہ سیرت و کردار اور حسنِ نیت درکار ہوتی ہے۔ یہ اَعمالِ صالحہ جب اپنی سیرت کا حصہ بن جائیں تو ضروری ہوجاتا ہے کہ اِنسان اپنے اِرد گرد کے ماحول کو بھی اِس نعمتِ عمل سے مستفید کرے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ ہماری یہ کاوِش اُمتِ مسلمہ کے خواتین و حضرات کے علم وعمل اور ایمان میں اِضافہ اور خیر و برکت کا باعث بنے گی۔

﴿آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ﴾

---

(۱) ۱۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۹۷، رقم: ۷۵۹۵

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۳۳۶، رقم: ۷۶۶۱

مآخذ و مراجع

۱۔ **القرآن الحکیم**

۲۔ **آلوسی**، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (م۱۲۷۰ھ)۔ **روح المعاني فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثاني**۔ بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث ۔

۳۔ **ابراہیم انیس**۔ **المعجم الوسیط**۔ بیروت، لبنان: ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء۔

۴۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۵۔ **اِسماعیل حقی**، علامہ حنفیؒ (م۱۱۳۷ھ)۔ **تفسیر روح البیان**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبۂ اِسلامیہ۔

۶۔ **ابن اسحاق**، محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار، ابو بکر القرشی المدنی المطلبی (م۱۵۱ھ)۔ **السیرۃ النبویۃ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۴م/ ۱۴۲۴ھ۔

۷۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان، دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۸۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **ادب المفرد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۱۸۔ ۱۸۱ھ۔

۹۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مکتبہ **العلوم والحکم**، ۱۴۰۹ھ۔

۱۰۔ **بستانی**، معلم بطرس (۱۸۱۹۔۱۸۸۳ء)۔ **محیط المحیط**۔ لبنان: مکتبہ، ۱۹۴۴۔ ۱۹۷۹۔

۱۱۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبریٰ**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۲۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **المدخل اِلٰی السنن الکبریٰ**۔ الکویت، دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۱۳۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **شُعَبُ الایمان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۴۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔ ۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **الجامع الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۱۵۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔ ۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **الشمائل المحمدیۃ**۔ المؤسسہ العالمیہ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۱۶۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔ ۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **نوادر الأصول**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۷۔ **ابن جعد**، ابو الحسن علی بن جعد بن عبید الجوہری (۱۳۴۔۲۳۰ھ/ ۷۵۰۔ ۸۴۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۸۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرك على الصحيحين** ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۹۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔ ۹۶۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۲۰۔ **حلبی**، علی بن برهان الدین۔ **السيرة الحلبية**۔ بیروت، لبنان: مکتبۃ الاسلامیۃ۔

۲۱۔ **حمیدی**، ابو بکر عبداللہ بن زبیر (م۲۱۹ھ/ ۸۳۴ء)۔ **المسند**۔ حیدر آباد الدکن، الہند: ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۳ء۔

۲۲۔ **ابن خزیمہ**، ابو بکر محمد بن اسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء۔

۲۳۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔۴۶۳ھ/ ۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ **تاريخ بغداد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۲۴۔ **خطیب تبریزی**، محمد بن عبداللہ الخطیب۔ **مشكاة المصابيح**۔ بیروت،

لبنان: دارالفکر، ۱۴۱۴۔۱۹۹۴ء۔

۲۵۔ **دارقطنی**، ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۲۶۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۲۷۔ **ابوداوٗد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۲۸۔ **ابو داوٗد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ المراسیل۔ کویت: معهد الشریعه والصناعه۔

۲۹۔ **دیلمی**، ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۷ء۔

۳۰۔ ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **سیر أعلام النبلاء**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۳۱۔ **ابن رشد**، محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی الاندلسی (۵۹۵ھ)۔ **بداية المجتهد ونهاية المقتصد**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ الکلیات الازھریۃ، ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء۔

۳۲۔ **راغب اصفہانی**، حسین بن محمد بن فضیل (۴۲۵ھ) **مفردات الفاظ القرآن**۔ بیروت، لبنان: دارالقلم دمشق، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۳۳۔ **سخاوی**، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (۹۰۲ھ)۔ **المقاصد الحسنة**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

۳۴۔ **سخاوی**، الشیخ شمس الدین محمد عبد الرحمٰن السخاوی (۹۰۲ھ)۔ **القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: المکتبہ العلمیہ، ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء۔

۳۵۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۳۶۔ **سعید بن منصور**، سعد بن عبداللہ بن عبدالعزیز آل حمید (۲۲۷ھ)۔ **سنن سعید بن منصور**۔ دارالصمیعی للنشر والتوزیع المکتبۃ العربیۃ السعودیۃ، ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء۔

۳۷۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **شرح الصدور فی أحوال الموتی والقبور**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء۔

۳۸۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الجامع الصغیر فی أحادیث البشیر النذیر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۳۹۔ **شاہ ولی اللہ**، محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ۔۱۷۶۲ء) **ہمعات**۔ حیدر آباد، پاکستان: شاہ ولی اللہ اکیڈمی، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۴۰۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ **نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر،

۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۴۱۔ **ابن ابی شیبہ**، ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ **المصنف**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۴۲۔ **ابو طالب مکی**، محمد بن علی بن عطیہ الحارثی المکی (م۳۸۶ھ) ۔**قوت القلوب**۔مصر: ۱۳۸۱۔ ۱۹۶۱م۔

۴۳۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **مسند الشامیین**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء۔

۴۴۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الأوسط**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۴۵۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء الحدیثیہ بالموصل، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء۔

۴۶۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **کتاب الدعاء**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۴۷۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۴۸۔ **طیالسی**، ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳۔۲۰۴ھ/ ۷۵۱۔۸۱۹ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء۔

۴۹۔ **عبدالرزاق**، ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔ ۸۲۶ء)۔ **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتبۃ الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۵۰۔ **عبدالقادر جیلانی**، ابو صالح شیخ عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ البغدادی (۴۷۰۔۵۶۱ھ)۔ **غنية الطالبين**۔ بیروت، لبنان: المکتبہ الثقافیہ۔

۵۱۔ **عبدالقادر جیلانی**، ابو صالح شیخ عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ الجیلانی البغدادی (۴۷۰۔۵۶۱ھ)۔ **فتوح الغيب**۔ بیروت، لبنان: المکتبہ الثقافیہ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۵۲۔ **عبدالقادر جیلانی**، ابو صالح شیخ عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ البغدادی (۴۷۰۔۵۶۱ھ)۔ **الفتح الرباني والفيض الرحماني**۔ دارالفکر بیروت، لبنان: ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۵۳۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔ ۱۱۶۲ھ/۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ **كشف الخفا و مزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۵۴۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری بشرح صحيح البخاری**۔ لاہور، پاکستان: دارنشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۵۵۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **لسان الميزان**۔ بیروت، لبنان، مؤسسۃ الأعلمی المطبوعات، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۵۶۔ **ابن عطار**، فریدالدین، **تذکرۃ الاولیاء**۔ بمبئی، مطبع فتح الکریم، ۱۳۰۵ھ۔

۵۷۔ **علی ہجویری**، ابو الحسن علی بن ابی علی عثمان جلابی غزنوی (م۵۰۰ھ)۔ **کشف**

المحجوب۔ اسلام آباد، پاکستان: انتشارات مرکز تحقیقات فارسی۔

۵۸۔ **ابوعوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۵۹۔ **عینی**، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔۸۵۵ھ/۱۳۶۱۔۱۴۵۱ء)۔ **عمدة القاری شرح صحیح البخاری**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۶۰۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد (۴۵۰۔۵۰۵/ ۱۰۵۸۔۱۱۱۱ء)۔ **إحیاء علوم الدین**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ۔

۶۱۔ **ابن فارس**، ابی الحسین احمد بن فارس بن زکریا(م۳۹۵ھ)۔ **معجم مقاییس اللغة**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربیہ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۶۲۔ **فیروز آبادی**، مجد الدین محمد بن یعقوب (م۷۱۱ء)۔ **القاموس المحیط**۔ بیروت، لبنان: المؤسسہ العربیہ للطباعہ والنشر۔

۶۳۔ **قرطبی**، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ **الجامع لاحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۶۴۔ **قشیری**، العلامہ ابی القاسم عبدالکریم بن ہوازن النیشاپوری (۳۷۶ھ/ ۹۸۶ء)۔ **الرسالة القشیریة**۔ بیروت، لبنان: دار الجمیل۔

۶۵۔ **قضاعی**، ابوعبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم قضاعی (م۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء)۔ **مسند الشهاب**۔ بیروت، لبنان:

مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۶۶۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ پاکستان: امجد اکیڈمی، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء۔

۶۷۔ **کنانی**، احمد بن ابی بکر بن اسماعیل (۷۶۲۔۸۴۰ھ)۔ **مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجة**۔ بیروت، لبنان: دارالعربیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۶۸۔ **ابن ماجہ**، ابوعبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۵ھ/ ۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۶۹۔ **ابن مبارک**، ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن واضح مروزی (۷۳۶۔ ۷۹۷ء)۔ **کتاب الذهد ویلیة کتاب الرقائق**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ۔

۷۰۔ **مالک**، ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔ ۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **الموطا**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۷۱۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۷۲۔ **مقدسی**، شیخ ضیاء الدین ابوعبداللہ محمد بن عبد الواحد بن عبد الرحمان الحنبلی (۵۶۷۔۶۴۳ھ)۔ **الاحایث المختارة**۔ المکۃ المکرّمۃ، سعودی عرب: مکتبۃ النھضۃ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۷۳۔ **ملا علی قاری**، نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی (م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۶ء)۔ **مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح**۔ بمبئی، بھارت: اصح

المطابع۔

۷۴۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔ ۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر**۔ مصر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۲ھ۔

۷۵۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔ ۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب و الترهیب من الحدیث الشریف**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء۔

۷۶۔ **ابن منظور**، امام العلامۃ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری (م۷۱۱ھ)۔ **لسان العرب**۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۷۷۔ **نبہانی**، یوسف بن اسماعیل (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ)۔ **سعادت الدّارین**۔ مکتبہ رحمانیہ قندھار، افغانستان:

۷۸۔ **نسائی**، احمد بن شعیب (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۷۹۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن الکبری**۔ بیروت، لبنان: مکتب تحقیق اتراث، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۸۰۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **حلیة الاولیاء و طبقات الاصفیاء**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۸۱۔ **نور الدین**، علی بن محمد بن سلطان (م۱۰۱۴ھ)۔ **الأسرار المرفوعة فی**

الأخبار الموضوعة۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۸۲۔ **نووی**، ابوزکریا، یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ **شرح صحیح مسلم**۔ بیروت، لبنان: دارالاحیاء التراث، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء۔

۸۳۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی (م۶۸۱ھ)۔ **فتح القدیر**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ

۸۴۔ **ہندی**، حسام الدین، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ **کنز العمال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹۔

۸۵۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد و منبع الفوائد**۔ قاہرہ، مصر: دارالریان للتراث، بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۸۶۔ **ابویعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحیی بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔ ۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۸۷۔ **ابویعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحیی بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔ ۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المعجم**۔ فیصل آباد، پاکستان، ادارۃ العلوم والاثریہ، ۱۴۰۷ھ۔